تحریکِ آزادیٔ فکر

اور

شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی

از
مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ

جمع و ترتیب
مولانا محمد حنیف یزدانیؒ

مکتبہ محمدیہ

تحریک آزادئ فکر

اور

شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی

از

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا محمد حنیف یزدانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ چک 109/7.R ۔ چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

M0b: 0300-4826023

نام کتاب	----------	تحریک آزادیٔ فکر
طابع	----------	عبدالرحمان عابد
طبع اول	----------	جنوری 2006ء
تعداد	----------	600
قیمت	----------	270/- روپے

اسٹاکسٹ

دار الکتب السلفیة ○ شیش محل روڈ ○ لاہور
Ph.: 0092- 42-7237184 # 7230271 # 7213032

مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
Ph.: 0092-042-7244973

ضروری تحریر

میں نے مکتبہ نذیریہ قینچی امرسدھو لاہور کی تمام مطبوعات کے حقوق

مکتبہ محمدیہ چک 109/7R چیچہ وطنی ○ ضلع ساہیوال

کو فروخت کردیے ہیں اب یہ تمام کتب مع مسودہ جات مکتبہ محمدیہ کی ملکیت ہیں اور وہی اس کی طباعت واشاعت کا حق دار ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یا ادارہ مکتبہ مذکورہ کی کتب چھاپنے کا قصد نہ کرے۔

فقط

محمد اقدس بن مولانا محمد حنیف یزدانی رحمۃ اللہ علیہ

محمد امجد سانبھروری
17.8.2002.

فرمانِ ربّی جلّ وعلا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (پ۵-ع۵)

(ترجمہ)

"اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسولؐ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسولؐ کی طرف۔ اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہتر ہے — اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔"

○

○

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

ترجمہ

"اور نہیں ہے لائق واسطے کسی مرد مسلمان کے اور نہ عورت مسلمان کے جبوقت کہ مقرر کرے خدا اور رسول کوئی کام یہ کہ ہووے واسطے ان کے اختیار کام اپنے سے اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تحقیق گمراہ ہوا گمراہی ظاہر۔"

○

فرمانِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم

عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب فقال یا عدی اطرح عنك ھذا الوثن وسمعتہ یقرء فی سورۃ براءۃ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ قال اما انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا لھم شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ ——— (رواہ الترمذی)

(ترجمہ)

عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ میری گردن میں سونے کی صلیب کا نشان تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے عدی!۔ اس بت کو پھینک دو اور میں نے سنا کہ سورۃ براۃ کی یہ آیت پڑھ رہے تھے: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُم وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ: یہود نے اپنے علماء کو اور نصاریٰ نے اپنے پیروں کو (اللہ کے سوا) رب بنالیا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ لوگ ان کی پرستش نہیں کرتے تھے لیکن جب انکے علماء اور پیر کسی چیز کو حلال کرتے تھے تو وہ اسے حلال سمجھتے تھے اور اگر کسی چیز کو حرام کرتے تھے تو وہ اسکو حرام سمجھتے تھے ——— رواہ الترمذی)

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَکَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ ؕ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی: جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"

گر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق و شوق
"اُمتی" کہلا کے پیمبر کو تو رُسوا نہ کر!

ہے فقط توحید و سنّت امن و راحت کا طریق
فتنہ و جنگ و جدل "تقلید" سے پیدا نہ کر!

(اقبالؒ)

سدا اہلِ تحقیق سے دِل میں بَل ہے
حدیثوں پہ چلنے سے دیں میں خلَل ہے
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے
ہراک رائے قرآں کا نعم البدل ہے

کتاب اور سُنت کا ہے نام باقی!
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی!

(حالی)

حضرت

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا فرمان

اُترُکُوا قَوْلِی بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم

" جہاں تمہیں حدیث رسول ملے وہاں میرا قول چھوڑ دو "

○

امام ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا فرمان

" اگر احیاناً از پیر امرے خلافِ شریعت ظاہر شود ، مرید دراں امر تقلید پیر نہ کند "

(مکتوبات شریف ج ۱ ص ۳۱۳)

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

(مولانا خرم علی بلہوریؒ)

خواجہ نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلی کا فرمانؒ

"مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب و سنت می باید"

"اخبار الاخیار"

از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ
کا فرمان

کشف و الہام در شریعت معتبر نیست

(کلمات طیبات)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱۳۷	القواعد النورانیہ	۳۴۴
۱۳۸	تفقہ اور ظاہریت	۳۵۷
۱۳۹	تحریک حریت کے مقاصد	۳۶۳
۱۴۰	یمن کی راہ	۳۶۴
۱۴۱	مسئلہ حیات النبی ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں	۳۶۷
۱۴۲	اصلاحی تحریک کا مدّو جزر	۳۷۱
۱۴۳	ہندوستان کی تحریک تجدید۔ تحریک کا مزاج	۳۷۲
۱۴۴	دیوبندی اور اہلحدیث	۳۷۵
۱۴۵	شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مقام	۳۷۹
۱۴۶	مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	//
۱۴۷	صورت تصفیہ	۳۸۰
۱۴۸	شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ	//
۱۴۹	مخالف توحید تحریک کی ناکامی	۳۸۳
۱۵۰	محل نزاع	۳۸۵
۱۵۱	بریلوی عقیدہ اور دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی	۳۸۷
۱۵۲	غور و فکر کیلئے چند گذارشات	۳۸۸
۱۵۳	انبیاءؑ کی حیات دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے۔	۳۹۲
۱۵۴	کیا موت انبیاء کے لئے موجب توہین ہے۔	۳۹۳
۱۵۵	عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی	۳۹۴
۱۵۶	خانصاحب کی طویل ایک آن	۳۹۶

تبصرہ

ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی سابق امیر جمعیۃ اہل حدیث پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ ہر قسم کے مذہبی مکاتیبِ فکر میں آپ ایک جیّد عالمِ اہلحدیث مشہور تھے۔ آپ کی مذہبی اور سیاسی خدمات مسلّم ہیں اور جماعت اہلحدیث کا تو بچہ بچہ آپ سے محبت رکھتا تھا۔ آپ علمائے اہلحدیث کی آخری یادگار تھے۔ آپ کی تمام عمر درس و تدریس، تعلیم و تعلّم اور وعظ و خطبہ میں گزری۔ آپ کی خطابت جرأت صداقت اور دیانت تمام حلقوں میں مسلّم تھی۔

مسلکِ اہل حدیث سے آپ کو والہانہ تعلق تھا۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مسلکِ اہلحدیث پر جب کبھی اور جہاں کہیں سے بھی حملہ ہوا تو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ایک جانباز سرفروش اور بہادر سپاہی کی طرح علم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر حملہ آور کا پورا پورا دفاع فرماتے۔ مسلک کے بارہ میں آپ نے کبھی "مداہنت" سے کام نہیں لیا۔

زیر نظر کتاب "تحریکِ آزادیٔ فکر" بھی اسی سلسلہ کا

ایک شاہکار ہے۔ دیوبندی اور بریلوی مکتبِ فکر کی طرف سے بعض دفعہ مسلک اہلحدیث پر چند سوالات کھڑے کئے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے وقتاً فوقتاً جماعت کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" میں ان سوالات کے جوابات دیئے۔ ان تمام جوابات کو مع اضافات کے حضرت شیخ الحدیثؒ کے ارشادِ گرامی کے مطابق شائع کیا گیا۔

کتاب کے مستقل عنوانات یہ ہیں :-

تحریک اہل حدیث کا مدوجزر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی

برصغیر پاک و ہند میں اہل توحید کی سرگرمیاں

تحریکِ اہلحدیث کا تاریخی مؤقف اور خدمات۔

ترکِ تقلید اور اہلحدیث

مسئلہ تقلید پر تحقیقی نظر

اہلحدیث کی اقتداء

ایک مقدس تحریک جو مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی۔

مولانا محمد حنیف یزدانی قصوری جماعت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حضرت شیخ الحدیث کے ان تمام مضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا۔

کتابت و طباعت ہر لحاظ سے عمدہ ہے۔ کاغذ سفید، مضبوط جلد اور دیدہ زیب ٹائٹل، بڑے سائز کے ۲۴۸

صفحات پر مشتمل - یہ کتاب تحفہ سے کم حیثیت نہیں رکھتی - یہ کتاب بڑے اعتماد کے ساتھ ہر پڑھے لکھے آدمی کو پیش کی جا سکتی ہے -

ہم قارئین کرام سے التماس کرتے ہیں کہ ہر اہلحدیث کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے بلکہ مخیر حضرات کو چاہیئے کہ ایسی "نقد" کتابیں خرید کر دیگر مکتب فکر کے بزرگوں میں تقسیم کریں!

"الاعتصام" لاہور
۲۲ر نومبر ۱۹۶۸ء

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

تحریک آزادیٔ فکر اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی

تالیف : شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی گوجرانوالہ

اس کتاب کے مصنف علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے سب سے پہلے مسلک اہل حدیث کی تصریح فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ شاہ ولی اللہ دھلوی رحمہ نے کس طرح جمود کو توڑ کر اجتہاد کے لئے راہ ہموار کی۔ شاہ صاحبؒ اس دور کے اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں کے طرزِ عمل سے ناخوش تھے۔ ان کی رائے میں مسلک اہلحدیث محض ایک رسم بن کر رہ گیا تھا۔ ائمہ کے پیروؤں میں استدلال اور استنباط کی بجائے تقلید اور جمود پیدا ہو چکا تھا۔ شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ دونوں گروہ حقیقت پسندی سے کام لیں اور اہل الرائے اکابر کی بجائے کتاب و سنت کو اساس قرار دیں — اور اہل حدیث ظاہریت سے بچکر تفقہ سے کام لیں۔" ص ۴۹

کتاب کے ایک باب میں فاضل مصنف نے تحریک اہلحدیث کے تاریخی موقف اور اسکی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پھر انھوں نے مسئلہ تقلید پر بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے اور اس ضمن میں بعض فقہی مسائل کی توضیح بھی کی ہے۔

جس موضوع پر مولانا نے قلم اٹھایا ہے وہ بڑا نازک ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ انہوں نے اس ساری بحث میں اپنے علمی وقار کو سامنے رکھتے ہوئے سنجیدگی سے اظہار خیال کیا ہے اور اپنے موقف

کی تائید میں دلائل پیش کئے ہیں۔

(ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۶۷ء)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب راجووال کا مکتوب گرامی

بنام مولانا محمد حنیف یزدانی

جناب محترم! مولانا محمد حنیف صاحب یزدانی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مزاج شریف۔

گذارش ہے کہ عرصہ گذر گیا کہ آپ کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ بندہ نے حاضری کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کئی دفعہ ارادہ کیا لیکن مدرسہ کی کثیر مصروفیات کی وجہ سے قاصر رہا۔ کسی فرصت میں ملاقات کا ارادہ رکھتا ہوں، ہاں کبھی آپ کا قصور کو گزر ہو تو غریب خانہ پر تشریف لا کر بندہ کو سعادت بخشیں، امید واثق ہے کہ لاہور کانفرنس پر آپ کی ملاقات ہو گی۔

نیز آپ نے دیگر جماعتی خدمات کے علاوہ معیار الحق اور تحریک آزادی فکر کی طباعت میں جو محنت شاقہ برداشت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اور جو کہ جنوری ۶۵ء کی طبع کتاب میرے ہاتھ میں ہے۔ خوبصورت ٹائیٹل عمدہ کاغذ، بہترین جلد بلکہ ہمہ صفت موصوف ہے۔ یہ آپ کے حسن کارکردگی اور انتہائی علمی ذوق وشوق کی دلیل ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے عمل کو قبول فرمائے اور مزید دینی خدمات کی توفیق دے اور آپ کے علم وعمل میں مزید برکت فرمائے۔ آمین

بندہ اور اساتذہ کرام دار الحدیث اور دیگر احباب نے ہر دو کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ سونے پر سہاگہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنفین کے عمل کو قبول فرمائے۔ آمین

۱۲ ۱۰/۶۷

عرضِ ناشر

(طبع سوم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۝

اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ اسلام! "تحریک آزادیٔ فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی مساعی" طبع سوم آپ کے سامنے ہے۔ طبع اول ۵۰۰ عدد ہم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں آپ سے ترمیم و اضافہ کروا کے اور اجازت حاصل کر کے شائع کی تھی۔ دوسرا ایڈیشن ۵۰۰ عدد آپ کی وفات حسرت آیات کے فوراً بعد شائع کیا۔ اس کے بعد ہم تاخیر کا شکار ہو گئے۔

احباب علم و دانش کا مسلسل اصرار رہا کہ مذکورہ کتاب جلد از جلد شائع ہونی چاہیے لیکن ہم نے اسے پہلے سے زیادہ بہتر طریق پر شائع کرنا اور کتاب کے متعلقہ مضامین کو یکجا کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھا۔ جوں جوں مطلوبہ مواد ملتا گیا ہم اسے جمع کرتے رہے تاآنکہ ہمیں اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کے بہت سارے مضامین فراہم ہو گئے ۔۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

پہلے دو ایڈیشنوں کے علاوہ موجودہ ایڈیشن میں درج ذیل مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے:

(۱) مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں:

(۲) زیارت قبور

(۳) مسلک اہلحدیث کے بارے میں چند اہم سوالات اور انکے جوابات

(۴) ایک استفسار کا جواب

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہلحدیث کے قادر الکلام خطیب تھے۔ آپکے لکھنے کا انداز اتنا دلنشیں اور مدلل ہوتا تھا کہ علمی و تحقیقی ذہن رکھنے والا انسان آپ کی تحریر کو بار بار پڑھ کر ہر بار ایک نیا لطف اور مزہ حاصل کرتا ہے آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا۔ اس موضوع کے تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی اور سائل کو پوری طرح مطمئن فرمایا۔

کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگا ہے کہ بھارت میں ایک اہلحدیث عالم مولانا مقتدیٰ حسن ازھری (بنارس) نے اس کا ترجمہ عربی زبان میں کر دیا — جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

راقم الحروف کو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے جو عقیدت و محبت ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے کتاب و سنت سے جو وابستگی اور مسلک اہلحدیث سے جو شیفتگی ہے حضرت سلفی رح کی تربیت کا اس میں مکمل حصہ ہے۔ اس گنہگار نے جماعت اہلحدیث میں بڑے بڑے علما اور پارسا حضرات کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے لیکن مولانا اسماعیل سلفی رح اور حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی رح کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس گنہگار پر اللہ مولا کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھے بارہا عالم رؤیا میں ان دونوں بزرگوں کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ چند ایک بزرگ علمائے اہلحدیث سے ان رویائے صالحہ کا ذکر کیا تو فرماتے کہ آپ حضرت سلفی رح اور حضرت غزنوی رح کے علمی جواہرات کو کتابی شکل میں مارکیٹ میں لائیں سو اللہ کے فضل و کرم، اسکی خاص عنایت و مہربانی سے یہ علمی جواہر پارے تحریک آزادیٔ فکر کی صورت میں

پیش خدمت ہیں۔ ذٰلِکَ فضل اللہ یُؤتیہ من یشاء۔

اظہارِ تشکر

ہم حضرت شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف مدظلہ، محشی سنن نسائی وکتب کثیرہ علمیہ کے ممنون ومتشکر ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں ہماری پوری حوصلہ افزائی فرمائی اور بعض نوادرات وتبرکات حضرت سلفیؒ ہمیں فراہم کئے فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ اللہ تعالیٰ مصنف، ناشر اور اس سلسلہ میں ہماری حوصلہ افزائی کرنے والے حضرات کی سعی وہمت کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

گذارش

ہم نے امکانی حد تک کتاب ھذا کو اغلاط وغیرہ سے مبرا رکھنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم قارئین کرام اگر کوئی سقم دیکھیں تو اطلاع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسکی اصلاح کی جائے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

الخادم المخلص:

یکے از عقیدتمندانِ حضرت سلفیؒ

محمد حنیف یزدانی

۱۶ر مارچ ۱۹۷۸ء

۶ر ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ

جمعرات

مختصر حالاتِ زندگی
مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اسماعیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے قریب ایک گاؤں "ڈھونے کی" میں ۱۳۱۹ھ، ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا محمد ابراہیمؒ اعلےٰ درجہ کے خوشنویس تھے چنانچہ جامع ترمذی کی شرح الاحوذی کی چاروں جلدیں — اور قرآن مجید مترجم مولانا وحید الزمانؒ مطبوعہ لاہور ان کی خوشنویسی کا شاہکار ہیں۔ انہوں نے اپنے اس اکلوتے فرزند ارجمند کو ہوش سنبھالتے ہی استاد پنجاب حافظ الحدیث مولانا حافظ عبد المنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث وزیر آباد کی خدمت میں دینی تعلیم کے لئے بھیجدیا۔ آپ نے جملہ علوم و فنون، قرآن و حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عربی ادب، منطق، فلسفہ، عقاید و کلام وغیرہ حضرت حافظ صاحب سے حاصل کئے۔ آپ نے امرتسر دہلی کے مشہور اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا۔ آخر میں مولانا محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہو کر مزید علم حاصل کیا۔ درس نظامی کی تکمیل کے مراحل کئی سال میں طے کئے۔ ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۱ء میں مولانا محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی اور مولانا ثناء اللہؒ امرتسری کی تجویز کے مطابق گوجرانوالہ میں مسند تدریس و خطابت سنبھالی جس کو آپ نے چار چاند لگا دیئے اور ساری عمر گوجرانوالہ ہی میں گزار دی۔ قومی، ملکی، وطنی، دینی، اسلامی ہر تحریک میں حصہ لیا۔ تحریک آزادی کے دنوں میں انگریز کے خلاف جہاد کرتے کیلئے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گذشتہ نصف صدی میں جماعت اہلحدیث کی کسی بھی قسم کی سرگرمی میں مولانا محمد اسماعیلؒ ہمیشہ ایک اہم رکن کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

نوجوانی ہی میں سعی وہمت کا یہ حال تھا کہ ۱۹۲۴ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا سالانہ اجلاس گوجرانوالہ میں کرا ڈالا ۔ انجمن اہلحدیث کا قیام عمل میں آیا تو اس میں مولانا کا بہت عمل دخل تھا ۔ ۱۳۴۹ھ میں مولانا سید محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھڑیالوی کی سربراہی میں جمعیت تنظیم اہلحدیث وجود میں آئی تو اس کے روح رواں بھی آپ تھے چنانچہ اس کا دفتر مولانا ہی کی سرپرستی میں گوجرانوالہ میں قائم ہوا ۔

۱۹۴۶ء کے سالانہ اجلاس اہلحدیث کانفرنس بمقام دہلی مجلس عمل اہل حدیث کانفرنس قائم ہوئی تو آپ اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے ۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی معیت میں جماعت اہلحدیث کو منظم کیا ۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کی مجلس عمل میں جمعیت اہلحدیث کے نمائندہ تھے ۔

۱۷ سال تک کے عرصہ میں جمعیت اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ رہے ۔ حضرت غزنوی کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر امیر جمعیت اہل حدیث مقرر ہوئے جو تادم زیست رہے ۔

گوجرانوالہ شہر میں بالخصوص اور علاقہ گوجرانوالہ میں بالعموم توحید وسنت کا نور آپ کے دم قدم سے پھیلا ۔ آپ کو "علم حدیث" میں تبحر حاصل تھا ۔ چنانچہ آپ کے انتقال پر ماہنامہ "الرحیم" (ماہ مارچ ۱۹۶۸ء) نے لکھا کہ آپ واقعی "شیخ الحدیث" تھے ۔ لکھنے میں کمال حاصل تھا ۔ بہت عمدہ لکھنے کے ساتھ زود نویس بھی تھے ۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ میں نے جب بھی لکھنے کے لئے عرض کیا اسی وقت ایک مبسوط مضمون لکھ کر میرے حوالے کر دیا ۔ چنانچہ "معیار الحق" کا پیش لفظ اسکا شاہد عدل ہے ۔ مسلک اہلحدیث کے بارہ میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا ۔

حدیث اور مسلک اہلحدیث پر جب کبھی اور جہاں کہیں سے بھی اعتراض ہوا ، فوراً اس کا جواب دیا چنانچہ تحریک آزادیٔ فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کی تجدیدی مساعی" مسلک اہلحدیث کے موضوع پر آپ کے جملہ مضامین کا مرقع ہے جو آپ ہی کے پیشِ لفظ سے مزیّن ہو کر "مکتبہ نذیریہ" کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ راقم ہی نے حضرت مولانا کی اجازت سے مسلک اہلحدیث کے موضوع پر جو مضامین مختلف رسائل وجرائد میں طبع ہو چکے تھے انہیں یکجا کیا — اور حضرت مولانا ہی سے ان کا ترمیم واضافہ کرا کے آپ کی زندگی ہی میں شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔

الحمد للہ علیٰ ذالک!

آپ پاکستان میں علمائے اہلحدیث کی آخری یادگار تھے اور آپ اکابر علماء اہلحدیث کی جملہ صفات کے حامل اور ایک مثالی شخصیت تھے۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کا ورع اور تقویٰ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تواضع مولانا عبدالواحد غزنوی کا ذوق قرآن فہمی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی انگریز دشمنی مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ذوق تالیف، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کا جوہر خطاب، مولانا عبدالوہاب دہلوی کی شیفتگیٔ سنّت، مولانا محمد حسین بٹالوی کی وسعتِ علم، مولانا عبدالقادر قصوری کی متانت اور عمق فکر، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی کا ملکۂ افتاء، مولانا محمد داؤد غزنوی کی معاملہ فہمی اور وُسعتِ قلبی — یہ صفات ایک مولانا محمد اسماعیل میں موجود تھیں۔

گوجرانوالہ میں جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب تھے، مدرسہ محمدیہ کے "شیخ الحدیث" تھے تقریباً پچاس برس شہر میں درس قرآن وحدیث دیا۔ ہزاروں لوگوں کو قرآن پاک کا ترجمہ معہ ضروری تفسیر کے پڑھایا۔ ۱۹۵۳ء میں جن ۳۱ علماء نے ۲۱ نکات پر مشتمل پاکستان کے دستور کا خاکہ مرتب کیا، ان علماء میں آپ بھی شامل تھے۔ سابق صدر ایوب کے دور میں آئینی کمیشن نے جو سوالنامہ شائع کیا، اس کے جواب میں جن علماء نے

متفقہ طور پر سوالنامہ کا جواب نامہ لکھا، اس کے روحِ رواں آپ تھے۔ غرضیکہ دینی۔ اسلامی۔ مذہبی۔ سیاسی۔ ملکی اور وطنی تحریکوں میں آپ کا حصہ بہت عظیم ہے۔

بالآخر جنگ آزادی کے صفِ اول کے مجاہد پچاس برس تک مسند درس و تدریس اور خطابت و افتاء کو زینت دینے کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء — ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ بروز منگل چار بجے بعد نماز عصر انتقال فرما گئے — اگلے دن بروز بدھ بعد از نماز ظہر سٹیڈیم گراؤنڈ گوجرانوالہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جنازہ پر بے پناہ ہجوم تھا — بچے بوڑھے، مرد عورت، اپنے پرائے، مذہبی سیاسی تمام لوگ اشک بار تھے۔ ایسا جنازہ گوجرانوالہ میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ پورے پاکستان سے لوگ پہنچے تھے۔ بقول شورش کاشمیری ایسا جنازہ تو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا، نوائے وقت ایسے روزناموں نے اداریے لکھے۔ ماہناموں، ہفت روزوں کا تو شمار ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عاشقِ اسلام، عاشقِ سنت رسولؐ، کشتۂ محبتِ محدثینؒ، شیفتۂ حدیث و اہلحدیث، غریبوں کے غم گسار اور ملت اسلامیہ کے جانثار کو جنت الفردوس میں انبیاء، شہداء و صالحین کی معیت میں مقام علیا عطا فرمائے ——— آمین ثم آمین

یکے از عقیدت مندان حضرت سلفیؒ

الخادم المخلص

محمد حنیف یزدانی

آہ!

مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ

عالم مشہور مولانا محمد اسماعیلؒ
ناجی و مغفور مولانا محمد اسماعیلؒ

رونق گلزار ہستی سے معاً منہ موڑ کر،
جا بسے ہیں دُور مولانا محمد اسماعیلؒ

اُٹھ گئے بزم جہاں سے غمگسار و دردمند
سالک مذکور مولانا محمد اسماعیلؒ

داغ اندوہ وجدائی دے کے اہل علم کو
کر گئے رنجور مولانا محمد اسماعیلؒ

جن کو روتے تھے انہیں سے خود بھی آخر جا ملے
وہ رفیق النّور مولانا محمّد اسمٰعیلؒ

ملک و ملّت کیلئے تھے جذبہ ایثار سے
سر بسر معمور، مولانا محمّد اسماعیلؒ

کارزار حق و باطل میں رہے سینہ سپر
تا دمِ مقدور مولانا محمّد اسماعیلؒ

کو بہ کو قریہ بہ قریہ مشتہر کرتے رہے
ایزدی منشور، مولانا محمّد اسماعیلؒ

بہرِ حق زندانِ افرنگی میں اِک مدّت رہے
قیدی و محصور مولانا محمّد اسماعیلؒ

زندگانی بھر رہے احیائے دیں کیواسطے
غیر کے مقہور مولانا محمّد اسماعیلؒ

راہِ تیرہ میں بہ فیضِ علم روشن کر گئے
مشعلِ پرُ نور، مولانا محمّد اسماعیلؒ

لے: مولانا نور حسین گھرجاکھی

پردہ سنت میں راسخ دیکھتے ہی دیکھتے

ہو گئے مستور، مولانا محمد اسمٰعیلؒ

سنِ رحلت کی ہوئی جب فکر ہاتف نے کہا

قُل کسِ مغفور مولانا محمد اسمٰعیلؒ

۱۹۶۸ء

(راسخ عرفانی)

بجھ گئی اک اور شمع رونق کاشانہ آج

عالمِ حیرت میں ہے مسکوت ہر پروانہ آج

جس کو اسکے عزم نے سینچا تھا اپنے خون سے

ہو گئی وہ بزمِ علم پھر ویرانہ آج!

چشم حیراں، دل حزیں، افسردہ چہرہ گنگ لب

دیکھ لے دنیا ہمارے ضبط کا پیمانہ آج!

ہائے وہ مولانا اسمٰعیلؒ وہ شیخ الحدیث

چل بسا دنیا سے جمعیت کا اک فرزانہ آج

جس نے کل ہم کو جگایا اور اٹھایا نیند سے
اب اٹھائے جا رہا ہے اسکو اک اک شانہ آج

چل دیا وہ آج اپنے رب سے ملنے کیلئے
توڑ کر دنیا کے ہر انسان سے یارانہ آج

ہے یہ بیشک اُسکے حسنِ خلق کی زندہ مثال
موت پر اسکی ہے گریاں اپنا اور بیگانہ آج

میں ہی اسکے غم میں اک عاجز نہیں زار و نزار
رو رہی ہیں کتنی آنکھیں اُسکو بے تابانہ آج

(عبدالرحمٰن عاجز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

حمد و سپاس اس خدائے یکتا و یگانہ کے لئے ہے جو اپنی حکمت اور مشیّت کے تحت اپنے بندگان سے دینِ محکم کی استواری کے لئے خدمت لے لیتا ہے، اور اپنے الطافِ خاص سے نواز کر مطلوبہ مقاصد کی تکمیل پر مامور کر دیتا ہے نیز ادوارِ ناشائستہ کی دست برد سے دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ و بقا کا کام سرانجام فرماتا رہتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے تدبرِ کامل سے اپنے ناچیز اور حقیر انسانوں سے ان ضروریات کا اہتمام کرا لیتا ہے جن کا معدوم ہونا نوعِ انسانی کے لئے نقصانِ عظیم کا باعث ہو سکتا ہو۔ بعد ازاں درود و سلام ہو اس نبی برحق پر جسکے ارشادِ حقیقت آگین اور نوائے وحدت سرودش سے ہمیں دین کا فہم حاصل ہوا۔

امّا بعد

اس احقر العباد طالب الرشاد کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ حضرت الامیر المرکزیہ، جمعیت اہل حدیث پاکستان استاذ العلماء والمدرسین رأس الفقہاء والمحدثین نے فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی، گوجرانوالہ کے رشحاتِ قلم کا مرقع " تحریک آزادیٔ فکر کا مدوجزر اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ

کی تجدیدی مساعی" نامی کتاب کو ایک نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کرے اور دینی لٹریچر کی اس بے بضاعتی کے دور میں اس خزینۂ حقائق کو طباعت و کتابت کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے ہدیۂ ناظرین کرے۔ چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت ٹھوس دلائل و براہین کی حامل ہے اور اس تقلید جامد کے دور میں اس کی شدید ضرورت ہے اس لئے حمیتِ حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر خادم نے توکلاً علی اللہ اس کام کا بیڑا اٹھایا۔

اہلِ علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ مضمون بالاقساط ہفت روزہ "الاعتصام" ۶۱-۱۹۶۲ء لاہور میں شائع ہوتا رہا۔ جسکا نام "تحریکِ اہلِ حدیث کا مدوجزر اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی" ہے۔ محترم مولانا موصوف مدظلہ نے خود ہی اس کا دوسرا نام "تحریکِ آزادیٔ فکر" تجویز فرمایا۔ اسکے علاوہ حضرت مولانا صاحب کے اسی معنی و مفہوم کے اور مضامین بھی "الاعتصام" میں شائع ہوتے رہے مثلاً "ترکِ تقلید اور اہلِ حدیث"۔ "برصغیر پاک و ہند میں اہلِ توحید کی سرگرمیاں" "تحریکِ اہلِ حدیث کا تاریخی موقف اور اسکی خدمات"۔ "مسئلہ تقلید پر تحقیقی نظر"

علم دوست احباب کی مدت سے خواہش تھی کہ "الاعتصام" کے محققانہ اور جامع مضامین کو الگ سے کتابی صورت میں شائع ہونا چاہیئے۔ حضرت الامیر مدظلہ العالی کی خدمتِ اقدس میں اجازت کی درخواست کی گئی تو آپ نے برضا و رغبت اجازت مرحمت فرما کر حوصلہ افزائی کی جسکا خادم تہ دل سے مشکور ہے۔ اس کتاب مستطاب مفید شیخ و شاب کا پیش لفظ بھی محترم مولانا صاحب مدظلہ ہی نے رقم فرمایا ہے۔

انسانی حد تک اس کتاب کو ہر طرح اغلاط سے درست اور کتابت و طباعت کے سلسلہ میں مزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی سقم دیکھیں تو اطلاع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔ فقط والسلام

۷ ارمحرم الحرام ۱۳۹۵ھ — محمد حنیف ندوانی

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہٖ محمد خاتم النبیین والسلام علیٰ اصحابہ واتباعہ اجمعین۔

میں مسلسل لکھنے کا عادی نہیں۔ پیدائشی طور پر ذہنی میلان دین کیطرف ہے اور عقیدۂ سلف سے طبعی شغف، تعلیم و تربیت بھی اسی نہج پر رہی۔ انگریزی تعلیم اور حضری مدارس سے نہ تاثر ہے نہ انس۔ اگر کبھی ضرورت ہو تو مذہبی مسائل پر ہی لکھتا ہوں۔ جہاں تک اپنے متعلق خیال ہے میں مناظر نہیں ہوں نہ آج کے رسمی مناظرات سے طبیعت آشنا ہے۔ اس لئے حوالوں میں کانٹ چھانٹ، تراجم میں حسب مطلب قطع برید کی قطعاً عادت نہیں۔ مسلک اہل حدیث سے محبت ہے اور فن حدیث سے بلحاظ طالب علم کچھ تعلق اور اسی ماحول میں کم و بیش کچھ لکھنے کا موقعہ ملا ہے حدیث کی اساس چونکہ قرآن ہے اس لیئے قرآن عزیز کے ساتھ بھی اسی قسم کا تعلق ہے بلکہ قرآن کو سنت سے قطع کر کے سمجھنے کی کوشش کرنا مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ مجھے معلوم ہے کہ کئی سال سے ہمارے ملک میں انکار حدیث کی تحریک چل رہی ہے اور کئی مراحل سے گزری ہے اور اس کے محرکین نے وقت کے تقاضوں کے مطابق کئی لباس بدلے ہیں۔ میں نے ابتدا میں یہ لٹریچر بطور طالب علم تحقیق کی نظر سے پڑھا اب مجھے اس تحریک اور اس لٹریچر سے نفرت ہے۔ اس شغل کو اضاعت وقت سمجھتا ہوں۔ صلوٰۃ القرآن، بیان القرآن، طلوع اسلام یہ اس

تحریک کی بے چارگی کے مختلف مراحل ہیں، اس تحریک کی قیادت کے عمل اور فکر کا ماحصل یہ ہے: وہ قرآن کو مفصل کہنے کے باوجود مجمل اور قابل تشریح و تفسیر سمجھتے ہیں اور قرآن کی تفسیر اور تشریح کے لئے لٹریچر شائع کرتے ہیں جس کا مطلب ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کو ان حضرات کی تشریح کی ضرورت ہے۔ ان کے ہاں اس تشریح کو قبول کرنا گویا قرآن کو ماننا اور قبول کرنا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے رفقاء کرام قرآن کے مقاصد کو بیان کریں تو اسے یہ حضرات نہ قبول کرتے ہیں نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں بلکہ قطعاً ناپسند کرتے ہیں؛ کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے مگر اس کا انکار کر دینا سمجھ میں آتا ہے۔ ائمہ حدیث نے جن احادیث کو اپنے معیار پر نہیں پایا۔ ان کا انکار کر دیا یا ان کو موضوع فرما دیا لیکن چند احادیث سمجھ میں نہ آئیں تو پورے ذخیرہ اور فن کا انکار بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔ عقل کو اس پر حیرت ہوتی ہے۔

اسی طرح کچھ بزرگ چند رسمیں اور چند نعرے لگا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اسلام کی خدمت کا دعوٰے فرماتے ہیں اور ان رسموں کو اسلام اور ایمان کی بنیاد سمجھنا اور ان سے انکار یا ان پر انکار کو اسلام کی مخالفت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کے منافی سمجھنا عجیب بات ہے حالانکہ قرون خیر اور ائمہ اسلام فقہاء محدثین کے آثار میں ان رسوم کا ذکر تک نہیں۔ اگر کہیں تھوڑا بہت پتہ چلتا ہے تو ان بزرگوں نے ان رسوم کو نفرت کی نظر سے دیکھا ہے اسلام ایسے فعّال مذہب کا انحصار چند رسموں اور نعروں پر ہو ضمیر اس سے اباء کرتا ہے۔

اسی طرح مروجہ تقلید اور جمود کا آغاز تو غالباً طبعی تاثر ہے جو ایک شاگرد استاد سے اور تلمیذ شیخ سے اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ یہ طبعی اور قدرتی

ہے۔ اس کے جواز یا عدم جواز کی بحث بے فائدہ ہے۔ یہ تاثر ناگزیر ہے اور یہ تاثر ہمیشہ باندازِ تحقیق اور بحث ونظر کی راہ سے ہوتا ہے۔ اس مین جمود نہیں ہوتا۔ دوسرے ائمہ اجتہاد سے حق کی نفی یا نفرت کے آثار اس میں نہیں پائے جاتے بلکہ ایک تحقیقی تاثر اور فکر ونظر کی راہوں میں کسی قدر ہم آہنگی اور ہمواری ہوتی ہے ان فقہی فروع میں نہ حق کسی ایک میں محصور ہوتا ہے نہ ہی دوسرے اہل تحقیق سے نفرت اور بغض ہوتا ہے اور خود ائمہؒ نے اپنے متعلق کبھی یہ تاثر نہیں دیا کہ حق صرف ہمارے دامن سے وابستہ ہے اور نہ ہی یہ تاثر دیا ہے کہ ہماری باتوں کو بلا دلیل محض خوش فہمی اور عقیدت کی بنا پر قبول کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام فکر ونظر کی دعوت دیتے تھے ان کے اتباع تقلید اور جمود کی دعوت کیسے دے سکتے تھے۔ میری رائے میں یہ تینوں مقام اس قدر ظاہر اور واضح ہیں کہ ان پر کسی طویل بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اسکے باوجود دنیا میں ایسے حضرات موجود ہیں جو انکارِ حدیث کو بطور تحریک چلانا چاہتے ہیں۔ ان کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل سکوت اجتہاد دین میں حجت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کی تفسیر فرمائیں۔ ہمیں حق ہے کہ ہم ان کے خلاف تفسیر کریں اور صرف اپنی تفسیر کو صحیح سمجھیں، لیکن اس شناعت کے لیے عنوان یہ رکھا گیا ہے کہ قرآن مکمل ہے اور اسناد کی وجہ سے حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ یہی حال قریباً بعض دوسرے بزرگوں کا ہے وہ بدعی رسوم اور مشرکانہ عادات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور بزرگوں کے ساتھ ربط وعقیدت کے نام دیتے ہیں اور ائمہ سے علمی استفادہ کا نام تقلید رکھ دیا گیا ہے۔ وبینہما مفاوز تتقطع فیھا اعناق الابل۔

گذشتہ ایام کسی ضرورت یا کسی تاثر کے ماتحت میں نے چند مضامین

" الاعتصام " میں لکھے جو بعض حلقوں میں بہت پسند کئے گئے۔ بعض حلقوں میں کافی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ کسی چیز کے مؤثر ہونے کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اپنے لیے مختلف حلقے پیدا کرلے اور نقد و نظر کا تختۂ مشق بنے۔ مضمون جب چھپ رہا تھا۔ بعض محترم اور عزیز دوستوں نے اس کے بعض حصوں پر دوستانہ اور محققانہ تنقید فرمائی۔ جزاھم اللہ احسن الجزا

بعض احباب کا خیال تھا کہ اہلحدیث حفاظ حدیث کا دوسرا نام ہے — یہ مکتب فکر نہیں اس کے متعلق کچھ مختصر اشارات زیر طبع مضامین میں آگئے ہیں ۔ اس موضوع پر ایک مبسوط مضمون لکھنے کا خیال ہے وارجو امن اللہ التوفیق۔

مولانا محمد حنیف یزدانی کی نظر سے غالباً یہ مضامین گزرے انھوں نے ان کی طباعت کا ارادہ فرمایا ہے۔ میں نے انہیں اجازت دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اعمالِ خیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ناظرین سے گزارش ہے۔ اگر وہ ان پریشان خیالات کو پسند فرمائیں۔ تو حضرت الاستاذ المحترم المحدث الکبیر حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، ان کی مبارک تربیت ہی دراصل توحید و سنت کے ساتھ محبت اور مسلک سلف کے ساتھ تعلق کی حقیقی محرک ہے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واجعل جنۃ الفردوس ماواہ واجعلہ من ورثۃ جنۃ النعیم۔

محمد اسماعیل مدرس و خطیب

جامع اہلحدیث۔ چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

۲۶ر مارچ ۱۹۶۶ء

۳ر ذیقعد ۱۳۸۵ھ

تحریکِ اہلحدیث کا مدّوجزر
اور
حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی کے اثرات

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ پہلی امتوں میں بھی مختلف ذہن تھے۔ بعض الفاظ کے ظاہری مفہوم پر اعتماد کرتے تھے۔ بعض کی توجہ اسباب وعلل کیطرف ہوتی تھی وہ الفاظ کو صرف ذریعہ سمجھتے تھے۔ کچھ لوگ اس عالم کون و فساد میں دین اور دنیا دونوں کو حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ کچھ ترکِ دنیا اور زہد و ورع کو حاصل مقصد خیال کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ اپنی اپنی جگہ یہ سب چیزیں درست ہیں اور اس کارخانۂ حیات و موت میں نہ الفاظ سے گریز ممکن ہے نہ اسباب وعلل کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر دنیا اور اس کی ضروریات سے بالکلیہ دامن کشی نہ شریعت کا مقصد ہے اور نہ دنیا پرستی اور اس کی طلب میں جنون کی حد تک بھاگ دوڑ صحیح راہِ عمل ہے۔ غلو کسی میں نہ آئے اس میں خرابی پیدا ہوگی۔ اسلام اور آنحضرتؐ فداہ روحی نے اس میں اعتدال کیطرف راہنمائی فرمائی ہے:

قال ابن کدبون وکان الیہود	"یہود میں اس وقت تین گروہ تھے
فی دینھم یومئذ ثلث فرق	فقہا تھے۔ جن کو وہ بڑا حکیم کہتے
فرقۃ الفقھاء واھل القیاس	تھے۔ ربانیین بھی انہی کا نام ہے
ویسمونھم الفروستیم وھم	بعض ظاہری تھے، جو کتاب کے

الربانیون وفرقة الظاهریه	نام میں الفاظ کو مانتے تھے۔ ان
المتعلقین بظواهر الالفاظ	کا نام صلادقیہ تھا اور انہیں
من کتابهم ویسمونهم	قراء بھی کہا جاتا تھا اور ایک
الصلادقیه وهم القرّاؤن	گروہ فقراء اور زاہدوں کا تھا۔
وفرقة العبّاد المنقطعین	انہیں تسبیح وتہلیل کے سوا
للعبادة والتسبیح والزهاد	کسی چیز سے رغبت نہ تھی ان کو
فیماسوی ذالك ویسمونهم	خسیدیم کہا جاتا تھا۔"
الحسیدیم (ابن خلدون ص ج ۱)	

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لتتبعن سنن من کان	تم پہلے لوگوں کے قدم بقدم
قبلکم حذو النعل بالنعل	چلوگے۔

مختلف ذہن:

آج اسلام میں بھی تینوں قسم کے آدمی موجود ہیں۔ بعض شریعت پر غائر نظر رکھتے ہیں اور دین کے مصالح ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ کچھ ظاہر بین ہیں جن کی نظر بالکل سطحی ہے اور زاہدوں کا گروہ تو پورے ملک کے ذہن پر چھا رہا ہے خانقاہی نظام ابتداء میں کسی قدر اچھا تھا۔ اس کی تفصیلات معلوم ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اکثر بدعات انہیں کے قدموں سے اٹھتی ہیں اور بدعی فتنوں کا مرکز یہی لوگ ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صحابہ میں فقہا بھی موجود تھے، اہلِ ظاہر بھی، زاہد اور اتقیاء بھی پائے جاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں مختلف طبقات رہے، اور یہ قسمیں اہلِ فکر میں موجود ہیں لیکن اس

اس میں کبھی بے اعتدالی ہو جاتی۔ جمود تو اسلام کی اُفتادِ فطرت کے خلاف تھا لیکن یہ جمود تینوں تحریکات میں آیا۔ کبھی ظاہر پرستی اس طرح اذہان پر چھا گئی کہ الفاظ کی پرستش شروع ہو گئی۔ لوگوں نے مقاصد اور مصالح کو نظر انداز کر کے محض الفاظ پر سارا زور صرف کر دیا۔ کبھی آراء رجال اور قیاسات علماء نے ذہن کو اس قدر متأثر کیا کہ شخصی آراء و افکار نے تقلید اور جمود کی صورت اختیار کر لی۔ ائمہ اور علماء کی تقلید کو واجب[۵] اور فرض کیا جانے لگا۔ مقتدر علماء کی جزوی مخالفت اس قدر جرم سمجھی جانے لگی گویا وہ پیغمبر کی مخالفت ہے۔ یہ دونوں غلو کی راہیں تھیں یہی مرض زہاد و اتقیاء میں نمودار ہوا۔ وہاں بھی پیر کو مظہر بنایا یا پیغمبر کا نعم البدل سمجھا جانے لگا۔ بزرگوں کے عادات، رسوم اور اوراد و وظائف کو وحی کا مقام دیا گیا۔ فقر و حال کو شریعت اور وحی کا رقیب ظاہر کیا گیا۔ شرعی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں ان حضرات کو کوئی تامل نہ تھا۔ یہ بھی ایک جمود ہے جو اسلام کے

---

۵ ائمہ اربعہ اور باقی اہل سنت اور ان کے علوم کے ساتھ تعلق کی جو آج جامد صورت پیدا ہو چکی ہے معلوم ہے ابتداء میں نہیں تھی۔ نہ ائمہ اسے پسند فرماتے اور نہ ان کے تلامذہ ہارون نے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے موطأ کی آئینی حیثیت کا جب ذکر کیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے سختی سے اس کا انکار کیا۔ الدیباج ص ۲۔

ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے روکا۔ حجۃ اللہ اور کتاب العلم ابن عبد البر وغیرہ میں ان کے ارشادات بصراحت موجود ہیں۔ تعجب ہے کہ اکابر دیوبند آج بڑی جرأت سے اسی جمود اور تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور اسے واجب تک کہنے سے گریز نہیں فرماتے حالانکہ یہ صاحب شریعت کا وظیفہ ہے۔ معلوم ہے کہ تقلید اور اس جمود کا دور چار سو سال بعد ہوا۔

مزاج اور طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام ایک متحرک دین ہے۔ اسمیں کتاب و سنت کو اساس قرار دے کر ہر دور میں فکری آزادی کی نہ صرف حمایت فرمائی گئی ہے بلکہ حریت فکر کے لئے ممکن طور پر راہیں ہموار کر دی گئی ہیں، اور جمود اور تقلید کو روکنے کی ہر کوشش عمل میں لائی گئی۔

جمود شکن تحریکات:

اسلام کی اشاعت کے مختلف ادوار میں اسکے اثر و رسوخ اور مختلف اذہان کی عقیدت مندیوں اور مختلف قسم کے امیال و عواطف کی نیرنگیوں نے مدوجزر کی صورت اختیار کی، کبھی ظاہر پسندی اور الفاظ کے تقاضوں نے اتنا زور پکڑا کہ قیاس صحیح اور مصالح کو شکست دے دی گئی۔ کبھی آراء و مقائیس کی محبت نے ایسا جمود پیدا کیا کہ آراء رجال کے سامنے نصوص مہجور اور متروک قرار پاگئے۔ فرضی مسائل کا نام شریعت رکھ دیا گیا۔

اس مدوجزر کا نتیجہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہے اور اسی کا نتیجہ فقہاء کی کتاب الحیل ہے جس نے عبادات سے لیکر معاشیات تک دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے فواحش دین کے لبادہ میں عبادت اور تفقہ تصور ہونے لگے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، حیل کی وبا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے ــ کہ ظاہریت کا تعلق فن حدیث سے ہے۔ ابن حزم وغیرہ پر ظاہریت اسی لئے غالب رہی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقہی حیل اور ظاہریت دونوں ایک ہی ذہن کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم اور ان کے رفقاء نے حدیث کے الفاظ کے ظاہر سے ٹھوکر کھائی اور ارباب حیل نے فقہی قواعد کے ظواہر سے دھوکہ کھایا۔ شارع کے مقاصد اور مصالح دونوں جگہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ دونوں جگہ الفاظ کی ظاہریت نے معاملہ فہم اور ذکاء کی نگاہوں کو چکا چوند کر دیا۔

قیاس سے اگر نظائر کا صحیح جائزہ نہ لیا جا سکے اور شریعت کے مقاصد کا صحیح طور پر لحاظ نہ رکھا جا سکے تو صرف قیاس کے اعتراف یا اسے اصول اولہ مان لینے سے کچھ بھی حاصل نہیں۔ اکابر کے ارشادات اگر محض اکابر کی برتری کی وجہ سے قابل احترام ہوں ۔ تو یہ بھی ظاہر پرستی کی ایک قسم ہے اور جمود کا ایک نامناسب مظاہرہ !

تاریخ مذاہب پر ایک نظر :

حجاز ، بخارا ، مصر اور مغرب میں حدیث کا دور دورہ تھا۔ لوگ حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے۔ حفظ و ضبط کی مجلسیں گرم تھیں ۔ مدارس میں " حدثنا اور اخبرنا " کے غلغلے بلند تھے ۔ یکایک حجاز اور مصر میں امام شافعیؒ کے حفظ و ذکاء کا اثر بڑھا۔ سوڈان سے اندلس تک امام مالکؒ کے مسلک فقہ کا اقتدار قائم ہوا ، کوفہ سے ایران اور پھر اقصائے ہند میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ضیا باریوں نے اپنا اثر ظاہر کیا۔ نجد اور اس کے حوالی میں حضرت امام بن حنبل علیہ الرحمۃ کی قربانیاں اپنا رنگ لائیں۔ اس کے علاوہ بھی بعض ائمہ اجتہاد نے بعض علاقوں پر اپنا اثر ڈالا جیسے امام اوزاعیؒ ابن جریر، طبری، حافظ ابن خزیمہ ، داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کے فہم اور طریق فکر کو بھی حدیث فہمی میں ضروری قرار دیا گیا ۔ ابتداء میں یہ خیال تھا کہ ان حضرات کے افکار کا تتبع ذہن کو لغزش سے بچا سکے گا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فکر مندی خود ایک لغزش بن گئی اور سنگ میل سنگ راہ ہو گیا۔

ائمہ حدیث اور فقہاء کے مباحث ، احناف اور شوافع کے مناقشات ، اسلام کی خدمت کی بجائے بعض مقامات پر اسلام کے لئے نقصان وہ ثابت ہوئے ۔ قرآن و سنت کے نصوص باہم تقسیم ہو گئے ۔

تحریکاتِ اصلاح

اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا۔ ہر دور کے اہلِ علم اس مرض کے علاج میں مصروف رہے۔ آوارگی سے بچتے تو جمود آجاتا، جمود سے بچنے کی کوشش کرتے ۔۔ تو آوارگی کے خارستان میں دامن اُلجھ جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

پیش نظر گذارشات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی مساعی اور اُنکے نتائجِ فکر کا تذکرہ اس نگاہ سے ہے کہ مغل دور کے اواخر میں جب جمود کی گھٹائیں ہند کے افق پر چھائی ہوئی تھیں ۔۔ اورنگ زیب عالمگیر جیسا نیک دل بادشاہ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرسکا کہ اس نے فتاویٰ ہندیہ کی صورت میں علماء کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے رفقار اور ان کے متوسلین نے اس اندھیرے میں ایک روشنی کے مینار کیطرف توجہ دلائی اور وہ فقہاء و محدثین کا طریق تھا۔ شاہ صاحب ہندوستان کی حنفیت اور ابن حزم کی ظاہریت کو فقہاء و محدثین کے دامن میں پناہ دینا چاہتے تھے۔

ہندوستان کے اہلِ توحید حنفی یا اہلِ حدیث۔ شاہ ولی اللہ سے کوئی صحیح نسبت ہے تو حنفیت خالصہ اور ظاہریت محضہ سے بچ کر انھیں فقہاء و محدثین کا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ اس دور میں اسلام کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ حق عمل اور اعتقاد میں اعتدال کی توفیق دے۔ آئندہ اوراق میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف اذہان کے غلو میں صالح تحریکات نے کیا،

کردار نمایاں ادا کیا۔ تحریکاتِ سلفیہ نے مختلف ادوار میں کیا اصلاحات فرمائیں فقہاء اسلام نے کیا خدمات انجام دیں۔ صوفیاء نے کیا کیا۔ اور ان تینوں اذہان پر شاہ ولی اللہ ؒ کی اصلاحی کوششوں نے کیا اثر ڈالا۔

شروع شروع میں لفظ "اہلحدیث" کا مقصد یہ تھا کہ اجتہادی امور میں تقلید اور جمود کو دین میں پہنچنے کا موقع نہ دیا جائے بلکہ صحابہ اور ائمہ اسلام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھایا جائے اور فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ ہونے پائے۔ اصل نظر کتاب اللہ اور آنحضرت کی سنت پر مرکوز رہے۔

کتاب وسنت میں اگر کسی مسئلہ یا وقتی حادثہ کے متعلق صراحت موجود نہ ہو تو اسکا فیصلہ محض کسی شخصی رائے کے مطابق نہ ہو۔ یا کسی علاقہ کے علماء اپنے مخصوص افکار امت پر نہ ٹھونس دیں بلکہ اصل مطمح نظر صحابہ اور اسلاف کرام کی وسعت نظر ہو جمود اور شخصیت پروری سے امت میں ضیق نہ پیدا کیا جائے۔

جب نصوص نہ ہوں۔ کتاب وسنت میں احکام صراحۃً نہ ملیں تو رائے یا اجتہاد کے سوا چارہ نہیں۔ صحابہ نے بھی اجتہاد فرمایا۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی بوقتِ ضرورت اجتہاد فرمایا۔ وقت کے ضروری مسائل کو اجتہاد ہی سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ اہلحدیث اور فقہا مذاہب سب ہی نے اجتہاد کیا، اور قیاس شرعی یا میزانی ــــ وقت کے مسائل میں مخلصی کی راہ پیدا فرمائی۔

حافظ ابن حزم اور امام داؤد ظاہری کا قیاس سے بالکل صرف نظر کا نظریہ

ائمہ حدیث میں مقبول نہ ہو سکا۔ اور فقہاء عراق میں تو اسکی گنجائش ہی کہاں تھی۔ اسلیے ائمہ حدیث اور فقہاء عراق میں قیاس سے استفادہ یا نظائر میں احکام کی وحدت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بوقت ضرورت قیاس کو سب درست سمجھتے ہیں بلکہ ضروری!

شاہ صاحبؒ نے ان دو مختلف اور غیر معتدل نظریات اور ان کے نتائج کے حسن و قبح سے متاثر ہو کر اپنے تلامذہ اور متوسلین کو یہ وصیت فرمائی:

"وصیّت اول این فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقاید مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردہ اند اعراض نمودن و بہ تشکیکات معقولیاں خام التفات نکردن و در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دایما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن و الا کالائی بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہ کہ تقلید عالمی را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و نظر بدیشان نکردن و قربت خدا جستن بدوری ایشان"

تفہیمات ج ۲ ص ۲۴۰

فقیر کی پہلی وصیّت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب و سنت کے ساتھ تمسک کرے اور ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دیکر اور ہر دو سے کچھ حصہ روزانہ پڑھے اور اگر پڑھ نہ سکے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے اور عقاید میں سلف اہل سنت کی روش اختیار کرے اور ایمہ سلف کی طرح موشگافیوں سے بچے اور خام کار معقولیوں کی شک آفرینیوں سے بچے اور فرعی مسائل میں ان محدثین کا کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں ـــ اور فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرے جو موافق ہو اسے قبول ورنہ بالکلیہ نظر انداز کردے۔ اُمت کو اپنے اجتہادات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہو اور ضدی قسم کے فقیہہ حضرات جنھوں نے بعض اہل علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب و سنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے کی بات تک نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ مت اٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی خدا کا قرب تلاش کرنا اھ

شاہ صاحب کے دانشمندانہ اور جرأت آمیز اعلان سے تعجب ہوتا ہے ــــ شاہ صاحب نے جس ماحول میں تربیت پائی تھی - وہ فقہی جمود کا دور تھا - اس وقت کا بہت بڑا متدین اور روشن خیال بادشاہ ، وہ اسلام کی جو سب سے بڑی خدمت کر سکا وہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف تھی - جسے فتاویٰ ہندیہ کہا جاتا ہے - عالمگیر نے اسلامی قانون کی بہتر تعبیر کے لیے وقت کے بہترین علماء کو جمع کیا - ان مقدس بزرگوں نے اپنے وسیع علمی معلومات کی روشنی میں فقہ حنفی کی یہ بہترین خدمت انجام دی -

اس کتاب کی خوبی صرف اسی قدر ہے کہ فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال سے اوفق بالمصالح اقوال کو لے لیا گیا اور مختلف فیہ کو اسی طرح درج کر دیا گیا ہے تاکہ جس پر مناسب ہو عمل کر لیا جائے۔ گویا اس دیرینہ جمود میں ایک محدود مقام تک حرکت کی کوشش کی گئی۔ قرآن اور سنت یا دوسرے ائمہ کے مذاہب کے لحاظ سے شرعی مصالح کا جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی ماحول میں پڑھا اور غالباً والد صاحبؒ کی زندگی میں مسند درس کی زینت بنے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے دروس اور طریقِ افتاء سے طالب علم اور اس وقت کے عوام مطمئن تھے لیکن خود شاہ صاحب مطمئن نہ تھے۔ جس چشمہ سے عام دنیا سیرابی حاصل کر رہی ہے وہ چشمہ خود اپنی سوتوں میں تشنگی ــــ اور خشک سالی محسوس کر رہا تھا۔ جامد اور تقلید مزاج طبائع اپنی رسائی اور فہم کے لحاظ سے سمجھ رہے تھے۔ فقہ حنفی اور اس کے مصالح کی ترجمانی کا حق صحیح طور پر ادا ہو رہا ہے بلکہ علم و تفقہ حکمت مصالح کا یہ ترجمان دل ہی دل میں محسوس کر رہا تھا کہ جب مذاہب مجتہدین اسلام کی ترجمانی ہے اور ائمہ فقہ کا ماخذ قرآن اور سنت ہے تو بعض تعبیرات کو کلیتہً کیوں ترک کیا جائے اور بعض پر قناعت کیوں کی جائے، اگر کسی موسم اور کسی ملک میں ایک تعبیر اسلامی مصالح اور دینی مقاصد کے چوکھٹے میں پوری ساز گار آ سکے تو بالکل ممکن ہے کہ دوسری تعبیر دوسرے ماحول میں اس سے بھی زیادہ ساز گار آئے۔ نبوتؐ جب ختم ہو چکی ہے تو صرف ترجمانی اور تعبیر کو کیوں نبوت کیطرح واجبی اور دوامی حیثیت دی جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ دین کے خادم ہیں اور اسلام کے ترجمان۔ دین ان کا دست نگر اور خادم نہیں کہ ان کے ارشادات اور احکام کے لیے ہر وقت چشم براہ رہے۔

فقہا کی عرصہ سے یہ حالت تھی کہ وہ اس اسمی اور فقہی تقلید کو واجب اور فرض سمجھتے تھے اس کی مزعومہ حیثیت کی بناء پر انکار و تکفیر اور ایک دوسرے کی اقتداء سے حتمی طور پر روکا جاتا تھا۔ یہ سوتیلی ماں کا معاملہ ایک دانشمند کے لئے موجب حیرت تھا۔ شافعی حنفی ہو تو سزا پائے اور حنفی شافعی ہو خلعت ملے۔ یہ کیسی حق پروری ہے۔

یہ عجیب وطیرہ تھا کہ علماء کے اقوال اور ارشادات، اور نصوص کتاب و سنت میں جب اختلاف اور تعارض ہو تو تاویل اور توڑ پھوڑ نصوص کا حصہ تھا اور اپنی جگہ پر قائم رہنا ایمہ کی فقہیات کا حق تھا اور پھر دعوے یہ تھا اصل مطابع نبوت ہے اجتہاد نہیں۔ یہ دو عملی اور تضاد حضرت شاہ صاحب ایسے دور اندیش، معاملہ فہم فقیہہ کے لیے کیسے اطمینان کا موجب ہو سکتا تھا۔

اس لیے ظاہر ہے کہ جمود پیشہ اور قاصر النظر دنیا کی سیرابی اور اطمینان کے اسباب و دواعی ایک بالغ النظر اور تجدیدی ذہن کے لیے کبھی اطمینان کا موجب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے شاہ صاحبؒ کی تشنگی فطری اور قدرتی تھی۔

پھر جمود اور استعدادِ اجتہاد کا فقدان فقہائے احناف سے مخصوص نہ تھا بلکہ تقلید کے مزاج کا تقاضا تھا کہ وسعت نظر اور وقت سے ممکن طور پر اجتناب کیا جائے۔ دلائل کی چھان پھٹک کے مشغلہ سے بچکر رجال اور ان کے اقوال کے سہارے پر زندہ رہنے کی کوشش کی جائے۔

جس طبیعت کا خمیر تجدید اور اجتہاد سے اٹھایا گیا ہو۔ جہاں حکم اور مصالح ذوق میں سمو دیئے گئے ہوں۔ جس شخص نے اسرار شریعت اور دین کی حکمتوں میں رازی اور غزالی سے سبقت حاصل فرمائی ہو۔ ابن حزم اور عز بن عبدالسلام ایسے فحول ایمہ پر تنقیدی تبصرے کئے ہوں۔ وہ توضیح اور کشف الاسرار پر کیسے مطمئن

ہو سکتا تھا۔ اصول فقہ اور فقہ کے متعارض اور متصادم اصول اور جزئیات اِس سے کیسے مطمئن کر سکتے تھے۔

ظاہر پرستی کا مرض

حافظ ابن حزم اور امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ نے قیاس کی ان بھول بھلیوں سے تنگ آکر اس کی حجیت سے انکار کر دیا اور اسی تلاش میں نکلے کہ صرف کتاب و سنت پر کفایت کریں۔

یہ راستہ اس لحاظ سے بے خطر تھا کہ اس میں اپنی ذمہ داریاں کم ہو جاتی ہیں — تاویلات اور قیاسات کی دوڑ دھوپ سے تھکنے یا ہار جانے کی نوبت نہیں آتی۔ جب دین میں مدار نقل پر ہے تو نقل پر انسان کو مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ اگر عقل بالفرض قاصر ہے تو حرج نہیں۔ اصل تو نقل ہی ہے۔ جب قرآن اور سنت میں ایک حکم مل گیا تو اب عقل اور نظائر کی تلاش چنداں ضروری نہ تھی نہ ہی عقل کی موافقت کی شرط۔ اس لیے اپنی طرف سے نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ ہی اس خطرے کو خریدنے میں کوئی فائدہ۔

لیکن معلوم ہے کہ نصوص کا ذخیرہ محدود ہے۔ سنن ثابتہ چند ہزار کے پس و پیش ہوں گی اور قرآن عزیز کی ایک سو چودہ سورتیں آیات احکام کی تعداد معمولی ہے لیکن حوادثات کا سلسلہ غیر محدود ہے جب تک دنیا فناء کی حدود تک نہ پہنچ جائے واقعات اور حوادث ہوتے رہیں گے۔ ان غیر محدود واقعات کے متعلق ان محدود نصوص میں صریح احکام کیسے مل سکتے تھے۔ اس لئے ظاہریت کی راہ بالآخر تکلفات کی راہ بن گئی اور عملی زندگی میں زیادہ دور تک نہ جا سکی اور ملتے جلتے نظائر سے حکم میں فرق اور تفاوت معقول اور پسندیدہ راہ شمار کی جا سکتی۔ اس لئے اگر ظاہری مکتب

فکر ایک لحاظ سے بے خطر تھا تو دوسرے نقطۂ نظر سے بے کار بلکہ بسا اوقات مضحکہ خیز بھی ہو گا۔

قیاس اور تفقہ کی راہ

عملی زندگی میں آگے بڑھنے اور اسے آگے بڑھانے کے لیے اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ نظائر اور ان کے احکام میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ شارع حکیم کے احکام کے وجوہ اور اسباب پر غور کیا جائے۔ ان مصالح کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ جن کی بنا پر شارع حکیم نے یہ احکام نافذ فرمائے۔

اور قرآن عزیز نے جب قدم قدم پر عقل و فہم کو مخاطب فرمایا ہے۔ توحید و نبوت اور معاد کے دلائل کے تذکرہ میں عقل لب اور نہٰی کے استعمال کی تلقین کی گئی ہے۔ تو اسے معطل کیوں چھوڑا جائے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین هداهم الله واولئك هم اولوا الالباب۔

"وہ لوگ بشارت کے مستحق ہیں۔ جو گفتگو سنکر اسکے حسن و قبح میں تمیز کرتے ہیں۔ اچھی باتوں کو قبول کرتے ہیں یہی لوگ اللہ سے ہدایت کے مستحق ہیں اور یہی عقلمند کہلانے کے حق دار"

اس میں عقلمند اور معاملہ فہم لوگوں کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ ملتے جلتے مسائل کے حکم میں توازن قیاس صحیح کا نتیجہ اور عقل کا واجبی تقاضا ہے۔

الله الذی انزل الكتاب بالحق والمیزان۔ ۴۲/۱۸

"اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس کے ساتھ میزان کو بھی اتارا"

جس میزان کا تعلق کتاب کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اتری ہے یہ

ترازو وہ نہیں جو مادی اور جسمانی چیزوں میں توازن کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس سے مراد وہی میزان ہے جو کتاب کے فہم اور ادلہ شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہوتا ہے۔ اس کا فقہی اور اصطلاحی نام قیاس سمجھ لینا چاہیئے لیکن حقیقت میں وہ میزان ہے۔

اس لیے نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جاسکتا ہے نہ ہی اپنے مقام پر اسکی حجیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ ایمہ حدیث ظواہر حدیث کے ساتھ پوری عقیدت، الفاظ اور ان کے لغوی معانی کے ساتھ پورے اعتناء کے باوجود قیاس کو شرعی حجت سمجھتے ہیں اور ان قیاسی ادلہ سے پوری طرح استفادہ کے قایل ہیں۔ ان اصول کے احتواء اور ممکن عموم اور ہمہ گیری کے معترف ہیں لیکن نصوص شرعیہ کو ان اصول پر قربان نہیں کرتے جس کی بعض مثالیں ان گذارشات میں مذکور ہو رہی ہیں۔ عام فقہا اور خصوصاً فقہاء حنفیہ سے اس معاملہ میں کچھ مسامحات ہوتی ہیں رحمہم اللہ۔ شاہ صاحبؒ کی اصل بے چینی یہی ہے۔ بعض جگہ اصول نصوص سے ٹکرا گئے ہیں اور بعض جگہ اصول کی جامعیت اور اس کے طرد و عکس میں خلل واقع ہوا ہے۔ جہاں اصول کی جامعیت نے دل کی گہرائیوں میں جگہ لی اور نظائر کو اس پیمانہ سے ناپنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پیمانہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ نظائر کا حکم باہم ٹکرا گیا اور اصول پاش پاش ہو گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمالیجیے:

صحیح بخاری میں ہے:

کانت عائشۃ یؤمہا عبدہا ذکوان من المصحف ص۹۶/۲ عمدۃ القاری فتح الباری طبع ہند ص۲۸۶/۱	"حضرت عائشہ کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا۔"

ابن سیرین، حسن بصری، حکم، عطاء قرآن سے نماز میں قرأت جائز سمجھتے تھے حضرت انس کے پیچھے سامع کے ہاتھ میں قرآن ہوتا وہ انہیں لقمہ دیتے۔ امام مالک تراویح میں اسے جائز سمجھتے ہیں۔ حافظ عینی فرماتے ہیں۔

قلت القرءة من مصحف فی الصلوٰة مفسدة عند ابی حنیفة لانہ عمل کثیر وعند ابی یوسف ومحمد یجوز لان النظر فی المصحف عبادة لکنہ یکرہ لما فیہ من التشبہ باھل الکتب اھ	نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے سے حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ جس سے خشوع اور نماز کی ہئیت بگڑ جاتی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں۔ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے اس لئے نماز درست ہے لیکن مکروہ ہوگی۔ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے وہ کتاب سے دیکھ کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔"
عمدۃ القاری ص ۵۷ / ۲	
امام قرأ فی المصحف فصلوٰته فاسدة قال ابویوسف و محمد تامة ویکرہ۔ اھ جامع الصغیر امام محمد ص۱۵ طبع مصر	حضرت امام کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی امام محمد اور ابو یوسف کے نزدیک ہوگی لیکن مکروہ

حضرت عائشہ اور اکابر ائمہ تابعین کے عمل کے باوجود دل مانتا ہے کہ مصحف میں پڑھنا ٹھیک نہیں۔ یہ واقعی عملِ کثیر ہے (عمل کثیر کی کچھ حد ہو) اوراق کی الٹ پلٹ اور صفحات کیطرف توجہ اور حفاظت سے واقعی نماز کی

طرف صحیح اور مناسب توجہ نہیں رہیگی - اس لیے مناسب یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ تکلف نہ کیا جائے اور حفظ سے پڑھا جائے -

تشابہ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آتی - اگر یہ شرعاً درست ہے تو تشابہ کیا ہوا اور جب آپ پڑھنا شروع کر دینگے تو پھر اہل کتاب کا آپ سے تشابہ ہو جائیگا تاہم دوسرے نمبر پر یہ وجہ بھی مان لی جائے تو اس سے دو اصول سمجھ میں آتے ہیں

۱- نماز میں عمل کثیر نہیں ہونا چاہیئے نماز سے توجہ ہٹ جائے گی -

۲- غیر مسلم قوموں کے ساتھ تشبیہہ سے بچنا چاہیئے -

اب دوسرا نکتہ سنیئے :

لو نظر المصلی الی المصحف و قرء منہ فسدت صلواتہ لا الی فرج امرءۃ بشھوۃ کان الاول تعلیم و تعلم فیھا لا الثانی اھ الاشباہ والنظائر ص۳۲۴ (مطبوعہ ہند)	اگر نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو نماز فاسد ہوگی لیکن اگر عورت کی شرمگاہ جنسی جذبہ کیساتھ دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی - کیونکہ پہلی صورت درس و تدریس کی ہے شرمگاہ دیکھنے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا ؟

اب اس عقل پروری اور تفقہ نوازی کو کون سمجھے جہاں قرآن دیکھنے سے خشوع ٹوٹے اور عمل کثیر ہو اور شرمگاہ کی طرف جنسی جذبات کے ساتھ توجہ نماز پر کوئی اثر ہی نہ ڈالے -

کچھ شک نہیں جب علماء بحث و مناظرہ کے موڈ میں آجائیں تو بھیڑیا حلال کر سکتے ہیں - مرغی حرام فرما سکتے ہیں مگر عقل سلیم اور میزان اعتدال تو موشگافیوں اور نکتہ نوازیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی - اس لئے محدثین نے قیاس کی حجیت

کے باوجود اس دوعملی سے بچنے کے لیے پوری احتیاط سے کام لیا ہے۔

ہمارے حضرات احناف کی ایک قسم بریلی سے نمودار ہوئی ہے۔ ان کی عمر قریباً ساٹھ ستر سال کے پس و پیش ہوگی۔ یہ حضرات اسلام کے مدنی ڈھانچہ کے حصہ عقاید میں بڑی اہم اور دور رس ترمیمات چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے مدنی عقاید بریلی، لاہور، لائل پور کے تابع بنوا لیے جائیں۔

ان حضرات کی نظر سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات حصہ دوم (جو صراط مستقیم کے نام سے مشہور ہے) کی اس بات پر پڑی کہ گاؤ خر کے تصوّر سے نماز میں خشوع پر اتنا اثر نہیں پڑتا لیکن آنحضرت کے تصوّر سے خشوع زیادہ مجروح ہوتا ہے۔ (صراط مستقیم)

عنوان یا تعبیر کچھ ہو بات صحیح اور درست تھی کہ مجلوب اور پسندیدہ چیز کے تصور سے طبیعت کے رجحان اور خشوع پر زیادہ اثر پڑے گا۔ گاؤ خر ایسی معمولی اور حقیر چیز کے تصوّر سے نماز اور خشوع پر وہ اثر نہیں پڑے گا۔ بات پتے کی تھی آنحضرتؐ کے ساتھ محبّت اور والہانہ تعلق جب توحید کی سرمستیوں سے ٹکرائے تو اس سے بچنا بڑی دانشمندی ہے۔ نہ تو نبوت کی بلندیوں کو گاؤ خر کی حقارتوں سے ہم آہنگ ہونے دیا جائے نہ ہی نماز کے معراج اور راس مکالمہ الٰہیہ کے ذوق میں کسی دوسرے محبوب کو اشتراک کا موقعہ دیا جائے۔

مسئلہ درست تھا اگر تعبیر ناپسند تھی تو اسے بدل دیا جاتا۔ مولانا عبدالحی بڈھانوی کا ترجمہ وحی نہیں تھا لیکن یہاں کوئی پرانا بغض تھا جسے نکالنا ضروری سمجھا جانا گیا۔ سید احمد کا ارشاد اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کا ترجمہ دونوں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے نام لگا دیئے گئے اور فتووں کی مشین تان دی گئی اور کفر کے انبار بالاکوٹ کے میدان میں دریائے منہار کے کناروں پر انڈیل دیئے گئے۔ جنہیں خون شہادت کے چند قطروں نے دریائے منہار کے سپرد کر دیا اور شہداً

کی طہارت ان نجس اور غلیظ فتووں سے متاثر نہ ہوسکی۔

سراسیمگی اور شوریدہ سری کی کوئی حد ہے کہ سید شہید کے ملفوظات اور مولانا عبدالحی کا ترجمہ دونوں بچارے شاہ اسمٰعیل کے نام الاٹ کر دیئے گئے اور درس وافتاء کی مسندیں شہید حق کے کیڑے نکالنے میں مشغول ہوگئیں جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوں گے انشاءاللہ!

سید شہیدؒ نے نماز کی سرگوشیوں میں آنحضرت کے مقام کی رفعت اور گاؤ خر کی حقارت انگیزیوں میں اگر امتیاز فرما کر نماز کی روحانی کیفیتوں کو شرک کی غلاظتوں سے پاک وصاف رکھنے کی تلقین فرمائی تو وہ کافر ہوئے اس لیے کہ وہ آنحضرتؐ سے محبت فرماتے ہیں۔ آپ کی فقہی موشگافیوں نے حریم نماز میں مصحف کے تقدس کو شرمگاہ کی عریانی اور انسانی کمزوریوں کے جنسی شہوت سے قرآن عزیز کو شکست دے دی۔ آپ کا ایمان سلامت رہا اور آپ بالکل تازے اہلسنت وجماعت ہوگئے اور شہدائے بالاکوٹ شہادت اور قربانی کے باوجود کافر ہی رہے ؎

من کان ھذا القدر مبلغ علمہٖ فلیستتر بالصمت والکتمان

اگر فقہاء بریلی کا انداز فکر یہی رہا تو یہ قافلہ چند دن کا مہمان سمجھنا چاہیے۔ بریلی، بدایوں، مارہرہ، لاہور، لائل پور کوئی مقام اور کوئی نسبت ایسے لوگوں کیلئے زندگی کی کفیل نہیں ہوسکتی۔ پاکستان میں جہالت کا یہ دور اور علم فروشی کا یہ بازار انشاءاللہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔

آپ ہی سوچیں اس پوت سندی کی کفر نوازی سے آخر اسلام کو کیا فائدہ پہنچا، ملک کہاں تک سربلند ہوا۔ دین اور سیاست میں آپ کو کونسا مقام ملا آپ نے اہل توحید کو مشق ستم کے لئے انتخاب فرمایا اور وہ شرافت سے سر جھکا

کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے مظالم کی مشق ان مساکین پر فرمائی ہو اکیا؟ ؎

ہمہ آہوان دشتی سر خود نہادہ بر کف

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

ظن کو فیصلوں میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شریعت نے بیسیوں مقامات میں قرائن سے فیصلہ کیا کہ بچہ کے الحاق ہیں اور لقیط کو ورثاء کیساتھ ملانے ہیں قیافہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کے متعلق قیافہ اور ان کی رائے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ بعض فقہانے اس قرینہ کا اس لیے انکار فرمایا کہ اس میں محض ظن وتخمین پر فیصلہ کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ یقین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یقین کے بالمقابل ظن کو کوئی وقعت حاصل نہیں ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

لیکن بعض فقہاء نے ان قرائن کو نظر انداز کر دیا کیونکہ یہ ظنی ہیں لیکن جب ظن کے قبول کا رجحان ذہن میں آیا تو کمال کر دی شکوک و اوہام کو یقین کا مقام دے دیا۔ ابن قیم فرماتے ہیں:

قال بعض الفقہاء ومن	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
العجب انکار لحوق النسب	اور حضرت عمر نے قیافہ کو اثبات
بالمقافة التی اعتبرھا	نسب میں معتبر سمجھا لیکن بعض
النبی وعمل بہ الصحابة	فقہانے اس کا انکار کر دیا۔ اور
من بعدہ وحکم بہ	اقصٰی مغرب میں ایک آدمی اس
عمر بن الخطاب والحاق	عورت سے نکاح کرے جو اقصٰی
النسب فی مسئلة فیمن	مشرق میں ہے چھ ماہ کے بعد
تزوج باقصی المغرب امرءة	اس کے ہاں بچہ پیدا ہو، تو یہ

باقصی المشرق وبینھما مسافة   حضرات اس کی نسب کو صحیح سمجھتے ہیں"

سنین ثم جاءت بعد العقد باکثرمن بعد ستة اشھر بولد منا

یہ قیاس کا عجیب کرشمہ ہے، مستند قرآن کا انکار کر دیا گیا اور اوہام وظنون کی بنا پر نسبت ثابت کردی اور بچہ ثابت النسب قرار پاگیا۔

یہ اوہام تو قابلِ اعتماد پائے اور قیافہ کی وجہ سے خبر واحد کے پورے ذخیرہ پر عتاب فرمایا گیا کہ وہ ظنی ہے، شاہ ولی اللہ اس غیر معتدل طریق فکر پر کیسے مطمئن ہوتے

علماء اصول نے ایک قاعدہ بیان فرمایا الخاص لایحتمل البیان حسامی ص۵ نورالانوار ص۱۵ کشف الاسرار ص التلویح علی التوضیح ص۳۴

اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ خاص کا مفہوم چونکہ واضح اور بین ہوتا ہے اس لئے اسے بیرونی تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی قانون کی روشنی میں کئی مواقع میں شوافع پر حجت قائم کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ ہمارا موقف صحیح ہے اور شافعی غلطی پر ہیں، بلکہ اگر کہیں صحیح حدیث بھی اس قانون سے ٹکرا گئی تو حدیث کو نظر انداز کر دیا گیا اور اس قانون کی آبرو رکھ لی گئی۔

قرآن عزیز میں ارشاد ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا   "اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرو

واسجدوا واعبدوا ربکم   اور اللہ کی عبادت کرو"

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں: رکوع کے معنی جھکنا ہے۔ سجود کے معنی زمین پر سر رکھنا اگر کوئی شخص ذرا جھک جائے یا زمین پر سر رکھ لے تو نماز ہو جائے گی گو رکوع اور سجود میں اطمینان اور اعتدال حاصل نہ ہو۔ شوافع اطمینان اور اعتدال کو فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح نماز میں رکوع اور سجود ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح شرعاً نماز میں طمانیت اور سکون بھی ضروری ہے۔ اگر ان ارکان میں

اعتدال نہ ہو تو شوافع اور ائمہ حدیث کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔

احناف فرماتے ہیں: نماز ہو جائے گی کیونکہ رکوع اور سجود کا لغوی معنی ثابت ہوگیا اس لئے شوافع کا خیال غلط ہے خاص کو کسی بیان اور خارجی تشریح کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی اس نے رکوع و سجود اطمینان سے نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین دفعہ فرمایا:

صل فانك لم تصل   "تم نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی"

یعنی شرعاً تمہاری نماز کا کوئی وجود نہیں۔ اسی حدیث کی بناء پر اہل حدیث اور شوافع وغیرھم کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر رکوع اور سجود میں اطمینان نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ احناف فرماتے ہیں۔ رکوع اور سجود کا معنیٰ معلوم ہو جانے کے بعد ہم حدیث کی تشریح اور نماز کی نفی قبول نہیں کرتے۔

قرآن کی عظمت

اسی اصل کی حمایت میں یہ عذر فرمایا گیا کہ اگر شوافع کے مسلک یا حدیث پر یقین کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ نماز میں اطمینان فرض ہے تو یہ قرآن پر زیادتی ہوگی۔ جو نسخ کے مترادف ہے۔ جب قرآن عزیز نے خاص الفاظ سے ایک حقیقت کا اظہار فرما دیا اس پر زیادتی کسی طرح درست نہیں۔ ایسا کرنا یا سمجھنا قرآن عزیز کی عظمت اور اس کی رفعت شان کے منافی ہے۔ قرآن کی عظمت واقعی ضروری ہے لیکن اس آڑ میں مقام نبوت کا تعطل ہو جائے۔ پیغمبر کو یہ بھی حق نہ رہے کہ وہ قرآن عزیز کے مفہوم کی تعیین فرمائیں۔ کسی عمل کی شرعی ہیئت کا اظہار یا کوئی ایسا حکم جس سے

قرآن عزیز نے سکوت فرمایا ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسے بیان نہ فرما سکیں خود صاحب وحی بھی اپنی وحی کا مطلب بیان نہ فرما سکیں۔ مجتہد اور فقیہ، عالم اور صوفی تو اپنے خیال سے اپنی استعداد کے مطابق قرآن کا مطلب بیان فرما لیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو روک دیا جائے کہ آپ قرآن کے متعلق کچھ نہیں فرما سکتے یہ عجیب ہے۔

آخر یہ اصول بھی تو قرآن فہمی ہی کے لیے بنائے گئے اور ان کے بنانے میں بقول صاحب کشف الظنون ص۹ زیادہ کوشش معتزلہ اور اہل حدیث نے کی۔ ان کا احترام تو اس قدر رکھا کہ حدیث بھی ان کے ہوتے ہوئے نظر انداز فرما دی گئی اور نصوص نبوی کے لیے یہ گنجائش بھی نہ رکھی گئی کہ وہ قرآن عزیز کی وضاحت فرما سکیں۔ حالانکہ قرآن عزیز یہ مقام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کے طور پر متعین فرماتا ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس نزل الیھم و لعلھم یتفکرون ۱۶/۴۴

"ہم نے ذکر تم پر اس لیے اتارا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح فرمائیں اور یہ لوگ اسی پر سوچیں۔"

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون ۱۶/۶۴

"اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اسلیے اتاری کہ آپ اُنکے باہم اختلافات کو واضح فرمائیں۔ اور یہ کتاب اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

ان دونوں آیات میں تبیین اور اظہار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری

قرار پایا ہے۔ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی صرف نظر نہیں فرما سکتے ـــــ سورہ مائدہ میں اہل کتاب کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کی طرف دعوت دی۔

یا اھل الکتاب قد جاءکم	"اے اہل کتاب تمہارے پاس
رسولنا یبین لکم کثیرا	ہمارے رسول اس لیے تشریف
مما تخفون من الکتاب	لائے کہ وہ تمہاری چھپائی ہوئی
ویعفوعن کثیر۔	چیزوں کی وضاحت فرمائیں"

تعجب ہے کہ جس بیان کے سامنے اہل کتاب کو بھی انقیاد کی دعوت دی جا رہی ہے مسلمان ان سے محروم ہونے کی اس لیے کوشش فرماتے ہیں کہ ارباب اعتزال کے طے فرمودہ قوانین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ حدیث رہے یا نہ ـــ اصول اور ان کی پختگی میں کمی نہ آنے پائے ۔ پھر یہ ذمہ داری تمام انبیاء علیہم السلام پر ڈالی گئی۔

ما ارسلنا برسول الابلسان	"ہم نے ہر نبی کو اس کی مادری
قومہ لیبین فیضل اللہ۔	زبان میں اس لیے مخاطب فرمایا
من یشاء ویھدی من	کہ وہ پوری وضاحت کر سکے پھر
یشاء وھوالعزیز الحکیم	ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار
(۱۴/۴)	میں ہے اور وہ عزیز اور حکیم ہے"

پھر پیغمبر کے اس بیان کو اپنا بیان قرار دیا تاکہ خالق اور مخلوق کی مغایرت کا اثر بیان پر مرتب نہ ہو فرمایا :۔

فاذا قرئناہ فاتبع قرانہ	"تم ہمارے ارشاد کے مطابق قرآن کو
ثم ان علینا بیانہ ۷۵/۱۹	پڑھو پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے"

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے حکم کے مطابق خدا کے احکام کی وضاحت فرمائیں۔ لیکن وہ بیان ہمارے خود ساختہ اصول کے ہم پلہ نہ ہو سکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ کے نزدیک یہ عجیب تھا۔ اس لیے حجۃ اللہ، الخیر الکثیر تفہیمات، مصفی مسوی، عقد الجید، الانصاف وغیرہ میں اسے بار بار دہرایا، اور مختلف طرق سے اس فقہی جمود کو توڑنے کی کوشش فرمائی اور احتجاج فرمایا کہ سنت کے ساتھ یہ بے انصافی اور ترجیحی سلوک نہیں ہونا چاہیئے۔ بڑا ہی نامناسب ہے کہ غیر معصوم انسانوں کے بنائے ہوئے اصول، تو دین کا اساس قرار پائیں اور سنت جو فی الحقیقت وحی اور دین کی بنیاد ہے وہ ان مصنوعی اصول کے سامنے یتیم اور لاوارث قرار پائے اور سنت سے ایسا سلوک وہ لوگ کریں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

حدیث کی صحت :

حدیث کی صحت یا ضعف کا مسئلہ اس وقت خارج از بحث ہے اس لیے کہ ان اصول کی حکومت کے سامنے حدیث صحیح ہو یا ضعیف، بے بس ہے۔ ویسے تو ہمیں بتایا گیا ہے کہ حدیث ضعیف بھی ہو تو وہ قیاس سے مقدم ہے اور اسکے لیے اصول فقہ کے دفاتر میں حدیث قہقہہ کے انداز کی شاید ایک دو مثالیں بھی مل جائیں۔ دراصل حضرات فقہائے عراق خصوصاً اتباع قاضی عیسےٰ بن ابان سنت سے ویسے ہی کچھ ناراض ہیں۔ وہ رائے کے دروازوں کو کھلا رکھنا چاہتے ہیں سنت کے ابواب بند ہوتے ہیں تو ہو لیں۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ جیسا بیدار مغز، معاملہ فہم، دور اندیش، تجدیدی ذہن رکھنے والا آدمی پورے ماحول کی اس نامناسب کیفیت پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔

شاہ صاحب رحمہ نے اصول فقہ کے ان نظریات پر اپنی تصانیف میں جا بجا

تنقید فرمائی اور یہی تنقید اس وقت ان ذہین لوگوں کے سامنے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جو اہلِ حدیث یا سلفی کہلاتے ہیں۔

اس تحریک کا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ ائمہ کی مساعی بیکار ہیں یا ان ائمہ کے علوم سے استفادہ شرعاً ناجائز ہے۔ ان کے علوم اور اجتہادات پر تنقید زندگی کا کوئی اہم اور ضروری مشغلہ ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے اجتہادات اور جملہ مسائل کی حیثیت ایک علمی تحقیق یا مقدس محنت کی ہے۔ ان کا مقام علوم نبوت کا مقام نہیں جس طرح ان سے استفادہ اور ان کے سامنے انقیاد بشرط صحت درست ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر تنقید بھی درست ہے اور ان سے صرفِ نظر بھی کیا جا سکتا ہے۔ تحقیق کی راہیں جس طرح ان کے لیے کھلی ہیں۔ ان کے اتباع اور تلامذہ کو بھی اجازت ہے کہ علم و نظر کی راہنمائی میں کتاب و سنت کی نصوص پر غور کریں اور مصالح وقت کے لحاظ سے ان پر عمل کریں۔ گویہ تحقیق ان کی تحقیق سے مختلف بھی ہو جائے۔ تحقیق و نظر کے لیے علوم اور خلوص نیت کے بعد ضروری نہیں کہ مصطلح اجتہاد اور اس کے مفروضہ علوم بھی زیرِ نظر ہوں۔ یہ اصطلاح زمانۂ نبوت میں اس مفہوم سے موجود نہ تھی اور یہ علوم اجتہاد بھی زمانۂ نبوت سے صدیوں بعد موجود ہوئے۔ ایمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے بھی یہ تمام علوم نہ پڑھے بلکہ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اس مصنوعی جال سے ہر ایک کو شکار کرنے کی کوشش نہ کی جائے علم کو علم ہی کی راہ سے منوایا جائے۔ اسے فتوٰے یا حکومت یا اکثریت کے دباؤ سے نہ منوایا جائے۔

ایک اور مثال

قرآن عزیز میں ارشاد ہے: فاقرءوا ما تیسر من القرآن سورۂ مزمل

میں رات کی نماز کا ذکر فرماتے ہوئے حکم فرمایا کہ تہجد میں قرآن کا جو حصہ آسانی سے پڑھا جا سکے اسے ضرور پڑھو۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماتیسر سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس طرح حدیث میں ماتیسر کا لفظ وارد ہوا ہے اسیطرح اس حدیث کے دوسرے طرق میں ماتیسر کی وضاحت ام القرآن سے کی گئی ہے گویا جو تذکرہ قرآن عزیز میں ماتیسر کے لفظ سے ہوا تھا۔ اسی کا دوسرا نام یا اس کی وضاحت اُم القرآن سے فرمائی گئی ہے۔ اس لیے آپ امام ہوں یا مقتدی یا منفرد آپکو سورۃ فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔ جزء القراۃ بیہقی ص۳۰

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کا خیال ہے فاتحہ کا تعین درست نہیں — چونکہ القرآن کا لفظ خاص ہے، اسے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں اس لئے فرض صرف قرآن ہوگا اور احادیث کی وضاحت قابلِ قبول نہ ہوگی۔

لیکن یہ پابندی قایم نہ رہ سکی فاقرءوا ماتیسر من القرآن میں قرأت کی مقدار کا تعین بقدر ایک آیت یا تین آیت قیاسی سے کیا گیا۔ پھر فاقرءوا میں امام مقتدی منفرد سب شامل تھے۔ اسی سے مقتدی کو حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة (دارقطنی) سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ حالانکہ یہ حدیث بھی باتفاق ایمہ ضعیف ہے۔ اس کا کوئی طریق صحیح ثابت نہیں ہو سکا۔ اگر قراءت کے حکم سے مقتدی مستثنیٰ ہو سکتا ہے تو فاتحہ کا تعین بھی ہو سکتا تھا اگر حدیث اپنے مسلک کی موید ہو تو اس سے قرآن کے مفہوم کی تعیین ہو سکتی ہے اگر وہ کسی دوسرے مسلک کے لیے مفید ہو تو اس سے قرآن عزیز کے احترام کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ طریق درست نہیں۔

فان طلقها فلا تحل له	"تیسری طلاق کے بعد عورت پہلے
من بعد حتی تنکح	خاوند کے لیے حلال نہیں ہو سکتی
زوجا غیرہ (۲/۲۳۰)	جب تک کسی دوسرے خاوند سے
	نکاح نہ کرے"

آیت میں تنکح کا فاعل ضمیر مؤنث ہے جو عورت سے تعبیر ہے۔ گویا نکاح ثانی کی ذمہ داری بلحاظ فاعل عورت پر رکھی گئی ہے۔ جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ تین طلقات کے بعد وہ پہلے خاوند کی طرف رجوع نہیں کر سکتی

فقہا حنفیہ رحمہم اللہ نے اسے خاص سمجھ کر اس سے حصر کا فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عورت نکاح کے معاملہ میں مختار ہے اسے ولی کی ضرورت نہیں بالغہ ہونے کی صورت میں وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ ولی اسے پابند نہیں کر سکتا اور حدیث:

ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن	"جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر
ولیها فنکاحها باطل باطل باطل	نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔"

(ترمذی ۱/۱۴۹)

اس حدیث سے ولی کی ضرورت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر آیت کے مقابل یہ حدیث قابل قبول نہیں، آیت اس تشریح کی محتاج نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نکاح کے انعقاد میں چار شخصیتوں کو دخل ہے: ناکح، منکوحہ، ولی، گواہ، لیکن حصر کی کوئی دلیل نہیں۔ ان چاروں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ اپنے اپنے فرائض کے لحاظ سے سب پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر تنکح کی نسبت فاعلی کا اثر ولی پر پڑ سکتا ہے — تو ناکح اور شاہدین پر بھی پڑنا چاہیے۔ عورت کو اس استدلال کے مطابق نکاح میں مختار مطلق ہونا چاہیے نہ خاوند کی رضا کی ضرورت ہوگی نہ گواہ کی۔

حالانکہ قرآن عزیز میں نکاح کا فاعل کئی جگہ مردوں کو قرار دیا گیا۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع ۴/۳

ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم من النساء ۴/۲۲

اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن ۳۳/۴۹

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ۲/۲۲۱

ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اٰتیتموھن اجورھن ۶۰/۱۰

وانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن ۴/۲۵

ان تمام آیات میں نکاح کا فاعل مردوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر فاعلیت سے حصر پر استدلال کیا جائے تو قرآن میں تعارض ہوگا، کہیں عورت کو مختار مطلق بنایا گیا ہے کہیں مرد کو۔

نکاح میں دو گواہ معاملہ کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں اور حدیث میں اسکی صراحت بھی موجود ہے حتی تنکح زوجا غیرہ کی تخصیص حدیث شہادت پر بھی اثر انداز ہونی چاہیئے یا پھر ولی پر بھی اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔

پھر بالغہ کو تو اس آیت کی بنا پر مختار سمجھا گیا لیکن نابالغہ کو اس قدر بے بس کر دیا گیا کہ اس میں باپ اور دادا کی ولایت کو جبری قرار اور اس بچاری مسکینہ سے خیار بلوغ کا حق بھی چھین لیا گیا حالانکہ آیت میں بالغہ اور نابالغہ کی نہ تخصیص ہے نہ شرط۔ ایک اصل کی حمایت نے قرآن و سنت دونوں سے تعلق ڈھیلا کر دیا۔

اگر آیت میں عورت کو خصوصیت سے نکاح کا اختیار دیا گیا ہے تو نابالغہ کے استثناء کے لئے کونسی آیت آئی ہے۔ بلاوجہ ترجیح کے لیے کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ صاحب فصول الحواشی بڑی متانت سے فرماتے ہیں:

ونحن ترکنا الخبر الواحد   ہم نے قرآن حکیم کے خاص حکم

بمقابلۃ الخاص من الکتاب	بالمقابل خبر واحد (حدیث اشتراط
ص ۲۶	ولی) کو چھوڑ دیا۔

اور نابالغہ کے متعلق پھر اسی خبر واحد سے استفادہ فرما لیا گیا اور مرد کے قبول کو بھی مان لیا گیا، حالانکہ آیت تنکح میں مرد کی قبولیت کا بھی ذکر نہیں اسی طرح گواہوں کی ضرورت بھی مان لی گئی حالانکہ آیت میں شہود کا بھی کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اس آیت کا مقصد گویا فقط ولی کی ضرورت کو توڑنا تھا اور بس۔

شاہ صاحب اس صورت حال پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔ جہاں اصول کا یہ حال ہو وہاں فروع تو بہرحال اس پر متفرع ہوں گی،

ایک اور مثال

حرمت رضاع کے متعلق قرآن عزیز نے مطلقاً فرمایا :

وامھاتکم اللاتی ارضعنکم "تمہاری رضاعی مائیں بھی تم پر حرام ہیں"

احناف اور مالک فرماتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی اگر کسی کا دودھ پی لیا گیا ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ قرآن عزیز نے رضاع میں کوئی مقدار معین نہیں فرمائی اس لیے حرمت کے لیے ایک گھونٹ پینا اور دو سال پینا برابر ہے۔ ائمہ حدیث اور شوافع کا خیال ہے کہ حدیث میں خمس رضعات موجود ہے اگر اس سے کم دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ امام احمد کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے۔ اس سے قرآن کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔ اس لیے حدیث سے صرف نظر کیا جائے گا اور قلیل وکثیر رضاع سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حالانکہ صورت اس طرح نہیں۔ اوّلاً یہاں تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ قرآن عزیز کے اطلاق کے ساتھ قید لگائی گئی ہے۔

قرآن مجید میں جو چیز مطلقاً مذکور ہے۔ حدیث نے خمس رضعات سے اسے مقید فرما دیا۔

رہا خبر واحد کا مظنون ہونا تو یہ بھی کامیاب عذر نہیں۔ خود فقہاء حنفیہ نے قرآن عزیز کی تخصیص کئی مقام پر فرمائی ہے۔ فرضیت جمعہ کے لیے علی العموم سورہ جمعہ کی آیت سے استدلال فرمایا گیا ہے:

یا ایہا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ
فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع

غلام، مسافر، عورت وغیرہ کا استثناء خبر واحد ہی سے عمل میں آیا ہے .....

مکروہات کو جمعہ سے مستثنیٰ کرنے کے لیے مرفوع روایت بھی میسر نہیں آسکی وہاں صرف حضرت علی کے اثر سے ہی قرآن عزیز کی تخصیص کا کام لے لیا گیا ع

دراز دستی ایں کوتاہ آستیناں ببیں

شاہ صاحب سمجھتے تھے کہ ایسے ہی اصول جنگی ساخت کے ساتھ ان کی شکست کی بنیاد بھی رکھ دی گئی ہو، دین کی بنیاد اور اجتہاد اور تفقہ کی اساس نہیں قرار پا سکتے اور حضرات ایمہ اصول اور فقہاء حنفیہ آیت کے اس احترام کو بھی قائم نہ رکھ سکے۔

معلوم ہے کہ آیت میں رضاع کی وجہ سے صرف ماں کی حرمت کا ذکر ہے۔ نص قرآن میں کسی دوسرے رشتہ کا ذکر نہیں لیکن حدیث شریف میں حضرت علی سے مروی ہے: ان اللہ حرّم من الرضاع ما حرّم من النسب "جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔"

(ترمذی ص ۱۹۷ ج ۲)

اس مقام پر آیت کی وضاحت میں مزید وسعت حدیث سے ہوئی یہ زیادت خبر واحد کی بنا پر ہی کی گئی ہے۔

اسی طرح آیت میں مدت رضاع کا کوئی ذکر نہیں، کس عمر میں دودھ پیا جائے تو وہ حرمت میں موثر ہوگا۔ آیت اس میں خاموش ہے لیکن جمہور ایمہ کے نزدیک وہی رضاع موثر ہوگی جو بچے کی غذا بنے۔ حدیث شریف میں ام سلمہ سے مروی ہے

لا یحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء و کان قبل الفطام۔ ھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی مع تحفہ ص ۲۰۱ ج ۲)	رضاع وہی موثر ہوگی جو دو سال سے پہلے ہو اور رگوں کی غذا بنے۔

دو سال کے بعد رضاعت کا کوئی اثر نہیں۔ مدت رضاع کا تذکرہ قرآن میں نہیں۔ یہ صراحت سنت میں ہے۔ جو قاعدہ تعیین رضعات کے متعلق بنایا گیا تھا مدت رضاع اور باقی رضاعی رشتوں کی حرمت کے سلسلہ میں اسے توڑ دیا گیا، ماحول کتنا ہی مخدوش کیوں نہ ہو۔ شاہ صاحب ایسے اصول پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے اہلِ حدیث بھی ان علوم کو پڑھتے ہیں لیکن وہ سنت کے بالمقابل کسی اصل کو قابلِ قبول نہیں سمجھتے۔ جہاں قرآن اور سنت کسی امر کی صراحت کر دے وہاں کوئی اصل قبول نہیں کیا جا سکتا،

اگر اصول فقہ کو طالب علمی کی صراحت سے پڑھا جائے تو واقعی اس کی گرفت سخت ہوتی ہے۔ اگر ذرا گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ اصول اس قدر وزنی نہیں رہتے شاہ صاحب ایسے اصول کیسے قبول فرما سکتے ہیں، اسی لیے انھوں نے بڑی جرائت سے فرمایا کہ مجھے فقہاء محدثین کی راہ پسند ہے اور یہی نصیحت انھوں نے اپنے تلامذہ اور اپنے متعلقین کو تلقین فرمائی۔

محدثین کی روش

البتہ محدثین اور فقہاء عراق میں اتنا فرق تھا کہ وہ نصوص کی موجودگی میں قیاس کی

ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے کہ استنباط اور اجتہاد کے اصول اس کے ظاہر الفاظ کے خلاف فیصلہ کا تقاضا کریں۔ فقہاءِ عراق رحمہم اللہ کا خیال ہے اصول نظر انداز نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اگر شراب کا سرکہ بنا لیا جائے تو یہ حلال ہی ہوگا اور ایسا کرنا درست بھی ہے کیونکہ جب کسی چیز کی صورت ہی بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن محدثین کا خیال ہے کہ سرکہ بنانا درست نہیں — اور اگر کوئی سرکہ بنا بھی لے تو حرمت بدستور قائم رہے گی، اس لیے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ حدیث میں شراب سے سرکہ بنانے کی صراحتہً ممانعت آئی ہے۔

مال مسروق کی صورت اگر بدل جائے مثلاً غلہ اگر پیس دیا جائے یا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت بنا دیا جائے تو فقہاءِ کرام کے نزدیک چور کے تمام تصرفات مالکانہ ہوں گے۔

فقہاءِ حدیث ان ظاہری تبدیلیوں کے باوجود سارق کے مالکانہ حقوق کو نہ تسلیم فرماتے ہیں نہ اسے مزید تصرفات کی اجازت دیتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ اس مال میں گو بظاہر تبدیلی آ گئی ہے لیکن چور بدستور چور ہے جب تک وصف موضوع معلوم اور ثابت ہے۔ تاویلات اور مفاد پر چور کو مالک نہیں کہہ سکتے۔

نص السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما کا مقصد یہ ہے کہ جب تک سارق سارق ہے مال مسروق ہے۔ اسکی خرید و فروخت جسطرح اسکی اصل صورت میں ممنوع ہے۔ اسی طرح تبدیل شدہ صورت میں بھی اس میں تصرف شرعاً درست نہیں بشرطیکہ سرقہ کا علم ہو۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ فقہاءِ عراق کے پاس اپنے مسلک کی حمایت کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے ان مسائل کو درست ثابت کرنے کے لیے بڑے دلائل اور

نظر و فکر کی گہرائیوں سے کام لیا ہے۔ لیکن محدثین کا اندازِ فکر چونکہ بالکل مختلف ہے اس لیے وہ ان نکتہ نوازیوں پر مطمئن نہیں ہو سکے۔ وہ بدستور ان مسائل کو ظاہر سنت کے خلاف سمجھتے رہے۔ ان نکتہ آفرینیوں کو رائے سے تعبیر کرتے رہے اور اہل الرائے کے دلائل حدیث و سنت کے مقابلہ میں ان کی تسلی نہ کر سکے۔ فقہاء نے اپنے اصول کی حمایت کے لیے احادیث کو نظر انداز کر دیا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ضعاف اور موقوفات کو قبول کر لیا۔

فقہ الحدیث کے اصول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ذکر فرمائے ہیں:۔

۱۔ جب قرآن میں کوئی حکم صراحۃً موجود ہو تو اہل حدیث کے نزدیک کسی دوسری چیز کیطرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو، مختلف مطالب کا احتمال ہو تو سنت کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ قرآن کا وہی مفہوم درست ہوگا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔

۳۔ اگر قرآن کسی حکم کے متعلق بالکل ہی خاموش ہو تو عمل سنت پر ہوگا وہ سنت فقہاء میں متعارف اور معلوم ہو یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص یا کوئی خاص خاندان اسے روایت کرے۔ کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ائمہ حدیث اسے قابل استناد سمجھیں گے۔

۴۔ جب کسی مسئلہ میں حدیث مل جائے تو کسی مجتہد اور امام کی پرواہ نہ کی جائے گی اور نہ کوئی اثر قابل قبول ہوگا۔

۵۔ جب پوری کوشش کے باوجود حدیث نہ ملے تو صحابہ اور تابعین کے ارشادات

پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی قوم اور شہر کی قید یا تخصیص نہیں ہوگی۔

۶۔ اگر جمہور فقہا اور خلفاء متفق ہو جائیں تو اسے کافی سمجھا جائیگا۔

۷۔ اگر فقہاء میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی اور ضابطہ کی حدیث قبول کی جائے گی، یا پھر جو روایت زیادہ مشہور ہو اُسے لیا جائے گا۔

۸۔ اگر علم و فضل، ورع و تقویٰ اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہیں تو اس مسئلہ میں متعدد اقوال تصور ہوں گے جس پر جی چاہے عمل کرے۔ اس میں کوئی ہرج نہیں، نہ اس میں کوئی ضیق پیدا کیا جائے۔

۹۔ اگر اس میں بھی تسکین بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات اقتضاء اور ارشادات پر غور کیا جائیگا اور مسئلہ زیر بحث کے نظائر کے حکم کو دیکھا جائیگا اور حکم استخراج کیا جائے گا۔ اصول فقہ کے مروجہ قواعد پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔ بلکہ طمانیت قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائیگا جسطرح متواتر روایات میں اصل چیز راویوں کی کثرت نہیں بلکہ اصل شے دل کا اطمینان اور سکون ہے۔

یہ نو (۹) اصول پہلے بزرگوں (صحابہ و تابعین) کے طریق کار سے ماخوذ ہیں —
(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۱۹ جلد ۲)

اس وقت تحریک اہل حدیث

ابتدائی چار سو سال تک تقلید شخصی اور جمود کم تھا بلکہ پہلی صدی میں آج کی مروجہ تقلید کا رواج ہی نہیں تھا۔ اواخر صدی میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما پیدا ہوئے تھے۔ پھر بتدریج ائمہ کے مسالک کا رواج ہوتا گیا۔ اس وقت کے اہل حدیث علماء کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ:

۱۔ لوگ قرآن عزیز اور سنت مطہرہ کی پابندی کریں۔

۲- اور ان کے سمجھنے میں اگر مشکل پیش آئے تو صحابہ اور تابعین کی روش پر اسے سمجھا جائے۔ فہم میں نہ جمود اور تقلید پیدا ہو نہ آزادی اور آوارگی راہ پائے بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ اور ان کے فتووں میں وقت کے مصالح کی بناء پر تنوع وسعت قائم رہے۔ علماء کے فتووں کو قرآن اور سنت کا قائمقام نہ سمجھا جائے۔

حسن بن بشر معاذ سے نقل فرماتے ہیں اور معاذ امام اوزاعی سے:

قال کتب عمر بن عبد العزیز:

لا رأی لاحد فی کتاب اللہ و	کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے
انما رأی الائمۃ فیما لم	ہوتے ہوئے کسی شخص کی رائے کو
ینزل فیہ کتاب ولم تمض	کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ ائمہ کی
بہ سنۃ من رسول اللہ صلی اللہ	آراء اسی وقت قابل توجہ ہیں جب
علیہ وسلم ولا رأی لاحد فی سنۃ سنّھا	نہ کتاب اللہ ہو نہ سنت رسول اللہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	صلے اللہ علیہ وسلم۔ (سنن دارمی ص۲۶)

ایک دوسرا اثر ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے خطبہ دیا۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ آنحضرت کی زبان سے جو حلال ہے وہی حلال ہے اور جو آپ نے حرام ٹھیرا دیا وہی حرام ہے یہ حکم تا قیامت ہے، میں خود قاضی نہیں بلکہ آنحضرت کے فیصلوں کو نافذ اور جاری کرتا ہوں۔ میں پہلوں کا متبع ہوں۔ میں خود کچھ نئی چیز پیدا نہیں کرنا چاہتا میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن مجھ پر تم سے ذمہ داری اور بوجھ زیادہ ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی

اطاعت ضروری نہیں۔ کیا میں نے سنا دیا۔" (دارمی حوالہ مذکور)

ان آثار سے اس وقت کی ذہنی حالت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علماء کے ذہن پر کیا خطرات محیط ہیں۔ اتباع سلف پر اعتماد کے ساتھ جامد پابندی اور آوارگی دونوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ بدعت سے بھی پرہیز پیش نظر ہے اور اپنی حاکمانہ حیثیت سے بھی کوئی حکم منوانا پسند نہیں فرماتے۔ پوری توجہ اسطرف ہے کہ بدعت اور آوارگی نہ آنے پائے اور صداقت کی اشاعت جبر سے نہ ہو بلکہ ضمیر کی آواز، اور محض اللہ کے لیے ہو۔

سنن دارمی کے ابتدائی ابواب پر غور فرمایئے:

باب اجتناب اہل الاھواء والبدع والخصومة

باب اجتناب الاھواء فضل العلم والعلماء

باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ۔

ان تمام ابواب اور سلف اہل علم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے بعد ائمہ سلف کے طریق کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں۔ شخصی آراء وافکار — اور تقلید جامد سے اذہان کو ہر قیمت پر آزاد رکھنا چاہتے ہیں، لیکن اہل بدعت کی سی ذہن میں آوارگی کسی قیمت پر بھی پسند نہیں کرتے۔

اسوقت کے علماء اہل حدیث کے سامنے چند کام ہیں۔ احادیث نبوی کا حفظ اور ضبط، احادیث میں تفقہ اور استنباط۔ بدعات اعتقادیہ اور عملیہ سے کلیۃً پرہیز

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے ائمہ حدیث کے مذہب کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

علمائے محدثین بیک مذہب از مذاہب مجتہدین نمے باشند۔ پس بعضے اعمال ایشاں مطابق کتب فقہ مے باشند و بعضے دیگر مطابق

کتب فقہ مے باشند و بعضے دیگر مطابق کتب دیگر" اھ

(فتاویٰ عزیزی کے صـ۱۱ جلد ۲)

"ائمہ حدیث مروجہ مذاہب کے پابند نہیں ہوتے۔ فقہاء عراق باقی علمی مآخذ سے برابر استفادہ فرماتے ہیں۔" اھ

شاہ صاحب کے ارشاد سے واضح ہے کہ یہ ایک مستقل مکتبِ فکر ہے جس میں پابندی اور جمود نہیں۔

فتنۂ اعتزال

جب عجمی اہل اسلام سے متاثر ہوئے، اسلام کی سادگی نے جہاں انہیں کافی حد تک اپنی تربیت میں لے لیا۔ وہاں ان لوگوں نے بھی اسلام کو متاثر کیا یونانی علوم اور فلسفی نظریات اسلام کے بعض بنیادی عقائد سے ٹکرائے، صفاتِ باری کی حقیقت کیا ہے؟ باری تعالےٰ کے اتصاف کی نوعیت کیا ہے؟ صفات عین ذات ہیں؟ یا غیر ذات؟ حادث اور قدیم کے درمیان ربط کی کیا صورت ہے —؟ بیسیوں مسائل و مباحث سطح ذہن پر ابھر آئے۔

یہیں سے اعتقادی بدعات کا آغاز ہوا۔ علمائے سنت کو یونانی اسلحہ سے مسلح ہو کر ان مباحث کو حل کرنا پڑا۔ بدعات کے شیوع نے ایک دفعہ اہل علم کو حیرت میں ڈال دیا۔ امام احمد، علامہ عبدالعزیز کنانی وغیرہ نے اس وقت بڑی جرأت اور ثابت قدمی سے کام کیا۔ مامون رشید، واثق باللہ، معتصم باللہ، عمائد حکومت ان خیالات سے متاثر تھے۔ اسوقت ائمہ حدیث بے انتہا مشکلات میں مبتلا ہوئے۔

یہ اندازِ فکر تقریباً آٹھویں صدی تک چلتا رہا۔ یونانی فلسفہ سے ائمہ حدیث نے خم ٹھونک کر مقابلہ کیا۔ اس دور کی فرقہ پرستی کے لیے ابن حزم کی الفصل — اور

شہرستانی کی الملل والنحل، علامہ ابوطاہر عبدالقادر بغدادی (۴۲۹ھ) کی الفرق بین الفرق المواعظ والاعتبار المقریزی صفحہ ۱۴۱ تا ۱۸۶ ملاحظہ فرمائیے۔

اسلام میں بدعی فرقوں کو کس قدر گرم بازاری رہی۔ آٹھویں صدی میں معلوم ہوتا ہے۔ علمائے سنت نے یونانی فلسفہ کو فاش شکست دی۔ یونانی نظریات کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ علمائے حدیث نے انہی کی زبان میں ان سے گفتگو کر کے انہیں یقین دلایا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات کے متعلق انکی معلومات سطحی ہیں اور اسلامی عقاید پران کے اعتراضات کی حیثیت تلبیس نفس سے زیادہ نہیں۔

حضرات متکلمین

عقاید کی اس دیرپا اور صبر آزما جنگ میں کچھ لوگ مخالفت کے باوجود فلاسفہ سے متاثر ہوئے۔ بعض نصوص میں انہوں نے تاویل کی، اسلامی نصوص کے لیے) ایسے محامل تلاش کئے جو مسلک تفویض سے مختلف اور جدا تھے۔ لیکن ائمہ سلف اور ائمہ اربعہ کا تقریباً اجتماعی عقیدہ تفویض تھا۔ احناف نے عموماً عقائد میں ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی کی راہ اختیار کی۔ شوافع کا زیادہ رجحان اشعریت کی طرف ہو گیا۔ ائمہ حدیث اور حنابلہ اپنی پرانی راہ پر قائم رہے۔ تاویل سے بچکر انہوں نے امام احمد اور باقی ائمہ حدیث کی روش کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اس سادگی کو قائم رکھا جسکا دوسرا نام تفویض تھا اور عقاید میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔

تقلید کی تین راہیں

یہ عجیب اتفاق ہے کہ چوتھی صدی کے قریب فقہی فروع میں تلفیق اور اتباع ہوا سے بچنے کے لیے اس دور کے عقلاء نے ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کر لی۔ اجتہاد کو

بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں جس قدر وسعت تھی۔ تقلید شخصی و ذہنی جمود سے اسے روک دیا گیا۔ لوگوں کو خواہ مخواہ مجبور کیا گیا، کہ وہ چار ائمہ سے کسی نہ کسی کی تقلید ضرور کریں۔ گو یہ شرعاً واجب نہیں مگر ضرورتاً اسے کالواجب سمجھنا چاہیئے۔

تھوڑی دور آگے بڑھ کر عقاید کے اختلافات میں امام ابوحنیفہ رح امام مالک رح اور امام شافعی رح کی جگہ اشعری اور ماتریدی کو دے دی گئی۔ یہ حضرات عقاید میں الگ ائمہ قرار پائے۔ گویا فقہی فروع میں الگ امام، عقاید میں اور امام — پھر ذرا اس سے آگے بڑھ کر جب تصوف میں طبقاتی دور آیا۔ اسلامی زہد و ورع یا احسان میں جب بدعات شامل ہونے لگیں اور خانقاہی نظام نے پیشہ اور دکانداری کی صورت اختیار کر لی تو اس وقت کے دانشوروں نے چند امام یا فرقے انتخاب کر لئے۔ یعنی حنفی اور شافعی، مالکی اور حنبلی۔ تصوف نقشبندی، قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ ہو گئے۔ گویا تین مختلف محاذوں پر ائمہ کے متبعین نے اپنے امام بدل لئے۔

یوں سمجھیئے کہ امام ابوحنیفہ رح اور ان کے باقی رفقاء کی امامت فروع تک محدود ہو گئی وہ تصوف اور عقاید میں امام و مقتدا نہیں بن سکتے۔ ہمارے ملک میں احناف کی بریلوی قسم عموماً قادری ہیں۔ حالانکہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فروع میں حنبلی تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے تصوف میں دس فرقوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اہلحدیث کی روش

ان تمام مقامات میں بحمداللہ اہل حدیث کی روش ایک جیسی رہی۔ وہ فروع عقاید اور تصوف میں صحابہ کی اتباع کرتے رہے اور خانقاہی نظام کی بدعات

سے اسی طرح نفرت کی جس طرح فروع میں جامد تقلید اور عقائد میں بے دینی کی بدعات سے انہیں نفرت تھی ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء - ان تمام مراحل میں ائمہ سلف کی اتباع کرتے اور وقت کی ہر ہر بدعت سے برسر پیکار رہے ؎

اهل الحدیث هموا اهل النبی
وان لم تصحبوا انفسه انفاسه صحبوا

یہی حال تقریباً حنابلہ کا رہا وہ اشعریت اور ماتریدیت سے بہت کم متاثر ہوئے - اہلحدیث نے کتاب وسنت کے فہم میں کسی فرد کی امامت کی بجائے ائمہ سلف اور صحابہ رضؓ کو اپنا امام تصور کیا، اور فروع وعقاید واحسان اور تصوف میں ان بزرگوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا — اور نہ شخصی آراء وافکار کو ائمہ سلف اور صحابہ کا بدل سمجھا - دراصل فتنوں کے دور عروج میں آزادی ، اور پابندی جمود اور آوارگی کے بین بین یہی صحیح حل تھا جسے ائمہ حدیث نے تلاش فرمایا اور عملاً صدیوں اس پر کاربند رہ کر آوارگی ذہن اور جمود کا مقابلہ کیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۷۲۸ ھ) کی مجاہدانہ کوششیں صفحات تاریخ کی رونق ہیں - انہوں نے جہاں اعتزال اور تجہم کو دفن کیا اور ان کے تابوت میں آخری میخ ٹھونکی ، وہاں رفاعی فرقہ کے فقیروں کے آگ میں کودنے کا چیلنج قبول فرما کر بدعی تصوف کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا - وحسبہ قدرۃ اللھم ارحمہ رحمۃ واسعۃ -

یہ جرأت مندانہ جہاد اس وقت عمل میں آیا - جبکہ ارباب تقلید وجمود کی اکثریت بدعات میں مبتلا ہو چکی تھی ... بلکہ ان حضرات نے اصلاح کے پروگرام کی قدم قدم پر مخالفت کی - شیخ الاسلام کا یہ ارشاد کس قدر جاندار ہے

اهل الحدیث فی الفرق کالاسلام فی الملل (رد المنطق)

منہاج السنۃ، کتاب العقل و النقل اور رسالہ رد المنطق اس موضوع پر انتہائی مفید معلومات سے بھرپور ہیں۔ شیخ الاسلام کی کتاب الرد علے المنطقیین میں اسقدر شگفتگی نہیں جس قدر رد المنطق میں ہے ـــــ اس مختصر رسالہ میں شیخ الاسلام نے مسلک اہلحدیث کی حمایت اور ترجیح میں بڑی وسعت سے کام لیا ہے۔ شاید یہ بسط شیخ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملے۔ اس کتاب سے شیخ الاسلام کی روشن خیالی اور وسعت ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

یونانی فلسفہ کی پسپائی

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء عالی مقام نے یونانی فلسفہ کی صرف مخالفت ہی نہیں فرمائی، بلکہ اس پر اس قدر بھرپور وار کیے کہ علماء کے علاوہ عوام میں بھی یونانی علوم اور یونانی نظریات کی کوئی علمی آبرو نہ رہی بلکہ ان کی جند ما ھنالك مهزوم من الاحزاب کی سی کیفیت ہوگئی اور صدیوں کی اعتقادی پابندیاں اور اس دور کی تقلید پرور نزاعیں تقریباً ختم ہوگئیں، اور اعتزال اور تجہم کے پیدا ہوئے ہوئے فرقے ایک ایک کر کے تاریخ کے اوراق میں دفن ہوگئے۔ مذاہب و ملل اور ردو مناظرات کی کتابوں کے سوا یہ فرقے عملاً ختم ہوگئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تجدیدی کارناموں میں یہ اہم کارنامہ اور ائمہ حدیث کی مصالحانہ خدمات میں یہ سب سے عظیم الشان خدمت ہے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْهُمْ كَمَا تَتَقَبَّلُ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء یونانی جارحیت کے خلاف تو کامیاب ہوگئے لیکن تقلیدی جمود کے خلاف اسقدر کامیاب نہ ہوسکے۔ جو قدر ظروف اور حالات کا تقاضا تھا بلکہ فقہی جمود تیزتر ہوگیا۔ ائمہ اربعہ کی حقانیت مسلمہ ہو جانے کے

باوجودیکہ چاروں حق پرور گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ ہر ایک نے یہی سمجھا کہ حق حقیقتہً ہمارے ہاں فروکش اور تشریف فرما ہے۔ باقی ائمہ کی صداقت صرف ایک ظن ہے حضرت علامہ علاء الدین حصکفی درالمختار میں اشباہ والنظائر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

وفیہا اذا سئلنا عن مذھبنا و	"جب ہمیں اپنے اور اپنے مخالف کی
مذھب مخالفنا قلنا وجوباً مذھبنا	بابت پوچھا جائے تو ہم کہیں گے،
صواب یحتمل الخطاء ومذھب	کہ ہم یقیناً حق پر ہیں۔ احتمال ہے،
مخالفنا خطاء یحتمل الصواب	کہ ہمارا خیال غلط ہو جائے۔ ہمارا
اذا سئلنا عن معتقدنا	مخالف یقیناً خطا پر ہے، ممکن ہے
ومعتقد خصومنا قلنا	اس کا خیال درست ہو، لیکن عقاید
وجوبا الحق ما نحن علیہ	کے معاملہ میں ہم یقیناً حق پر ہیں
والباطل ما علیہ خصومنا	اور ہمارے مخالف غلطی اور باطل
ا۔ھ	پر ہیں۔"

حالانکہ عقاید میں پورا استدلال تاویل کا ایک نظر فریب جال ہے:

ائمہ اربعہ کو حق پر ماننے کے بعد فکر کا یہ انداز یقیناً مستحسن نہیں ہے۔ جب ائمہ اجتہاد کے متعلق معلوم ہے کہ وہ پیغمبر نہیں ہیں، بلکہ ان کی کوششیں مخلصانہ ہیں تو اس تنگ نظری سے کیا حاصل؟ لیکن تقلید و جمود کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ شخصی محبت میں افراط کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالف کے متعلق تفریط کرے۔ اس کے محاسن کو بھی عیب کی نظر سے دیکھے۔ تقلید و جمود میں یہ بڑی ہی عیب ناک چیز ہے۔ اس میں عصبیت اور سوءِ ادب سے بچنا سخت مشکل ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات خود از بس بے ادب ہیں لیکن الزام دوسروں کو دیتے ہیں:

امام شافعیؒ کے متعلق عجیب روش

حضرت امام شافعی کی ذہانت اور علمی رفعت کی بناء پر کوشش فرمائی گئی : کہ انھیں اپنا شاگرد ظاہر کیا جائے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ علم امانت ہے جہاں سے ملے لے لینا چاہیئے۔ امام شافعیؒ نے یقیناً اپنے وقت کے اکابر سے علم حاصل کیا۔ فقہ اور حدیث دونوں اپنے وقت کے کامل اساتذہ سے سیکھے چنانچہ علامہ علاءالدین حصکفی ذکر فرماتے ہیں کہ امام شافعی امام محمد کے تلامذہ سے تھے!

ومن تلامذته الشافعی رضی اللہ عنہ وتزوج بام الشافعی وفوض الیہ کتبہ ومالہ فبسببہ صار الشافعی فقیھاً۔ (در المختار برحاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۴۲)	امام شافعی امام محمد کے شاگرد تھے امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح کیا اور اپنی کتابیں اور اپنا مال امام شافعی کو دے دیا۔ اسی لیے امام شافعی فقیہ بن گئے۔"

لیکن امام محمد کی فقہ سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے!

پھر امام شافعیؒ کا اقرار ذکر فرماتے ہیں :

واللہ ماصرت فقیھاً الا بکتب محمد بن الحسن (کتاب مذکور ص ۵۳ ج ۱)	"میں صرف امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا۔"

ذھبیؒ نے بھی ذکر کیا ہے :

وکتب عن محمد بن الحسن الفقیہ وقر بختی اھ (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۲۹ ج ۱)	"امام محمد فقیہ سے امام شافعی نے اونٹ کا بوجھ نقل فرمایا۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا امام محمد سے استفادہ فرمانا کوئی عیب کی بات نہیں امام محمد تو اکابر ائمہ سنت ہیں۔ ائمہ حدیث علم کے معاملہ میں اسقدر وسیع الظرف

تھے کہ تنقید اور تنقیح کے بعد وہ اہلِ بدعت سے بھی تحصیل علم میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ مستند کتب حدیث میں ان لوگوں سے احادیث مروی ہیں جنکو ائمہ حدیث دین کے لحاظ سے پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے امام محمد سے تلمذ ائمہ سنت کی خوبی ہے۔

امام شافعی ایسے شاگرد رکھتے، جن کی مناظرانہ استعداد سے امام محمد کئی دفعہ خاموش ہو جاتے چنانچہ اخبار احاد کی حجیت، شاہد اور یمین کے ساتھ فیصلہ "لا وصیۃ لوارث" وغیرہ مسائل پر امام شافعی نے مسکت گفتگو فرمائی۔ (حجۃ اللہ)

اہلِ علم میں تعلیم و تعلم اور بحث و نظر میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امام شافعی اور امام محمد دونوں کے لیے باعث فضیلت ہے ایسے شاگرد پر جسقدر فخر کیا جائے بجا ہے۔"

امام شافعیؒ کی تنقیص

ایکطرف تو امام شافعیؒ کی شاگردی پر فخر ہے۔ دوسری طرف جب امام شافعیؒ نے بعض فقہائے عراق کے بعض مسائل پر تنقید فرمائی تو حضرات امام شافعیؒ پر اعتراضات شروع ہو گئے اور جاہل تک کہہ دیا گیا۔ اصول بزدوی اور اس کی شرح کشف الاسرار سے لیکر اصول شاشی تک ہر بزرگ کو دیکھیے۔ امام شافعی کی اجتہادی مساعی کو جہالت سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے امام شافعیؒ کا صراحت سے نام لیا ہے۔ بعض نے مسائل کا ذکر کر کے انہیں جہالت سے یاد فرمایا ہے:

وکذلك جهل من خالف فی	اسی طرح ائمہ فقہ اور مجتہدین کی جہالت
اجتهاده الكتاب والسنة من	بھی عند اللہ عذر نہیں ہو سکتی۔ جس
علماء الشريعة وائمة الفقه	میں کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کی
او عمل بالغريب من السنة	مخالفت کی ہے یا کسی غریب حدیث پر

علیٰ خلاف الکتاب والسنۃ المشھورۃ	عمل کیا ہے۔ یہ جہالت مردود اور باطل
فمردود باطل لیس بحذ راصلا	ہوگی جیسے ام ولد کی بیع کا فتویٰ یا قسامہ
مثل الفتوٰی ببیع امھات الاولاد	میں قصاص کا فتوےٰ یا جس جانور پر
ومثل القول فی القصاص فی	بوقت ذبح عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو
القسامۃ ومثل استباحۃ	اس کی حلت کا فتویٰ اور مدعی کی قسم
متروک التسمیۃ عمداً او القضاء	اور ایک گواہ کی بنا پر مدعا علیہ کے
بالشاھد والیمین۔ اھ	خلاف ڈگری کی اجازت"۔ اھ

(۱) اس کی تفصیل اسطرح ہے کہ امام داؤد ظاہری کا خیال ہے کہ ام ولد کی بیع درست ہے۔ یعنی اس لونڈی کی جسکے بطن اور اسکے مالک کی پشت سے اولاد ہو، جمہور ائمہ سید کی موت کے بعد اسکی بیع کو درست نہیں سمجھتے۔ لیکن داؤد ظاہری بعض احادیث کی بنا پر اسے درست سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی "جہالت" ہے۔

(۲) کسی محلہ میں میت پائی جائے لیکن قاتل معلوم نہ ہو۔ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ اگر اہل محلہ اور مقتول میں سابقہ دشمنی اور باہم خلش کا علم ہو تو قاضی مقتول کے ولی سے پچاس قسمیں لے کر قاتل کی تعیین کے بعد قصاص کی اجازت دے گا۔ احناف کرام اور حضرات ائمہ اصول کے نزدیک یہ امام مالک، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی "جہالت" ہے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

(۳) امام شافعی کا خیال ہے کہ اگر ذبیحہ پر بوقت ذبح جان بوجھ کر بھی خدا کا نام نہ لیا جائے لیکن ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو گو یہ فعل درست نہیں لیکن ذبیحہ حلال ہے احناف اسے امام شافعیؒ کی "جہالت" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

(۴) اسی طرح اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں تو مدعی خود قسم کھائے اور ایک گواہ

دے دے تو امام شافعی اجازت دیتے ہیں کہ قاضی اس صورت میں مدعی سے کو ڈگری دے دے۔ ائمہ حنفیہ کا خیال ہے کہ یہ امام شافعی کی "جہالت" ہے۔ مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے اور مجتہدین کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی تحقیق کے مطابق فتوے دیں، اتباع کو حق ہے کہ اپنے امام کی رائے کے مطابق عمل کریں مگر تلخ اور ترش زبان تو بے حد نامناسب ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے متعلق بھی ایسی زبان اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ چہ جائیکہ ائمہ اجتہاد کے متعلق یہ لب و لہجہ اختیار کیا جائے پھر بھی بے ادب غیر مقلد ٹھہریں۔ کیا یہ تقلیدی جمود اور اس میں غلو کا نتیجہ نہیں؟

کشف الاسرار میں علامہ شیخ عبد العزیز (۷۳۰ھ) نے متن کی شرح فرماتے ہوئے ائمہ کے اسماء کا تذکرہ فرمایا ہے جنکے اجتہادات کو علامہ بزدوی نے جہالت سے تعبیر فرمایا ہے لیکن اس تیز لب و لہجے کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔

حسامی نے تھوڑے سے اختصار کے ساتھ اصول بزدوی کے الفاظ نقل فرما دیئے ہیں اور وہی امثلہ جو بزدوی نے بیان فرمائی ہیں بطور توارث نقل کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں پر رحم فرمائے۔ یہ دور جمود کی بڑی تلخ اور ناپسندیدہ یادگار ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ محبت میں غلو کا نتیجہ۔

حسامی کے شارح عبد الحق حقانی رحمہ اللہ نے نامی میں دو لفظ فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ زبان اور انداز پسند نہیں، فرماتے ہیں:

وکل واحد یجھل الآخر فیما خالفه ویقول انه مخالف للسنة	"ہر ایک اپنے مخالف کو جاہل اور سنت کے مخالف کہتا ہے۔"

(نامی مجتبائی ص ۱۲۰)

المنار میں ماتن نے صرف امہات اولاد کا ذکر کیا ہے لیکن شارح ملا جیون نے امثلہ میں پوری تفصیل کی ہے۔ امام شافعی اور امام داؤد ظاہری کا نام صراحۃً

لیا ہے اور آخر میں فرماتے ہیں :

وقد نقلنا کل ھذا علی نحو	"ہم نے یہ سب کچھ اس لیے نقل کیا
ما قال اسلافنا وان کنا لم	ہے کہ ہمارے پہلے بزرگوں نے ایسا
نجتری علیہ اھ (نورالانوار ص۲۹۸)	ہی فرمایا ہے ورنہ ہم یہ جرأت نہ کرتے"

گویا یہ تلخ بیانی یا غلط نوازی حضرات سلف کی اتباع میں ہو گی - ورنہ ملاّ جیون خود اس کے لیے آمادہ نہ تھے - عذرِ گناہ ، گناہ سے بھی عجیب رہا - یہ سب دورِ جمود و عصبیت کی نوازشیں ہیں ، ورنہ نہ شافعی ایسے کمزور ہیں نہ ان کے اتباع اتنے کم سواد کہ صریح کتاب وسنت کے خلاف فتویٰ دیں - یہ معلوم ہے کہ متاخرین فقہاء حنفیہ اور ائمہ اصول سے ائمہ شوافع کی کتاب وسنت پر نظر زیادہ وسیع اور عمیق ہے - علماء حدیث کی تعداد شوافع میں کافی زیادہ ہے -

یہ جمود و تقلید کے لوازم سے ہے - فرطِ محبت میں اپنے مخالف کے ساتھ تلخی اور بے ادبی قرینِ قیاس ہے -

اس دور کے علماء اہل حدیث نے اس جمود کے خلاف اپنا پورا زور لگایا - اس جمود اور اس کے مضرت رساں اثرات اور طوفان خیز نتائج کا اندازہ حافظ ابن قیم کی کتاب " اعلام الموقعین " - " زاد المعاد " - " الطرق الحکمیہ " وغیرہ سے ہوتا ہے -

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تلمیذ اور قریب ترین اہلِ علم میں حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) سابقہ بدعات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے عباسی دور کی اعتقادی اور ملحدانہ یورش کا تذکرہ فرماتے ہیں -

وفی ھذا الزمان ظہر بالبصرۃ	اس وقت بصرہ میں عمرو بن عبید اور
عمرو بن عبید العابد وواصل	واصل بن عطاء کا ظہور ہوا - وہ لوگوں
بن عطاء الغزال ودعوا الناس	کو اعتزال اور انکار تقدیر کی دعوت دینے

الی الاعتزال والقدر وظهر بخراسان الجهم بن صفوان ودعا الی تعطیل الرب عز و جل وخلق القرآن وظهر بخراسان فی قبالة مقاتل بن سلیمان المفسر وبالغ فی اثبات الصفات حتی جسم وقام علی هولاء علماء التابعین وائمة السلف وحذروا من بدعهم وشرع الکبار فی تدوین السنن وتالیف الفروع وتصنیف العربیة ثم کثر ذلک فی ایام الرشید وکثرت التصانیف والفوا فی اللغات واخذ حفظ العلماء ینقص ودونت الکتب واتکلوا علیها وانما کان قبل ذلک علم الصحابة و التابعین فی الصدور فهی کانت خزائن العلم لهم رضی الله عنهم (تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۰)

لگے اور خراسان میں جہم بن صفوان نے تعطیل صفات اور خلق قرآن کی دعوت دی اور خراسان ہی میں مقاتل بن سلیمان مفسر نے صفات کی دعوت اس طرح دی جس سے تجسیم کا شبہ ہونے لگا۔

علمائے سلف اور ائمہ تابعین نے ان کے خلاف دعوت دی اور ان کی بدعتوں سے لوگوں کو ڈرایا اور اکابر ائمہ حدیث — سنت کی تدوین اور فروع کی تصنیف میں مشغول ہو گئے عربی زبان کے علوم کی تدوین کثرت سے ہوئی۔ یہ ہارون رشید کے دور حکومت کی حالت ہے۔ اسی زمانہ میں کتب لغت کی تالیف ہوئی اور علماء کا حفظ کم ہونے لگا اور کتابوں پر زیادہ اعتماد ہونے لگا اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں تھا اور ان کے سینے علم کے خزانے تھے"

یہ اعتقادی بدعات کا دور تھا اور ائمہ حدیث کی اس باب میں مساعی تھیں ان کا مختصر تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے۔ وہ اپنے وقت کے فقہاً اور ائمہ حدیث کا سلف کے اہلِ علم سے موازنہ فرماتے ہوئے تقلید وجمود کے اثرات کا تذکرہ دل گداز انداز سے فرماتے ہیں :

ابومحمد فضل بن محمد (۲۰۲ھ) کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں :-

"اس وقت کے قریب قریب ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی۔ جنکا تذکرہ میں نے تاریخ میں کیا ہے۔ یہاں میں نے اس کا عشر عشیر بھی ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح اس وقت ائمہ اہل الرائے اور فروع سے بھی کثیر جماعت تھی اور شیعہ متکلمین اور معتزلہ سے بھی بڑے بڑے اساطین موجود تھے، جو معقول کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اور اتباع سلف اور آثار نبویہ سے بے پرواہ تھے اور فقہاً میں تقلید نمایاں ہو چکی تھی اور اجتہادات میں تناقض ظاہر ہو چکا تھا۔ اللہ پاک ہے جس کے قبضہ میں خلق اور امر ہے۔

اے شیخ! خدا کی قسم اپنے آپ پر رحم کرو اور انصاف کی نگاہ سے دیکھو اور ان کی طرف غلط نگاہ مت ڈالو، اور ان کے نقائص کی تلاش مت کرو اور یہ مت خیال کرو کہ وہ آج کل کے محدثین کیطرح ہیں۔ حاشا وکلا۔ میں نے جن ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے وہ دین میں پوری بصیرت رکھتے تھے اور نجات کی راہ کو خوب سمجھتے تھے ۔ ہمارے زمانے کے بڑے بڑے محدث بھی علم وبصیرت میں ان کا لگا نہیں کھا سکتے تھے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ تم اپنی ہوا پرستی کی وجہ سے اگر کھلے طور پر

نہ کہہ سکے تو بزبان حال کہو گے کہ احمد بن حنبل کیا چیز ہے؟ ابن مدینی کون ہے۔ ابوداؤد اور ابوزرعہ کی کیا حقیقت ہے یہ صرف محدث ہیں انہیں فقہ کا پتہ ہی نہیں نہ وہ اصول سے واقف ہیں نہ انہیں معلوم ہے کہ رائے کیا چیز ہے۔ نہ وہ معانی اور بیان کے دقائق کو سمجھتے تھے۔ نہ وہ منطق کی باریکیوں کو جانتے تھے ـــ نہ وہ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر دلائل دے سکتے تھے، نہ فقہائے ملت میں ان کا کہیں تذکرہ پایا جاتا ہے یا تو علم سے چپ رہو یا علم سے بات کرو مفید علم وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہے۔ تمہارے فقیہہ تو ہمارے آج کل کے محدثین کی طرح ہیں۔ نہ ہم کچھ چیز ہیں، نہ آپ ہی کچھ جانتے ہیں۔ ارباب فضیلت کی قدر اہل فضل ہی جانتے ہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہے جو کبر و غرور اور شر پسندی سے گفتگو کرتا ہے۔ اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ اس کا انجام وبال ہے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے معافی و سلامتی چاہتے ہیں" اھ

(تذکرۃ الحفاظ ص۲ ذہبی ص۲)

حافظ ذہبی نے اپنے وقت کے اس مرض کو جس دردانگیز طریقہ سے بیان فرمایا اور جس ہمدردی سے ذکر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آٹھویں صدی میں جمود اور شخصیت پرستی کس قدر بڑھ چکی ہے اور حافظ ذہبی اس سے کس قدر خائف اور متأثر ہیں اور اس کے عواقب اور نتائج سے ائمہ حدیث کی دور اندیش نظریں کس قدر آگاہ ہیں۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اہل حدیث کے خلاف آٹھویں صدی ہجری میں بھی وہی اسلحہ استعمال ہوتے تھے جو اپنی زنگ آلود شکل میں آج استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ فقیہہ نہیں یہ عطار ہیں۔ اصول سے ناآشنا ہیں۔ منطق نہیں جانتے۔ عقلی دلائل

سے بے خبر ہیں - علم کلام ان کے اذہان سے بالا ہے -

یہ وہی زنگ آلود اور بوسیدہ اوزار ہیں جو فلاسفہ یونان نے متکلمین کے خلاف استعمال کئے اور فقہاء کرام نے ائمہ حدیث کو ان معائب سے مطعون کیا اور اب حضرات ارباب تقلید ان لوگوں کے خلاف استعمال فرماتے ہیں جو اسوقت آزادیٔ فکر کے حامی ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جب ائمہ مجتہدین حق پر ہیں تو ان سب کے اجتہادات کیوں قابلِ عمل نہ سمجھے جائیں ، چار کی تحدید اللہ تعالےٰ نے اور اسکے رسول نے نہیں فرمائی - بعض اوقات حکومتوں نے اپنے مقاصد یا امن عامہ کی حفاظت کے لئے کی ، اس کے لیے شرعاً اس کی کوئی سند نہیں پائی گئی -

اگر کسی شخص کو قرآن وسنت میں مناسب بصیرت نہ ہو تو وہ ائمہ اجتہاد کے علوم سے بلا تعیین استفادہ کرے - جب سب مجتہدین حق پر ہیں تو حق کو تقسیم کیوں نہ کیا جائے - تعیین شخص کا تقسیم کے سوا کوئی مطلب نہیں!

بے شک تلفیق سے روکا جائے ، اتباعِ ہوا سے منع کیا جائے لیکن ہر شخص کی نیت پر مسلّط ہونے کی کوشش نہ کی جائے - مخفیات اور سرائر کو اللہ تعالےٰ عالم الغیب کے سپرد کیا جائے ، یا پھر اس قوت کی تخویل پر اعتماد کیا جائے - جو ملک کے نظم ونسق اور قیامِ امن کی ذمہ دار ہے - لیکن انسانی اذہان و افکار ، عقل و بصیرت اور نظر و اجتہاد پر تالے ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے - یہ انسانیت پر ظلم بھی ہے اور اس کی توہین بھی اور علم و بصیرت کے دشمنی کے مترادف بھی!

حافظ ذہبی ، حضرت عبداللہ بن مسعود کے مناقب ، وسعتِ علم اور انکے تفردات اور اختیارات کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے دور کے شخصی جمود کا تذکرہ عجیب انداز سے فرماتے ہیں :-

"حضرت عبداللہ بن مسعود کی سیرت اگر لکھی جائے تو تقریباً نصف جلد

اسی میں سماجائے وہ کبار صحابہ سے تھے۔ وہ نہایت وسیع العلم اور ہدایت کے امام تھے۔ اس کے باوجود فروعی مسائل اور قرأت میں ان کے کچھ تفردات تھے، جو کتابوں میں موجود ہیں اور ہر امام کی بعض باتیں لے لی جاتی ہیں اور بعض نظر انداز کر دی جاتی ہیں سوائے امام الاتقیاء صادق مصدوق نبی الرحمہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معصوم اور امین ہیں۔ اس عالم پر تعجب ہے جو کسی خاص امام کی تقلید کرے باوجودیکہ اسے ان نصوص کا علم ہے جو اس کے امام کے خلاف پائی جاتی ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ اھ (تذکرۃ الحفاظ ص۱۵ ج۱)

جمود کے خلاف ہر دور کے علماء نے بہت کچھ کیا ہے۔ ابوشامہ شاطبی ابن قدامہ ایسے مشاہیر نے اس مرض کے خطرات سے آگاہ فرمایا۔ ابن قیم فرماتے ہیں ؎

العلم معرفۃ الھدی بدلیلہ ماذاک والتقلید یستویان

اذا جمع العلماء ان مقلدا للناس کالاعمیٰ ھما اخوان

"علم معرفت بالدلیل کا نام ہے۔ تقلید اسکے مساوی اور مرادف نہیں ہوسکتی۔ علماء کا اجماع ہے کہ تقلید نابینگی کے مرادف ہے"

میں نے اس مقام پر ذہبی کے تاثرات کو اس لیے ذرا تفصیل سے لکھا ہے ـــ کہ ذہبی مختلف مکاتب فکر میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی نظر تاریخی لحاظ سے اور رجال میں بہت وسیع ہے۔

بحرالعلوم مسلم الثبوت کی شرح میں ذہبی کے متعلق فرماتے ہیں:

قال الذہبی ھو من اھل الاستقراء التام فی نقل حال الرجال۔ "ذہبی کا استقراء اسماء الرجال میں بہت کامل ہے"

(بحرالعلوم ص۱۴۱ نولکشور)

ذہبی نے فکر کے جمود اور تقلید کے متعلق ان ممالک کا حال لکھا ہے ۔ جو ارض حرم کے قریب اور دینی علوم کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ہندوستان جیسا ملک جو علوم نبوت سے پہلے ہی کافی دور ہے ۔ جہاں محققین کی پہلے ہی کمی ہے یہاں کے حالات تو اور بھی خراب ہوں گے ۔

غزالی فرماتے ہیں :

فان خاص المتلد فی الحاجة فذالك	مقلد کے ساتھ بحث ٹھنڈا لوہا
منه فضول واشغل به مسار	کوٹنے کے مترادف ہے ۔ عطار
کضارب فی حدید بارد و طالب	وقت کی بگڑی کو نہیں بنا سکتا
لصلاح الفاسد وهل يصلح العطار ما افسد الدهر	

ہندوستان میں اسلام

معلوم ہے کہ ہندوستان میں فاتحین اسلام دو راستوں سے آئے ۔ سندھ کی راہ سے اور ایران کی راہ سے ۔ پہلا لشکر محمد بن قاسم کی قیادت میں پہلی صدی کے اواخر[1] میں پہنچا ۔ اس وقت ائمہ اربعہ سے امام ابوحنیفہؒ کے سوا باقی ائمہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ، حضرت ابوحنیفہ کے لئے یہ دور طالب علمی کا تھا اور امامت کا تو سوال

---

[1] ہندوستان پر پہلا حملہ ۹۲ھ میں ہوا ۔ اس وقت ولید بن عبد الملک خلیفہ تھے ۔ حجاج بن یوسف گورنر اور محمد بن قاسم قائد جیوش ۔ محمد بن قاسم کے یہ حملے ۹۵ھ تک جاری رہے ۔ ملتان سے قنوج تک ان کی فوجیں پہنچیں ۔ دوسرا حملہ چوتھی صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے کیا ۔ اس وقت مذاہب اربعہ کا رواج کسی قدر ہو چکا تھا ۔ غزنویوں کے بعد حکومت غوریوں کو طرف منتقل ہو گئی ۱۲

ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ لشکر اہل حدیث تھا اور موجودہ تفریق سے بے خبر — ان کا مسلک تقریباً وہی تھا جو آجکل اہلحدیث کا ہے۔ یعنی بلا تخصیص شخص، مسائل اہل علم سے پوچھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اسی لیے عامۃ المسلمین میں اس وقت تعصب ناپید تھا — دوسرا حملہ ایران کی راہ سے ہوا، یہ فاتح عموماً حنفی تھے۔ انہی کی وجہ سے ہندوستان میں حنفیت پورے زور سے پہنچی — اور اس وقت تک احناف کی ملک میں کثرت ہے اور عوام و خواص میں عصبیت بھی ہے۔ الامن رحم

یہ علاقے مرکز سے کافی دور اور علوم کی برکات سے بجید تشنہ رہے۔ یہاں کے علماء عموماً حجاز میں اقامت اور ہجرت کو ترجیح دیتے رہے۔ ان حالات میں اگر یہاں جمود ہو۔ تحقیق اور اجتہاد سے عوام نفرت کریں تو اس میں تعجب نہیں۔ جمود کی ایسے علاقوں میں مستبعد نہیں — اس صورت حال کے پیش نظر برصغیر ہندوستان و پاکستان کے حالات عرب سے کہیں ابتر ہونے چاہئیں۔ اس کا تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے یہاں کی حکومت اکثر جاہل اس کے ساتھ حکام میں بے عملی اور بدعملی دونوں کارفرما تھیں۔ علماء اور فقراء بھی اپنے مقام سے ہٹ چکے تھے۔

علامہ صغانی (۶۵۰ھ) کے بعد یہاں چند گنے چنے بزرگ نظر آتے ہیں۔ شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) شیخ محمد طاہر پٹنوی شہید (۹۸۶ھ) اور سب سے آخر میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) جہاں اکبر ایسے فاسق بادشاہ اور ملا مبارک کا خاندان ملک کے در و بست پر محیط ہوں۔ فواحش اور فسق و فجور کی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی ہو، وہاں تقلید و جمود سے آگے ذہن کہاں تک پرواز کر سکتے ہیں، اور یہ چند مخلص بزرگ بدعت اور شرک کے ان جھکڑوں اور آندھیوں کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں!

اس آخری دور میں شیخ عبد الحق (۱۰۵۲ھ) کا وجود غنیمت ہے۔ وہ اپنے وقت کے محدث ہیں۔ ان کے وجود سے دہلی اور دہلی کے اطراف میں حدیث کا چرچا ہوا — ان کی رجال پر نظر ہے لیکن نقل روایت میں حافظ سیوطی کے بعد شاید ہی کوئی اس قدر غیر محتاط ہو۔ ان کی مدارج النبوت میں سیرت کے متعلق بڑی جامعیت ہے۔ لیکن اضعاف اور موضوعات کا ذخیرہ بھی حضرت شیخ نے جمع فرما دیا ہے پھر وہ تصوّف کی مخترعات اور وقت کی دوسری بدعات کے خلاف کھل کر کچھ کہنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا رجحان حمایت کی طرف ہوتا ہے۔ وہ سطحیات کے دلدادہ ہیں۔

ان کے رجحانات کا یہ حال ہے کہ سفر السعادۃ ایسی محققانہ اور محدثانہ کتاب کی شرح لکھی اور اسے جمود سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ جہاں اتنے بڑے اکابر محدثین کا یہ حال ہو، وہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تجدیدی مساعی اور ابن القیم کے تنقیدی کارناموں کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ بحوالہ حافظ سخاوی لفظ شیخ الاسلام کے غلط استعمال کا شکوہ فرماتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ثم اشتهر بها جماعة من علماء السلف حتى ابتذلت على راس المائة الثامنة فوصف بها من لا يحصى وصارت لقب لمن ولى القضاء الاكبر ولو عرى عن العلم والسن فانا لله وانا اليه راجعون انتهى كلام السخاوى قلت ثم صارت الأن لقبا لمن تولى منصب الفتوى وان عرى عن لباس العلم والتقوى اھ (الفوائد البهية ص۱۰)

"شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے بعد سلف سے ایک جماعت کے لیے یہ لقب مشہور ہوا۔ پھر آٹھویں صدی میں یہ لقب ایسا عام ہوا کہ جسے قضاء کبریٰ

کا عہدہ ملا وہی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہو گیا اور بے شمار شیخ الاسلام ہو گئے اگرچہ علم اور عمر کے لحاظ سے وہ کچھ بھی اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں۔ پھر یہ لقب ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو گیا جو منصب افتاء پر کسی طرح قابض ہو گئے گو وہ علم اور تقویٰ سے قطعاً تہی دست ہوں۔ اھ"

اواخر تیرھویں صدی تک علم کے درو س و انحطاط کا حال ظاہر ہے۔ علم و تقویٰ کی بجائے القاب پر زور ہے۔ جسقدر علم کم ہو گا اسی قدر جمود بڑھے گا۔ لوگ دوسروں کا سہارا لینے کی کوشش کریں گے۔ ضرورت کے لحاظ سے اسے کوئی واجب کہے یا مباح لیکن ہے تو ایک لاعلمی کا کرشمہ۔ اسی لیے اس دور میں سارا زور القاب پر آ گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی اصلاحی کوششوں کے بعد اعتقادی بدعات کی جگہ عملی بدعات نے لے لی۔ موت اور شادی کے مواقع پر ہنود سے یہ رسوم اور بدعات مستعار لے لی گئیں۔ حکومتوں کے ایوانوں سے لے کر غریب کی جھونپڑیوں تک یہ اندھیرا چھا گیا۔ علماء کا کام بھی محض حیل کی تلاش رہ گیا، اور شرعی احکام کو ٹالنا فقہ کی انتہا قرار پا گئی۔

آخری دینی کوشش فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے۔ وہ بھی آخر یہی کہ مخصوص آراء کو جمع کر دیا گیا اور حکومت کی سرپرستی سے اسے اعتماد کی صورت حاصل ہو گئی

حافظ ذہبی کی زبان سے اپنے وقت اور اپنے ماحول کے جمود اور تقلید معین کا شکوہ آپ سن چکے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا انتقال ۷۴۸ھ میں ہوا۔ اسی دور کے متعلق حافظ ذہبی نے شکایت فرمائی ہے کہ لوگ تحقیق کی بجائے تقلید کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اپنی تحقیق اور اپنے علم پر اعتماد کی بجائے دوسروں کے فہم پر اعتماد

اور دوسرے کے سہارے پر زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے۔ اگر دماغی قویٰ اور قوت فکر اور شعور کو استعمال نہ کیا جائے تو وہ اپنا عمل چھوڑ دے گی اور معطل ہو کر رہ جائے گی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ائمہ سلف کے بعد علم اور تفقہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ کتابت اور تذکروں نے حافظوں کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ محدثین کے حافظوں کا ذکر کیا جائے تو لوگ اسے افسانہ سمجھتے ہیں۔ فقہاء کی دور اندیشیوں اور نکتہ رسیوں کا تذکرہ آجائے تو خواص امت تک حیرت میں کھو جاتے ہیں — یہ ساری مصیبت جمود نے پیدا کی۔ بڑے بڑے ہوشمند اہل علم احساس کمتری میں مبتلا نظر آئیں گے۔

اس عمومی ابتلاء کے باوجود جمود بتدریج اذہان پر چھا گیا ہے۔ زمانہ میں ایسے بزرگ بھی ملیں گے جو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، اپنی سمجھ سے سوچتے ہیں منقولات کے فہم میں انہیں اپنے علم اور اپنی فراست پر بجا طور پر اعتماد ہے اور کسی کی تقلید کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

تذکرۃ الحفاظ

حافظ ذہبی نے فن رجال میں دو کتابیں لکھی ہیں: میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ میزان میں تو عموماً ضعیف اور مجروح رواۃ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کی چار جلدیں ہیں۔ جن میں حفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ ان کے اکیس طبقات ہیں۔ پہلی اور دوسری جلد میں دس طبقات کا ذکر ہے۔ تیسری اور چوتھی میں گیارہ طبقات مرقوم ہیں۔ کل اکیس طبقات ہوئے اور ان میں تقریباً گیارہ سو انیس ائمہ کا ذکر فرمایا ہے بعض ائمہ کا ذکر ضمناً آیا ہے اور بعض کا تذکرۃً ذکر فرمایا ہے۔ اس تعداد کے علاوہ حافظ ذہبی نے التزام سے تو نہیں فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ اس کے مسلک کا

ذکر کریں گے۔ لیکن چونکہ ائمہ حدیث کے تذکرہ میں یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔
اس لیے وہ تذکرۃً کہیں ذکر فرماتے ہیں کہ فلاں بزرگ تقلید نہیں کرتے تھے۔
فلاں بزرگ اہل الرائے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ فلاں بزرگ نے اپنے علاقہ میں
اہلِ اثر کے مذہب کو رواج دیا۔ تذکرۃ الحفاظ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ حافظ ذہبی کے زمانہ (۷۴۸ھ) تک ایسے لوگ موجود تھے جو شخصی تقلید اور
جمود سے پرہیز کرتے تھے۔ کتاب اور سنت کو براہِ راست سلفِ امت / صحابہ
اور تابعین کی طرح سمجھنے اور سوچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ تقلید اور جمود کی
تنگ دامانیوں سے وہ اپنا دامن بچائے رکھتے تھے اور ایسے لوگ ہر زمانے میں
کافی تھے اور پھر یہ لوگ بہت ہی اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اساتذہ
تھے۔ لوگ ان سے علم سنت پڑھتے اور سیکھتے تھے۔

ایک مختصر سی فہرست بقید سنین ذکر کی جاتی ہے۔ یہ فہرست تذکرۃ الحفاظ
اور البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للشوکانی اور التاج المکلل للنواب
صدیق حسن خاں سے منقول ہے۔ اس سے دو چیزوں کی وضاحت مقصود ہے۔
اول یہ کہ یہ نظریہ نیا نہیں بڑے فحول اور اکابر اہل علم نے تقلید سے پرہیز، اور
ائمہ سلف کی راہ کو پسند فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقلید شخصی پر کبھی اجماع نہیں ہوا
بلکہ ہر دَور میں اہل علم، اہلِ تحقیق و تحفص کے طلبگار رہے۔ اس مسلک کے لیے،
"وہابیت" کا عنوان بڑا جھوٹ ہے۔ وہابیوں کا مرکزی مقام نجد اور حجاز ہے لیکن
وہ لوگ اکثر حنبلی ہیں۔ خال خال ان میں سلفی بھی ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن حضرات
نے فن حدیث کی تحصیل ہندوستان سے کی یا پھر حافظ شوکانی اور علامہ حیات سندھی
سے علم حدیث کا استفادہ فرمایا۔ گویا وہابیوں کو بھی سلفیت یا ہندوستان سے
ملی یا یمن اور حجاز سے۔ تعجب ہے، آج کل کے بعض اکابر علماء دیوبند بھی اس

لقب کے استعمال میں غلط بیانی سے نہیں ڈرتے۔ بریلوی انہیں وہابی کہتے ہیں۔ وہ اس کا انتقام اہلحدیث سے لیتے ہیں۔

تیسری صدی تک تو اتفاق ہے کہ تقلید ایمہ کی پابندی کا رواج نہ تھا۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق اسکا عام رواج چوتھی صدی کے بعد ہوا لیکن محققین ایمہ کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ اس وقت بھی بند نہیں ہوا اس لیے امام ذہبی کئی ایمہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد تھے۔ کہیں فرماتے ہیں کان لایقلد احداً۔ کہیں فرماتے ہیں: لم یکن یعلم اھل الرائے وغیر ذالک

ایمۂ محققین کی فہرست مع قید سنین

بقی بن مخلد (۲۰۶ھ) احمد بن عاصم (۲۸۷ھ) قاسم بن محمد اندلسی (۲۷۶ھ)

حافظ ابن خزیمہ (۳۱۰ھ) علامہ ابن المنذر (۳۱۸ھ) حسین بن محمد سنجی (۳۱۵ھ)

حافظ ابویعلی (۳۴۶ھ) حسن بن سعد قرطبی (۳۳۱ھ) ابن شاہین (۳۸۵ھ)

حافظ محمد بن علی ساحلی (۴۴۱ھ) امام حمیدی (۴۸۸ھ) محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ)

امام عبدری (۵۴۴ھ) ابوزرعہ بن محمد (۵۶۶ھ) حافظ ابن الرومیہ (۶۳۷ھ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) الحافظ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس (۸۱۷ھ)

محمد یوسف ابوحیان اندلسی (۷۴۵ھ) شیخ شہاب الدین (۹۵۱ھ)

سید یحیی بن حسین (۱۰۸۰ھ) صالح بن محمد حمیدی مقبل (۱۱۰۸ھ) عبدالقادر بن علی البدری (۱۱۶۰ھ)

سید محمد بن اسمٰعیل امیر یمانی (۱۱۸۲ھ)

ان ایمہ کے اسمائے گرامی اور سنین وفیات پر توجہ فرمائیے اور غور کیجئے کہ یہ حضرات ترک تقلید کے باوجود امام ہیں ہم اور آپ نقل احادیث میں ان کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ حدیث کے دفاتر میں ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں۔

استدلال اور فقہی فروع کے ماخذ میں ان ہی کے علم پر یقین کرتے ہیں۔ پھر آج اگر کوئی شخص ایمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم سے کسی امام کی کلی طور پر تقلید نہ کرے تو اکابر اہلِ علم کی نظر میں وہ مجرم قرار پاتا ہے۔ بریلی اور دیوبند والے اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے القاب سے ان لوگوں کو یاد فرمایا جاتا ہے۔ یہ مسلک بھی اپنی قدامت کے لحاظ سے ایمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مسالک سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ان حضرات نے اپنے مسالک میں ائمہ حدیث ہی سے استفادہ کیا ہے۔

جہاں تک تاریخی شہادت کا تعلق ہے۔ خراسان، ایران، یمن، الجزائر، بربر اور اقصائے مغرب میں ابتداءً ایمہ حدیث ہی کا مسلک رائج تھا۔ موجودہ فقہی مسالک کو بذریعہ حکومت یا دوسری وجوہ سے غلبہ حاصل ہوا ہے۔ یہ ایک مستقبل بحث ہے کہ مختلف ممالک میں کیسے اور کن وجوہ سے مختلف مسالک رائج ہوئے۔ مقدمہ ابن خلدون اور المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار مقریزی میں ۴۱ھ سے ۱۶۳ھ تک شیعہ سنی مذاہب کی اشاعت اور ان کے مناقشات کا مبسوط تذکرہ ملتا ہے اور ان وجوہ پر روشنی پڑتی ہے جن سے مروجہ مذاہب کی اشاعت ہوئی۔ مقریزی نے ان ایمہ اور بادشاہوں کا نام بنام اور سنین کے حساب سے تذکرہ کیا ہے — جن کی معرفت مروجہ مذاہب کا رواج ہوا۔ اس کے ساتھ ہی شیعہ حضرات اور اُنکے تشدد کا بھی ذکر کیا ہے جو اپنے مسلک کی اشاعت میں مصر اور اس کے اطراف میں ان سے ظاہر ہوا۔ اس سے سلف کے مسلک کی قدامت اور عزیمت کے وجوہ بھی ظاہر ہوتے ہیں

اندھیرے میں روشنی کی کرن

بارھویں صدی ہجری اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص وقت معلوم ہوتا ہے۔ اس ماحول میں دنیائے اسلام میں ایک بیداری محسوس ہو رہی ہے یعنی محیط اندھیروں میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی روشنی سی نمودار ہوتی ہے۔

عرب میں نجدی تحریک پیدا ہوئی جس کی قیادت شیخ عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

ایران میں سید جمال الدین افغانی نے صور پھونکا جس کی آواز مصر، اسکندریہ اور قسطنطنیہ تک پہنچی۔

تقریباً تھوڑی دیر پہلے ہندوستان کی قسمت جاگی اور رشد و ہدایت کی سوئی ہوئی طاقتوں نے انگڑائی لی۔ اس کا بیداری کا آغاز سید احمد سرہندی رحمۃ اللہ نے گیارھویں صدی ہجری میں فرمایا: بدعات کے خلاف کھلی جنگ لڑی۔ بدعت کی تقسیم کا حیلہ عز بن عبدالسلام کے وقت سے آ رہا تھا۔ لوگ بدعت کو حسنہ کہہ کر جواز کی راہ پیدا کر لیتے تھے۔ حضرت مجدد نے اسے تار تار کر دیا اور فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بدعت کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اسے حسنہ کہنے کا حق کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ شرعاً کوئی بدعت حسنہ نہیں کہلا سکتی۔

سنت سے محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی سچی دلیل ہے بدعتی کتنا ہی عابد و زاہد ہو بارگاہ نبوت میں وہ کسی احترام کا مستحق نہیں!

مجدد صاحبؒ کی مساعی نتائج و عواقب کے لحاظ سے آج کی مصطلح تحریکات سے کہیں زیادہ ہمہ گیر اور مؤثر تھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبد العزیز رحمہم اللہ نے کوئی اصطلاحی تحریک نہیں چلائی۔ جس کے بزرگ صدر یا سربراہ ہوں۔ اس کی مجالس کا جال ملک میں پھیلا ہو۔ جس کے ممبر اور اعوان و انصار کسی عرفی تنظیم کے ماتحت کام کر رہے ہوں، بلکہ ان میں ہر ایک اپنے وقت میں ایک مینار ہے جس سے خود بخود روشنی پھیلتی ہے، لوگ متأثر ہوتے ہیں، کسی عہدہ اور عرفی نظم کے بغیر ان تأثرات کو پھیلایا جاتا ہے اور وہ اس سرعت سے پھیلتے ہیں کہ کوئی عرفی تحریک اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اس لیے ان گذارشات میں اگر کہیں تحریک کا لفظ آجائے تو اس سے مراد آج کی انجمن سازی اور اسی قسم کی اصطلاحی تحریک نہیں ہوگا بلکہ پرانا مفہوم ہوگا جس میں ایک شخص ایک سچائی کو لے کر اٹھتا ہے — پروانے خود بخود شمع کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور روشنی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ وقت کے اسباب و وسائل اپنی بساط کے مطابق استعمال ہونے لگتے ہیں۔ میری دانست میں مجدد صاحبؒ سے شروع ہو کر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تک کام کی نوعیت یہی رہی۔ ایک سپاہی کے دل میں ذمہ داری کا احساس اور مقاصد کی تحصیل کے لیے اتنا ہی درد تھا جسقدر کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو ہونا چاہیئے اور یہ احساس ہی کامیابی کا راز ہے ؎

ولی اللّٰہی تحریک کا مزاج

اس تحریک کے اہم عناصر مندرجہ ذیل ہیں :

حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، قاضی ثناء اللہ صاحب۔

۱؎ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مصطلح تحریک کا بانی قرار دیا ہے۔ یہ ان کا محض حضری تخیل ہے اور بالکل بے دلیل وہم۔

پانی پتی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت مولانا فاخر الہ آبادی - آزاد بلگرامی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ، مولانا شاہ عبد العزیز، مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبد القادر، مولانا شاہ عبد الغنی، حضرت سید احمد شہید، مولانا شاہ اسمٰعیل مولانا عنایت علی، مولانا ولایت علی، مولانا عبد الحی بڈھانوی۔ ان میں بعض علماء حنفی ہیں لیکن عقیدۃً اہل حدیث۔ بعض عمل وعقیدہ دونوں میں حنفی بعض دونوں میں اہل حدیث لیکن اس اختلاف کی نمائش ان حضرات نے کبھی نہیں فرمائی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب کا تفسیر مظہری میں رجحان فقہ حنفی کی طرف ہے لیکن بدعت کی مخالفت میں کوئی لچک نہیں۔ ارشاد الطالبین میں قبر پرستی اور قبور پر چراغاں اور انہیں چونا گچ کرنے کے متعلق ان کی رائے بہت واضح ہے۔ آج کے ارباب دیوبند کی طرح ان میں لچک اور مداہنت نہیں۔ آج بعض اکابر دیوبند کے افکار کا رجحان زیادہ تر بریلویت کی طرف ہے۔ وہ اہل توحید اور اصحاب سنت سے زیادہ اہل بدعت کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ورسولہٗ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین۔

ان حضرات کے مقاصد کا تجزیہ

۱- حنفیت کے باوجود یہ حضرات فقہی جمود اور عصبیت کو قطعاً ناپسند کرتے ہیں۔

۲- ائمہ کے اختلافی مسائل میں یہ حضرات وسیع القلب ہیں۔ کسی طرح بھی عمل کیا جائے انہیں ناگوار نہیں ہوتا۔

۳- بدعات کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے خلاف سخت انکار فرماتے ہیں۔

۴- شیعہ حضرات سے سمجھوتے کے قائل نہیں تاوقتیکہ صحابہؓ کے متعلق وہ اپنی رائے بالکلیہ نہ بدل لیں۔ مجدد صاحب کے رسائل اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (از شاہ ولی اللہ صاحبؒ) اور تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبد العزیزؒ) اس

کے شاہد ہیں۔ ان کتابوں میں شیعہ حضرات پر انتہائی معقول تنقید فرمائی ہے۔ اہانت نہیں کی۔

۵۔ تصوف سے بہت متاثر ہیں لیکن اس راہ کی بدعی رسوم سے انتہائی متنفر

۶۔ وہ اہل سنت کے دو فریق سمجھتے ہیں۔ اہلحدیث اور اہل الرائے دونوں اہل سنت ہیں لیکن شاہ صاحب فقہائے اہل حدیث کی راہ کو زیادہ پسند فرماتے ہیں جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ آئے گا۔

شیخ ابو منصور عبد القاہر دمشقی نے بھی "الفرق بین الفرق" میں متعدد مقامات پر اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں کو اہل سنت قرار دیا ہے۔

علامہ عبد الکریم شہرستانی کا بھی یہی حال ہے۔

۷۔ یہ جماعت سیاسی سربراہی کی خواہش مند نہیں لیکن اگر لا دینیت بر سر اقتدار آنا چاہیے یا آ جائے تو وہ ایسے سیاسیین سے جہاد کرنا پسند کرتے ہیں، جھکنا گوارا نہیں کرتے۔

حضرات دہلی کے نظریات

شاہ صاحب امت میں دو جماعتوں کی روش کو فی الجملہ صحیح سمجھتے ہیں اور غلو کو ناپسند کرتے ہیں اور کسی کے لئے شخصی طور پر تعصب پسند نہیں فرماتے:

"باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتوی بر دو وجہ بودند۔ یکے آنکہ قرآن وحدیث و آثار صحابہ جمع مے کردند واز انجا استنباط مے نمودند دریں طریقہ اصل راہ محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمع از ائمہ تنقیح وتہذیب آں گروہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا۔ پس مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں از ہماں

قواعد طلب می کردند وایں طریقہ اصل راہ فقہاء است و غالب
بر بعض سلف طریقہ اولیٰ بود و بر بعض آخر طریقہ ثانیہ" اھ
(مصفیٰ ص۴ ج ۱)

" سلف میں استنباط مسائل کے متعلق دو طریق تھے۔ پہلا یہ تھا
قرآن و حدیث اور آثار صحابہؓ جمع کئے جائیں اور انھیں اصل قرار
دے کر پیش آمدہ مسائل پر ان کی روشنی میں غور کیا جائے یہ محدثین
کا طریق ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ائمہ کے منقح اور مہذب کیے
ہوئے کلیہ قواعد کو اصل قرار دیا جائے اور پیش آمدہ مسایل کا حل
انہیں سے تلاش کیا جائے اور اصل ماخذ کی طرف توجہ کی ضرورت
نہ سمجھی جائے۔ یہ فقہاء کا طریقہ ہے۔ سلف سے ایک کثیر گروہ
پہلے طریق کا پابند ہے اور ایک گروہ دوسرے طریق کا"

پھر ان دونوں طریقوں کا تفصیلی اور ان کے طریق عمل کی پوری وضاحت
حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے۔ حدیث کی جمع وکتابت پھر تدوین و تالیف کا تذکرہ
فرمایا ہے۔ پھر فقہائے محدثین کا تذکرہ فرمایا ہے:

فرجع المحققون منهم	محققین اہل حدیث نے فن روایت
بعد احكام فن الرواية ومعرفة	میں پختگی اور مراتب حدیث سے
مراتب الحديث الى الفقه فلم	پوری معرفت پیدا کی اور فقہ کی
يكن عندهم من الرای	طرف توجہ کی۔ لیکن ان کا یہ طریق نہ
ان يجمع على تقليد رجل	تھا کہ اس معاملہ میں گذشتہ بزرگوں
ممن مضى مع ما يرون	سے کسی خاص شخص کی تقلید پر اتفاق
من الاحاديث والآثار	کرلیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان

المتناقضة فی کل مذھب من تلك المذاھب فاخذ ما یتبعون احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم واثار الصحابة والتابعین و المجتھدین علی قواعد احکموھا فی نفوسھم	مروجہ مذاہب میں احادیث اور آثار متناقض موجود ہیں اسلیئے انہوں نے احادیث اور ائمہ مجتہدین کے علوم پر اپنے قواعد کی روشنی میں غور کیا۔" (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۱۹ ج ۱)

اس کے بعد شاہ صاحب نے مختصر طور پر محدثین کے ان قواعد کا بھی تذکرہ فرمایا ہے جو ان کے نزدیک تطبیق بین النصوص یا استنباط مسائل کے لیے معیار ہیں۔ یہ قواعد حضرت عمرؓ کے ایک اثر کی تعمیل میں مرتب کئے گئے ہیں قاضی شریح فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا :

" اگر کوئی مسئلہ اللہ کی کتاب میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کسی کے کہنے پر اس سے صرف نظر مت کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر غور کرو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو لوگوں کے عمومی عمل کو دیکھو اور اسکے مطابق عمل کرو۔ اگر کوئی معاملہ ان تینوں طریقوں سے طے نہ ہو سکے تو اس کا فیصلہ یا تو اجتہاد سے کرو یا پیچھے ہٹ جاؤ اور میری دانست میں تاخیر زیادہ مناسب ہے"۔ (دارمی)

دوسرے گروہ (اہل الرائے) کے ذکر میں فرماتے ہیں :-

"یہ لوگ سوالات کی کثرت اور فتووں سے نہیں گھبراتے لیکن حدیث کی روایت سے گھبراتے ہیں - کہیں الفاظ میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔ ان کا خیال ہے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہے - اس کی اشاعت ضروری ہے"

آخر میں فرماتے ہیں :-

ان حضرات کی نظر میں فقہ، حدیث اور مسائل کی تدوین دوسرے طریق سے ہوئی - کیونکہ ان کے پاس حدیث اور آثار کا سرمایہ اس قدر نہیں تھا - جس کی بنا پر وہ ان اصولوں پر اعتماد کر سکتے جن پر علماء اہلحدیث نے اعتماد کیا ہے - نہ مختلف ممالک کے سابقہ علماء کے اقوال اُنکی نگاہ میں تھے - جس سے شرح صدر کے ساتھ استنباط کرتے - اور اپنے اکابر پر انہیں بیحد اعتماد تھا - اس لیے وہ ان کے طے کردہ اُصولوں پر زیادہ یقین رکھتے تھے - غرض یہ حضرات استنباط میں کتاب و سنت کی جگہ اپنے گذشتہ بزرگوں کے ارشادات پر اعتماد کرتے اور انہی کی روشنی میں مسائل کو حل فرماتے۔

اس دور کے بعد معاملہ اور بھی بگڑ گیا اور ایک ایسا گروہ سامنے آگیا جس کا تذکرہ شاہ صاحب ان لفظوں میں فرماتے ہیں :-

ومنها انهم اطمأنوا بالتقليد	وہ لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور
ودب التقليد في صدورهم	تقلید ان کے رگ وریشہ میں
دبيب النمل وهم لا يشعرون۔ اھ	پیوستہ ہو گئی -

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۳ ج ۱)

شاہ صاحب نے اس انحطاط کی متعدد وجوہ لکھی ہیں :-

۱- فقہاء کا باہم اختلاف اور مزاحمت، جسکا انقطاع کسی پہلے بزرگ کے حوالہ کے

بغیر نہ ہو سکا۔

۲- رؤسا کی جہالت اور علماء کا حدیث اور تخریج سے ناآشنا ہونا۔

۳- دور از کار فرضی مسایل میں تعمق وغیر ذالک۔

اس کے نتائج کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

"اس کے نتیجہ میں جہالت۔ اختلاط شکوک اور اوہام پیدا ہو گئے جس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں رہی۔ پھر مدتوں خالص تقلید ہی انکا شیوہ رہا اور حق و باطل کا امتیاز جاتا رہا اور فقہ محض جھگڑے اور باتیں بنانے کا نام رہ گیا اور محدث چند غلط سلط احادیث نقل کر دینے کا نام رہ گیا"

آخری الفاظ سنئے :

ولم یات قرن بعد ذالك الّا هو اكثر فتنة واوفر تقليد او اشد انتزاعًا للامانة من صدور الرّجال حتى اطمأنوا بترك الخوض فی امر الدين وبان يقولوا انا وجدنا اٰبائنا علىٰ امة وانا علىٰ اٰثارهم مقتدون والى الله المشتكىٰ اه (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۳ ج ۱)

ان تصریحات کا نتیجہ :

۱- اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں مکتب فکر ہیں اور دونو اہل علم میں رائج ہیں۔

۲- شاہ صاحب کے خیال میں اہلحدیث اور اہل الرائے اس آخری دور میں اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہیں۔

۳- متاخرین اہل الرائے میں استدلال اور استنباط کی بجائے تقلید اور جمود آ گیا ہے یہ شاہ صاحب کی نظر میں نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

۴- اہلحدیث نے بھی حدیث کی طرف بے توجہی کی ہے وہ تقریباً اسے ایک رسم

کے طور پر کر رہے ہیں۔ استنباط اور اجتہاد کے نقطۂ نظر سے نہیں کرتے، اور نہ تفقہ کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کا مقصد

شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ دونوں گروہ حقیقت پسندی سے کام لیں — اور اہل الرائے اکابر کی بجائے کتاب وسنت کو اساس قرار دیں اور اہل حدیث ظاہریت سے بچکر تفقہ سے کام لیں۔ ملاحظہ ہو تفہیمات جلد اوّل ص ۲۰۹

ومنها انی اقول لهؤلاء	میں ان نام کے فقہاء سے کہتا ہوں جن
المسلمین انفسهم با	میں تقلید کی وجہ سے انتہائی جمود آچکا
لفقهاء الجامدین علی التقلید	ہے۔ جب ان کو صحیح حدیث پہنچتی ہے
یبلغهم الحدیث من احادیث	جو اُمت میں معمول بہا ہے لیکن وہ صرف
النبی صلی الله علیه وسلم	ان لوگوں کی تقلید کی وجہ سے بہ حدیث
باسناد صحیح وقد ذهب الیه	جن کے مسلک کے خلاف ہے اس
جمع عظیم من الفقهاء المتقدمین	حدیث کا انکار کر دیتے ہیں، اور ان
ولا یمنعهم الا التقلید	ظاہری حضرات سے بھی کہتا ہوں جو
لمن یذهب الیه وهؤلاء	ائمہ دین اور چوٹی کے فقہاء کا انکار کرتے
الظاهریة المنکرین للفقهاء الذین	ہیں۔ تم دونوں فریق غلط راہ پر جارہے
هم طراز حملة العلم وائمة اهل الدین	ہو۔ یہ کم فہمی کی راہ ہے اور حق، ان
انهم جمیعاً علی سفاهیة وبخافتة رای	دونوں کے بین بین ہے۔" اھ
وضلالة وان الحق بین بین۔	

دونوں فریق پر کس صاف گوئی سے تنقید فرمائی اور جمود توڑنے کے لیے کس

قدر واضح راہ بتلائی ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ؛
اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ :

واشہد للہ باللہ ان کفر باللہ	میں اللہ کے نام سے اس کی قسم کھاتا
ان یعتقد فی رجل من الامۃ	ہوں کہ امت کے کسی آدمی کے جو
ممن یخطی و یصیب ان اللہ	خطا اور ثواب دونوں کا مرتکب ہو
کتب علی اتباعہ حتماً وان	سکتا ہے یہ خیال کرنا کہ اسی کا
الواجب علی ھو الذی یوجبہ	اتباع واجب ہے اور جسے یہ واجب
ھذا الرجل وان الشریعۃ الحقۃ	کہے وہی امر واجب ہے یہ اللہ تعالیٰ
قد ثبت قبل ھذا الرجل بزمان	کے ساتھ کفر کے برابر ہے کیونکہ
الخ اھ	شریعت اس شخص سے کہیں پہلے
(تفہیمات جلد (۱) ص۲۱۱)	موجود ہے۔" اھ

شاہ صاحب نے یہاں تقلید شخصی اور جمود کو کفر باللہ سے تعبیر فرمایا ہے ۔ وہ کسی شخص کے حق کو اس مسئلہ میں تسلیم نہیں فرماتے ۔ تقلید سے جو ذہنی انقباض ہوتا ہے اور قوتِ فکری راہ میں جو رکاوٹ پیدا ہوتی ہے ۔ اس کے متعلق اور کھل کر فرماتے ہیں :۔

وتری العامۃ سیما الیوم فی کل	" ہر علاقے میں عوام ایمہ متقدمین سے
قطر یتقیدون بمذھب من	کسی نہ کسی مذہب کے مقلد اور پابند
مذاھب المتقدمین یرون	ہیں ۔ کسی ایک مسئلہ میں بھی وہ اختلاف
خروج الانسان من مذھب من	کرنا نہیں چاہتے ۔ گویا وہ امام نبی ہے
قلدہ ولو فی مسئلۃ کالخروج من	اور ان پر اس کی اطاعت واجب
الملۃ کانہ نبی بعث الیہ	ہے ۔"

وافترضت طاعته علیه وکان اوایل الامۃ قبل المائۃ الرابعۃ

غیر متقیدین بمذھب واحد اھ (تفہیمات ج ۱ ص ۱۵۱)

تفہیمات جلد ۱ ص ۲۱۴ میں لہجہ ذرا اور سخت ہوگیا۔ اس میں صوفیوں اور علماء کا تذکرہ اس جلال سے فرماتے ہیں:

نحن لا نرضی بھؤلاء الذین	"ہم نہ تو ان صوفیوں کو پسند کرتے
یبایعون الناس لیشتروا بہ	ہیں جو دنیا کے لئے لوگوں سے بیعت
ثمناً قلیلا او یشوبوا اغراض	لیتے ہیں کیونکہ دنیا کمانے کے لئے
الدنیا یتعلم علم اذ لا تحصل	بھی اصحاب ہدایت سے مشابہت
الدنیا الا بالتشبیہ باھل	ضروری ہے اور نہ ان علماء کو
الھدایۃ ولا بالذین یدعون	پسند کرتے ہیں جو اپنی طرف دعوت
الی انفسھم ویأمرون بحسب	دیتے ہیں، یہ ڈاکو ہیں، جھوٹے
انفسھم ھؤلاء قطاع الطریق	ہیں، خود فتنے میں مبتلا ہیں لوگوں
دجالون کذابون مفتونون	کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں، ان
فتانون ایاکم وایاھم ولا	لوگوں سے بچو اور صرف ان لوگوں کی
تتبعوا الامن دعیٰ الی کتاب	بات قبول کرو جو کتاب و سنت کی
اللہ وسنۃ رسولہ ولم یدع الی	طرف دعوت دیں اور اپنی ذات کی
نفسہ۔ اھ	طرف دعوت نہ دیں۔"

پھر طالب علموں کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوتا ہے:

ورب انسان منکم یبلغہ	"بہت سے لوگوں کو تم سے حدیث
حدیث من احادیث نبیکم	نبوی مل جاتی ہے لیکن وہ اس پر
فلا یعمل بہ ویقول انما	عمل نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں:

عملی علی مذھب فلان لا علی الحدیث ثم اختال بان فھم الحدیث والقضا بہ من شان الکمل المھرۃ وان الائمۃ لم یکونوا ممن یخفی علیھم ھذا الحدیث فما ترکوہ الا الوجہ ظھر لھم فی الدین من نسخ ومرجوجیۃ ۔	میرا مذہب فلاں مذہب پر ہے ۔ پھر بہانہ بناتے ہیں کہ حدیث سمجھنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا کامل اور ماہر لوگوں کا کام ہے ۔ اور ائمہ سے یہ حدیث پوشیدہ نہ تھی ۔ کوئی وجہ ضرور ہوگی جس کی بنا پر ائمہ نے اس پر عمل نہیں کیا “

(تفہیمات ص۲۱۵ ج ۱)

اس کے نتیجہ میں فرماتے ہیں :۔

” یہ قطعاً دین کی بات نہیں تم صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ۔ مذہب کے موافق ہو یا مخالف اللہ کی مرضی یہی ہے کہ تم کتاب وسُنّت کی اطاعت کرو “ الخ

بظاہر شاہ صاحب فقہ حنفی سے مانوس ہیں ۔ ان کا خاندانی مسلک عام طور پر فقہ عراقی ہے لیکن شاہ صاحب چونکہ جمود اور اس توفیقی فقہ سے بیزار ہیں، اس لئے اس فقہی نظام پر بھرپور وار کرتے ہیں ۔ ” قرۃ العینین “ میں شیخین (حضرت ابوبکر رضؓ ، حضرت عمر رضؓ) کے محاسن میں فرماتے ہیں کہ دراصل اختلاف شیخین کے بعد شروع ہوا ۔

” گویا اصل مذاہب اربعہ اجماعیات شیخین افتادہ ، اما ایں سخن	مذاہب اربعہ میں اجماعی مسائل شیخین ہی کے مرہونِ منت ہیں

بکسے کہ سرمایہ علم او بجز قدوری ووقایہ باشد نتواں گفت (قرۃ العینین ص ۱۲۴)	لیکن یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں نہیں آسکتی جن کے علم کا کل سرمایہ قدوری، اور وقایہ ہے"۔

دوسرے مقام پر اسی انداز سے فرماتے ہیں :

ایں نکتہ کسے کہ سرمایہ فقہ او شرح وقایہ ومنہاج باشد نمے تواند دانست آں را عالمے متبحر باید۔ (ص ۱۳۵)	یہ نکتہ شرح وقایہ اور منہاج وغیرہ پڑھنے والے فقہا کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اسکے لئے متبحر عالم کی ضرورت ہے"۔

شاہ صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ متون وشروح فقہ کو جو اعتماد و تفوق حاصل ہوا ہے وہ ایمہ اور ان کتب کے مصنفین کے ساتھ محبت اور ان کے علوم پر یقین سے حاصل ہوا ہے۔ در اصل یہ اعتماد صحابہ اور خصوصاً شیخین پر ہونا چاہیئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

بالکل اسی انداز سے یہ تذکرہ "ازالۃ الخفا" میں آیا ہے۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ فقہی نظام اور یہ تقلید محض شخصی کوششیں ہیں۔ انہیں اساسی طور پر کوئی اہمیت نہیں۔ اس کے وجوب اور فرضیت کی بحث بے معنیٰ اور لاحاصل ہے۔ یہ بزرگ عالم تھے ان کے علوم سے ممکن طور پر استفادہ کرنا چاہیئے۔

اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ البالغہ کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حجۃ اللہ میں تفہیمات کے بعض مجمل مضامین کی تفصیل اور شرح ہے۔

اصولِ فقہ

اِس میں شک نہیں کہ اصُولِ فقہ کی تاسیس اور تدوین علمائے اہلحدیث خصوصاً امام شافعی نے فرمائی ہے اور عموماً اصُولِ قرآن و حدیث اور لُغتِ عرب اور عقلِ سلیم سے اخذ کئے گئے ہیں - امام شافعی کے اس شاہکار کا تذکرہ ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں مرحوم کشف الظنون للکاتب چلپی فہرست ابن ندیم وغیرہ میں ملتا ہے - شاہ ولی اللہ نے بھی یہ تذکرہ حجۃ اللہ ص ۱۱۷ ج (۱) وغیرہ تصانیف میں فرمایا ہے - وَیسے اصُولِ فقہ اور اصُولِ حدیث کی حیثیت منطق کی ہے - حدیث کی تصحیح اور تضعیف میں اصول حدیث اور فقہی جزئیات کی تخریج میں اصُولِ فقہ کو وہی مقام حاصل ہے جو معقولات میں منطق کو - اس فن کی تاسیس گو امام شافعی ہی نے فرمائی ہے لیکن فقہاء حنفیہ کی خدمات اس فن میں قابلِ تعریف ہیں - بلکہ اس فن کی بدولت انہوں نے بانیٔ فن امام شافعی پر بھی بعض مقامات پر کڑی تنقید کی ہے اور سچ یہ ہے کہ فقہ کا کام اور خوبی اصول فقہ ہی سے ہے - شاہ صاحب نے فقہ کے ساتھ اصول فقہ پر بھی تنقید فرمائی ہے اور اس بھرم کی حقیقت کھول دی ہے قرۃ العینین ص ۱۸۶ پر فرماتے ہیں :

وحنفیان برائے احکام مذہب	" اور احناف نے مذہب کی پختگی
خود اصلے چند تراشیدہ اند	کے لئے کچھ اصُول تراشے ہیں -
(۱) الخاص بین فلا یلحقہ	مثلاً خاص بین ہے اسے بیان
البیان (۲) العام قطعی کالخاص	کی ضرورت نہیں - عام بھی خاص
(۳) المفہوم المخالف غیر	کی طرح قطعی الدلالت ہے مفہوم
معتبر الترجیح بکثرۃ	مخالف معتبر نہیں ہے کتاب اللہ

الرواۃ غیر معتبر الزیادۃ علی الکتاب نسخ۔ اھ	پر زیادہ کتاب کا نسخ ہے۔"

بعینہٖ اسی انداز سے شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزی ص۶۲ میں کسی قدر تفصیل سے فرمایا ہے۔ شاہ عبد العزیز کا لہجہ شاہ ولی اللہ صاحب سے زیادہ سخت ہے:

ومن اللطائف التی فلما ظفر بھا جدلی لحفظ مذھبہ مااخترعہ المتاخرون لحفظ مذھب ابی حنیفۃ وھی عدۃ قواعد یردون بھا جمیع ما یحتج بھا علیھم من الاحادیث الصحیحۃ	"متأخرین کے چند گھڑے ہوئے قواعد حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی حفاظت کے لئے جو دنیا کے عجائبات سے ہیں ان قواعد کی بدولت وہ تمام صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں۔"

اس کے بعد شاہ عبد العزیز صاحب نے تقریباً نو قواعد کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں بعض تو وہی ہیں جن کا تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے۔ میں نے بسط اور اطناب سے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے۔ طالب حق کو فتاویٰ عزیزی ص۶۲ ج ۱) کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں کئی جگہ اصولِ فقہ پر شاہ صاحب نے کڑی تنقید فرمائی ہے لیکن باب حال الناس بعد المائۃ الرابعۃ میں تقلید اور اس کے شیوع کی بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وبعضھم یزعمات بناء المذاھب علی ھذہ	"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذاہب کی بنیاد ان مناظرانہ محاورات

الجدلیۃ المذکورۃ فی مبسوط	پر ہے جن کا ذکر مبسوط، سرخسی
والھدایۃ والتبیین ونحو	ہدایہ اور تبیین میں ہے اور یہ
ذٰلک ولا یعلمان اول من	بیچارے نہیں جانتے کہ دراصل
اظھر ذٰلک فیھم المعتزلہ	ان جدلیات کے بانی معتزلہ ہیں"

(صفحہ ۱۲۸ ج ۱)

اس کے بعد اصولِ فقہ کے متعدد قواعد اور ان کا حدیث کے انکار میں جو اثر پڑتا ہے ذکر فرمایا ہے - پھر پورے جلال کے ساتھ ان قواعد پر معارضات عاید فرماتے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ احناف خود بھی ان قواعد کے پابند نہیں - یہ بحث کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے - حق پسند طالب علم کو ان مقامات کا مطالعہ پورے غور سے کرنا چاہیئے -

اس وقت گذارش کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب جس طرح فقہی جزئیات کو دین اور شریعت نہیں سمجھتے - اسی طرح وہ اصولِ فقہ کو بھی لازوال اور دائمی نہیں سمجھتے - یہ محض علمی کوششیں ہیں جو علماء نے اپنے مسالک کو بچانے کے لئے کی ہیں - نہ فروع کے انکار سے کفر لازم آتا ہے - نہ اصول فقہ کے انکار سے دیانت میں خلل لازم آتا ہے -

فروع کے متعلق شاہ صاحب کی روش :

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے رفقاء عقاید، اصول اور فروعی مکاتب فکر کے التزام میں جس طرح جمود کو پسند نہیں فرماتے - وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی پابندی کے بغیر مذاہب اربعہ اور ائمہ حدیث کے مسائل پر عمل کیا جائے - اور بظاہر حنفی ہونے کے باوجود وہ محدثین اور شوافع کے معمولات کو ترجیح دیتے

اور پسند فرماتے ہیں۔

اس وقت ابنائے دیوبند سے بڑی کثرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ مگر ان کی روش اور ان کا عمل شاہ صاحب، ان کے رفقاء، اور خاندان کے نظریات کے بالکل خلاف ہے۔

آج کا دیوبند، بریلویت سے چنداں مختلف نہیں۔ اختلافات لفظی قسم کے رہ گئے ہیں۔

آگے آنے والی گذارشات سے معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب فروع میں کسقدر وسیع الظرف تھے اور دیوبند کی موجودہ پود میں کس قدر تنگ ظرفی اور انقباض ہے وہ اپنے خلاف کوئی چیز سننا پسند نہیں کرتے اور شاہ صاحب شافعی مکتب فکر پر عمل سے پرہیز نہیں فرماتے۔

حدیث قلتین

پانی کی طہارت کے متعلق شوافع اور احناف میں بے حد اختلافات ہیں۔ قلتین کی حدیث کو ان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ احناف اسے مضطرب فرماتے ہیں۔ شوافع اسے صحیح سمجھتے ہیں اور معذرت فرماتے ہیں کہ قدماء احناف اور موالک پر ایسی احادیث مخفی رہیں یا فہم مراد میں ان حضرات سے تسامح ہوا۔

ومثاله حديث القلتين فانه حديث صحيح روى بطرق كثيرة الخ (حجۃ اللہ ص۱۴۰ جلد ۱)	قلتین کی حدیث صحیح اور متعدد طرق سے مروی ہے۔

گویا طہارت کے مسائل پر اس حدیث کی وجہ سے جو شبہات واقع ہوتے تھے شاہ صاحب ان کا فیصلہ شوافع کے حق میں دیتے ہیں اور احناف و موالک کی

طرف سے معذرت فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور میں یہ حدیث عام نہیں ہوئی۔

امام کے پیچھے فاتحہ

ائمۂ احناف اور شوافع کے نزدیک امام کی اقتداء میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق نزاع مشہور ہے۔ بیسیوں رسائل اس موضوع پر شائع ہوئے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وان کان ماموماً وجب علیه	"مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے
الانصات والاستماع فان	پیچھے خاموشی سے سنے۔ اگر
جہر الامام لم یقرا الا عند	امام آواز سے پڑھے۔ اگر امام
الاسکاتة وان خافت فله	آہستہ پڑھ رہا ہو۔ تو مقتدی
الخیرة فان قرأ فلیقرأ بفاتحة	جس طرح چاہے پڑھے لیکن
الکتاب قراءة لایشوش علی	اس طرح پڑھے کہ امام کی قرأت
الامام وهذا اولی الاقوال	میں تشویش اور پریشانی نہ ہو۔"

عندی وبه یجمع بین احادیث الباب۔ (حجۃ اللہ ص ج ۲)

شاہ صاحب کے ارشادات میں اعتدال ہے۔ دونوں فریق کے تشدد کو شاہ صاحب پسند نہیں فرماتے۔

رفع الیدین اور وتر

رکوع وغیرہ میں رفع الیدین اور وتروں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہے

والحق عندی فی مثل ذالك	میرے نزدیک حق یہ ہے کہ رفع
ان الکل سنة ونظیرہ	یدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں

الوتر برکعۃ واحدۃ وثلث	اسی طرح ایک رکعت اور تین رکعت
والذی یرفع احب الی ممن لا	وتر پڑھنے والا۔ اور رفع الیدین
یرفع فان حدیث الرفع اکثر	کرنے والا مجھے نہ کرنے والے سے
واثبت غیر انہ لا ینبغی لانسان	زیادہ پسند ہے کیونکہ رفع یدین
فی مثل ہذہ الصورۃ ان یثیر	کی احادیث زیادہ ہیں اور صحیح
علٰے نفسہ فتنۃ عوام بلدہ	ہیں لیکن انسان کو ایسے اعمال کی
(حجۃ اللہ ص ج ۲)	وجہ سے اپنے خلاف ہنگامہ بپا
	نہیں کرانا چاہیئے۔

(خدا کا شکر ہے کہ ہنگاموں کا موسم گذر گیا)

ظاہر ہے عوام میں ان اعمال کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور خواص اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اب وہ سلسلہ بحمد اللہ ختم ہو گیا۔

زیارت قبور کے لئے شد رحال

عوام میں مروج ہے کہ بزرگوں اور استھانوں کی زیارتوں کے لئے دور دراز کے سفر کرتے ہیں اور حج کے شعائر کی طرح ان زیارتوں کی پابندی کرتے ہیں ۔۔۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والحق عندی ان القبر ومحل	حق یہ ہے کہ قبر ولی کی عبادت گاہ
عبادۃ ولی من الاولیاء والطور	اور طور پہاڑ وغیرہ نہی میں برابر
کل ذالک سواء فی النہی واللہ	ہیں۔ کسی کے لئے بالاستقلال
اعلم	سفر درست نہیں۔ آنحضرت
(حجۃ اللہ ص ۱۵۳ ج ۱)	صلے اللہ علیہ وسلم نے شد رحال

زیارت پسند دیوبندی اور بریلوی حضرات اس مسئلہ میں بڑی طعن آمیز گفتگو کرتے ہیں لیکن شاہ صاحب وہی فرماتے ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور دوسرے ائمہ توحید نے فرمایا ہے۔

وضو کے نواقض

وضو کے نواقض میں فقہاء مختلف ہیں۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

واصل موجب الوضوء الخارج	وضو ٹوٹنے کا اصل سبب وہی
من السبیلین وما سوی ذٰلک	ہے جو سبیلین سے نکلے — باقی
محمول علیہ (حجۃ اللہ ص۱۳۹ ج ۱)	اس پر محمول ہیں۔"

وتر

وتروں کے متعلق اختلاف ہے۔ فقہائے حنفیہ واجب کہتے ہیں، اور ائمۂ حدیث سُنت۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

والحق ان الوتر سنۃ ھو	وتر سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت
اوکد السنن بینہ علی و	علی، ابن عمر اور عبادہ بن صامت
ابن عمر وعبادۃ الصامت	سے یہی منقول ہے۔
(حجۃ اللہ ص۱۳ ج ۲)	

قنوت

فقہاء احناف قنوت کو وتروں میں واجب سمجھتے ہیں اور شوافع صبح کی نماز میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

واختلفت الاحادیث و	صبح کی قنوت کے متعلق احادیث
مذاھب الصحابۃ والتابعین	میں اور صحابہ اور تابعین کے
فی قنوت الصبح وعندی	مذاہب مختلف ہیں (شاہ صاحب

ان القنوت وترکه سیان ومن لم یقنت الا عند حادثة عظیمة او کلمات یسیرة اخفاء قبل الرکوع احب الی لان الاحادیث شاهدة علی ان الدعاء علی رعل وذکوان کان اولا ثم ترك وهذا ان لم یدل علی نسخ مطلق القنوت لکنها تومی الی ان القنوت لیس مستقرة - اھ

(حجۃ اللہ ص۹ ج ۲)

فرماتے ہیں) قنوت پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں اور اہم حوادث پر چند کلمات پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ قبیلہ رعل و ذکوان پر بددعا ترک کر دی گئی۔ اس سے گو علی الاطلاق قنوت کا ترک ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ واضح ہے کہ یہ مستقل، اور دائمی سنت نہیں۔"

جمع بین الصلوٰتین

عذر کی وجہ سے نماز جمع کرنے کے متعلق ایمہ میں اختلاف ہے۔ فقہائے احناف نہ جمع تقدیم کے قایل ہیں نہ جمع تاخیر کے اور جمع صوری درحصل جمع ہی نہیں بلکہ جمع کی صورت ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں: نماز کے دراصل تین ہی وقت ہیں۔ عصر ظہر سے نکال لی گئی اور عشاء مغرب سے اخذ کر لی گئی۔ تاکہ دو نمازوں میں فاصلہ کم ہو اور نیند سے پہلے ہی ذکر سے غفلت نہ ہو۔

فشرع لهم جمع التقديم والتاخير لكنه لم يواظب عليه ولم يعزم عليه مثل ما فعل في القصر اھ (حجۃ اللہ ص۱۸ ج ۲)

شارع حکیم علیہ السلام نے جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کی اجازت دے دی لیکن نہ اس پر ہمیشگی کا حکم دیا نہ اس پر تاکید فرمائی جیسے نماز قصر کے لئے تاکید نہیں فرمائی۔

تکبیراتِ عیدین

عید کی تکبیرات اور نماز عید کی ترتیب میں فقہائے اہل حدیث میں اختلاف ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

يكبر في الاولى سبعا قبل القراءة والثانية خمسا قبل القراءة عمل الكوفيان ان يكبر اربعا كتكبير الجنائز في الاولى قبل القراءة وفي الثانية خمسا بعدها وهما سنتان وعمل الحرمين ارجح اھ (حجۃ اللہ ص۲۳ ج ۲)

پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے (طریقہ اہل الحرمین) علماء کوفہ کا خیال ہے کہ جنازہ کی طرح پہلی میں چار تکبیرات قرأت سے پہلے اور دوسری میں پانچ قرأت کے بعد۔ اور اہل حرمین کا عمل راجح اور بہتر ہے۔

"دہ در دہ" پانی

فقہائے حنفیہ اور فقہائے شوافع میں ماء کثیر کے متعلق اختلاف ہے۔

متاخرین فقہائے احناف اس کی مقدار دہ در دہ فرماتے ہیں اور شوافع قلتین بتاتے ہیں۔ پھر اگر کنواں پلید ہو جائے تو اسے پاک کرنے کے لئے ڈولوں کی مقدار کے متعلق عجیب قیاسی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وبالجملۃ لیس فی ھذا الباب شئ یعتد بہ ویجب العمل بہ

(حجۃ اللہ ص۱۴۷ ج ۱)

"ان مسائل میں کوئی واجب العمل اور قابلِ اعتماد چیز نہیں ہے"

پھر فرماتے ہیں:

وقد اطال القوم فی فروع موت الحیوان فی البیر والعشر والماء الجاری لیس فی کل ذالک حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ اللہ ص۱۴۷ ج ۱)

"کنوئیں میں جانور مرنے اور دہ در دہ اور ماء جاری کے مسایل میں علماء نے طویل گفتگوئیں کی ہیں لیکن ان میں کسی کے متعلق بھی قطعاً کوئی حدیث نہیں ہے"

حجۃ اللہ، مصفیٰ اور مسوی میں اور بھی کئی فروعی مسایل ہیں — جن میں شاہ صاحب نے نہایت ہی وسعت ظرف سے اپنا رجحان فقہائے حدیث اور شوافع کی طرف فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ خشک حنفیت اور جامد عصبیت کو شاہ صاحب قطعاً پسند نہیں فرماتے اور نہ ہی قدماء احناف میں اس قسم کا جمود پایا جاتا تھا۔ یہ جمود چوتھی صدی سے شروع ہو کر آٹھویں نویں صدی تک عروج پر پہنچا۔ بدعت سے روکنے کی اصل راہ اتباع سلف ہے۔ ایمہ کی تقلید نے بھی بدعت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کا جمود آگیا۔ اتباع سلف اور صحابہ کی مختلف رائیں اور ان کے فتووں میں مصالح کی بناء پر تنوع ہے اس لئے وہاں جمود نہیں آسکتا۔

چار مصلّے

برقوق چرکسی نے حرم بیت اللہ میں ایمہ اربعہ کے نام سے چار مصلے قائم کئے تھے۔ غالباً یہ عمل ۸۰۷ ھ کے لپس وپیش میں ہوا۔ اسوقت بھی علمائے حق نے اس تفریق کی مخالفت کی لیکن حکومت اس تفریق کے احترام پر مصر رہی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ علے العموم ایک دوسرے کی اقتداء متروک ہوگئی۔ حنفی جماعت ہو رہی ہو توشوافع اور حنابلہ بے پرواہو کر بیٹھے رہتے۔ گویا یہ اذان اور نماز ان کے لئے قائم ہی نہیں ہوئی۔ یہی حال ان کے ساتھ احناف کرتے۔ حرم کعبہ میں اس بدعت کے احداث سے ساری دنیائے اسلام میں اس کا اثر ہوا۔ ایمہ کے اتباع ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں :

وخدائے تعالےٰ بے خبرنیست از آنچہ در زمان آیندہ عمل خواہید کرد از راہِ بدعت یک یک جہت از جہات کعبہ تقسیم خواہید و در ترجیح وتفضیل جہتِ مختار خود ہر کس خواہد آورد۔ مثلاً حنفیہ جہت جنوب را اختیار خواہند کرد و امام ایشاں جانب شمال کعبہ خواہند استاد و درمقام خواہند گفت کہ قبلۂ ما قبلۂ ابراھیمی است زیرآنکہ آنجناب جانب میزاب متوجہ می شدند۔ وشافعیہ غرب را اختیار خواہند کرد و

سلہ شکر ہے کہ بیت اللہ کی جدید تعمیر میں سلطان سعود بن عبدالعزیز نے یہ مصلے بالکل ختم کر دیئے ہیں۔ اب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء کرتے ہیں۔ مختلف جماعتیں نہیں ہوتیں اب یہ بدعت ختم ہوگئی والحمد للہ رب العالمین ۱۲

امام ایشاں در شرق کعبہ خواہد استاد و در مقام فخر خواہند گفت با استقبال باب کعبہ مے نمائیم وقبلہ ما قبلہ منصوصہ - اھ

(تفسیر فتح العزیز ص۴۱۵ ج۱)

" اللہ تعالٰے کو معلوم ہے کہ تم آئندہ ایک بدعت کرو گے اور اطراف کعبہ کو تقسیم کر کے اس پر فخر کرو گے - احناف جنوب کی طرف کھڑے ہوں گے - ان کا رُخ شمال کیطرف ہوگا وہ فخر کرینگے کہ ہمارا قبلہ ابراھیمی ہے - شوافع مغرب کی طرف کھڑے ہو کر مشرق کی طرف رُخ کریں گے اور فخر سے کہیں گے کہ ہمارا قبلہ میزاب کے سامنے ہے ، یہی سمت مخصوص ہے "

شاہ صاحب ان مصلّوں کی تقسیم کو بدعت سمجھتے ہیں اور اسلام میں اس تقسیم کو ناپسند فرماتے ہیں -

ائمہ کی تقلید اور ان کی اطاعت کا مسئلہ اپنی جگہ پر قابل بحث ہے اگر مروّجہ تقلید کے جواز میں کوئی سہارا مل بھی جائے تو ائمہ رحمہم اللہ کے نام پر یہ تفریق کبھی درست نہیں ہو سکتی - برقوق جیسے مسرف بادشاہ سے یہی امید ہو سکتی تھی - تفریق بین المومنین کا مزید بوجھ اس کی گردن پر ہوگا اور اسی طرح ان علماء پر جنہوں نے اسے سندِ جواز عطا کی - وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون -

شاہ صاحب کا مقصد

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ جمود غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے ؟ شاہ صاحب موجودہ حالات میں کیا تبدیلی چاہتے ہیں ؟ قیاس اور رائے پرستی بھی انہیں پسند نہیں اور ظواہر پرستی بھی ان کی نگاہ میں معیوب ہے تو پھر وہ کیا ہے جسے پسند کیا جائے

اس معاملہ میں شاہ صاحب اپنا عذر بہ حلف مؤکد کے ساتھ بیان فرماتے ہیں :

واشہد للہ باللہ انہ کفر
باللہ ان یعتقد فی رجل من
الامۃ ممن یخطی ویصیب
ان اللہ کتب علی اتباعہ حتما
وان الواجب علی ھو الذی
یوجبہ ھذا الرجل علی و
لکن الشریعۃ الحقۃ قد
ثبت قبل ھذا الرجل بزمان
قد وعاھا العلماء واداھا
الرواۃ وحکم بھا الفقہاء
وانما اتفق الناس علی تقلید
العلماء علی معنی انہم رواۃ
الشریعۃ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وانہم اشتغلوا
بالعلم مالم نشتغل فلذلک
قلدوا العلماء فلو ان حدیثا
صح وشہد لصحتہا المحدثون
وعمل بہ ھؤلاء کان
متبوعہ لم یقل بہ فھذا
ھو الضلال البعید اھ

میں اللہ کے لئے اللہ کی قسم
کھاتا ہوں کہ امت میں کسی ایسے
آدمی کے متعلق جو غلطی بھی کرتا ہو
اور صحیح بھی کہتا ہو ۔ یہ عقیدہ رکھنا
کہ اس کی اطاعت ضروری ہے
اور جسے وہ واجب کہے اسے
واجب سمجھنا ضروری ہے ۔ یہ
قطعاً کفر ہے ۔ کیونکہ شریعت
اس شخص سے مدتوں پہلے سے
موجود ہے ۔ علماء نے اسے حفظ اور
ضبط کیا اور رواۃ نے اسے بیان
کیا ۔ فقہا نے اس کے مطابق
فیصلے فرمائے ۔ لوگوں نے علماء
کی تقلید کو صرف اس لئے متفقہ
طور پر قبول کیا ۔ کہ وہ درحقیقت
شریعت کے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم سے راوی ہیں اور علم
ان کا مشغلہ ہے اور وہ ہم سے
زیادہ جانتے ہیں لیکن اگر حدیث
صحیح ہو ، محدثین اسکی صحت کے

شاہد ہوں۔ عامۃ المسلمین نے اس
پر عمل کیا ہو۔ معاملہ واضح ہو چکا ہو
پھر اس پر صرف اس لئے عمل نہ کیا
جائے کہ امام یا متبوع نے اسکے مطابق
فتوائے نہیں دیا، بہت بڑی گمراہی ہے

شاہ صاحب کا ارشاد کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں۔ وہ تقلید کے صرف اس حد تک قایل ہیں کہ اہلِ علم کتاب و سنت سے روایت کرتے ہیں۔ علمی مشاغل کی وجہ سے ان کی معلومات زیادہ ہیں۔ عوام ان کی معلومات سے استفادہ کر سکیں۔ صحیح حدیث کا علم جب صحیح ذرائع سے پہنچ جاتے تو علماء کے ساتھ تقلیدی وابستگی کا تعلق یکسر ختم ہو جائے گا اور حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے کسی عالم کے لیے تعصب یا اس کی حمایت کے لئے تاویل کے دروازوں کا کھول دینا، شاہ صاحب کی نگاہ میں بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس انداز کو وہ کسی طرح بھی پسند نہیں فرماتے۔

اس مقصد کے لئے دُوسری راہ

شاہ صاحب کی تجویز یہ ہے کہ اس فقہی جمود کو توڑنے کے لیے مختلف ممالک کو باہم آمیز کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ مصالح اور ان کے تقاضوں کی روشنی میں بعض مسایل میں حنفی مسلک فکر اختیار کیا جائے اور بعض میں شافعی مسلک کو قبول کر لیا جائے، فرماتے ہیں:

ونشاء فی قلبی داعیۃ من	ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل
جہۃ الملاء الاعلیٰ تفصیلھا	میں ڈالا گیا کہ امام ابوحنیفہ رح

ان مذهب ابي حنيفة و الشافعي هما مشهوران في الامة المرحومة وهما اكثر المذاهب تبعا وتصنيفا وكان جمهور الفقهاء و المحدثين والمفسرين والمتكلمين والصوفية متمذهبين بمذهب الشافعي وجمهور الملوك وعامة اليونان متمذهبين بمذهب ابي حنيفة و ان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلى اليوم ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة في حديث النبي صلى الله عليه وسلم من الفريقين فما كان موافقا بها يبقى ومالم يوجد اصله يسقط الخ

(تفہیمات ص۲۱۲ ج۱)

اور امام شافعیؒ دونوں ائمہ کے مذاہب اُمت میں مشہور ہیں اور کثرت اتباع اور کثرت تصنیف کے لحاظ سے مشہور ہیں اور جمہور فقہا اور محدثین، مفسرین اور متکلمؒ اور صوفی شافعی مذہب کے پابند تھے اور اکثر بادشاہ اور یونان کے رہنے والے حنفی مسلک کے پابند تھے اور ملاء اعلیٰ کی نظر میں حق اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کی جزئیات کو مکتب حدیث پر پیش کیا جائے اور معلوم ہے کہ دونوں مذاہب کے اہل علم نے فن حدیث میں تصنیفات کی ہیں جو مسائل حدیث کے موافق ہوں قبول کر لیے جائیں اور جنکا اصل حدیث سے نہیں ہے انہیں کلیتہً ساقط کر دیا جائے - اور نقد و نظر کے بعد جن مسائل میں اتفاق پیدا ہو جائے انہیں دانتوں میں تھام لیا جائے۔ اگر

اختلاف ہو تو انہیں دو قول تصوّر کر لیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے۔ یہ اختلافات قرأت قرآن کی طرح سمجھا جائے یا رخصت اور عزیمت پر محمول کیا جائے یا تنگی سے نکلنے کے لئے دو راہیں اختیار کر لی جائیں یا دونوں کو مباح سمجھا جائے اور معاملہ اس سے آگے نہیں جانا چاہیئے۔"

شاہ صاحب نے حنفیت کی کثرت ہندوستان میں دیکھی اور شوافع کی اکثریت انہیں حجاز میں نظر آئی۔ اس لیے انہوں نے ان دونوں میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس فرمایا۔ اگر شاہ صاحب نجد اور سوڈان میں حنبلیہ اور مالکیہ کو ملاحظہ فرما لیتے تو ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دیتے، اور ان کے ساتھ اتحاد کو ضروری سمجھتے۔ اگر ان مسالک میں اتحاد دین کے کسی تقاضا کو پورا کر سکتا ہے تو مذاہب اربعہ میں اتحاد کی کوشش اور آرزو یقیناً اس تقاضا کو پورا کرے گی اور شاہ صاحب ان مصالح کو اسلام کی رُوح تصوّر فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہی افکار کا جمود شاہ صاحب کے ذہن پر ایک بوجھ ہے جس کے لیے وہ بے حد متفکر ہیں۔ طلباء کو نصیحت اور علوم دین اور علوم دنیا میں تمیز فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

خضتم كالخوض فی استحسانات	"تمہاری توجہ پوری طرح فقہا
الفقهاء من قبلكم ان الحكم	کے استحسانات اور تفریعات کی
ما حكمه الله ورسوله ورب	طرف ہے اور تم نہیں جانتے
انسان منكم بلغه حديث	کہ درحقیقت حکم تو اللہ تعالےٰ
من احاديث نبيكم فلا	کا ہے اور اس کے رسول کا اور
يعمل به ويقول انما العمل	تم میں سے بہت سے لوگوں کو

به مذهب فلان لا علی	آنحضرتؐ کی حدیث پہنچ جاتی ہے
الحدیث ثم اختال بان	لیکن وہ اسے اس لیے قابلِ عمل
فهم الحدیث والفقهاء	نہیں سمجھتا کہ اس کا عمل فلاں
به من شان الکمل المهرة	مذہب پر ہے اور یہ خیال کرتا
وان ائمة لم یکونون ممن	ہے کہ حدیث پر عمل کرنا تو ماہرین
یخفی علیهم هذا الحدیث	اور اصحاب کمال کا کام ہے اور ایمہ
فما ترکوه الا لوجه ظهر	پر کوئی چیز مخفی نہ تھی۔ ان کو اس
لهم فی الدین من نسخ	حدیث کا علم ضرور ہوا ہوگا اور کوئی
موجو جیة۔ اھ	وجہ از قسم نسخ اور مرجوحیت ضرور
تفہیمات	ہوگی ورنہ وہ ضرور اس پر عمل
ج ۱ ص ۲۱۴	کرتے۔"

شاہ صاحب ایمہ کا احترام فرماتے ہیں لیکن ان کی علمی وسعت کے باوجود ان پر اس طرح اعتماد اور حسنِ ظن کو پسند نہیں فرماتے جس سے صحیح حدیث کو نظر انداز کرنے کی نوبت آجائے۔ مروجہ تقلید میں یہی عیب ہے جو شاہ صاحب کے ذہن میں کھٹک رہا ہے۔ وہ طلبار کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حدیث کے متعلق انہیں اس سطح سے اُونچے ہو کر غور کرنا چاہیئے۔

شاہ صاحب کا اپنا مسلک

سابقہ نظریہ سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ضروری سمجھتے ہیں کہ عوام علماء کی اطاعت و اتباع کریں لیکن نہ اس میں پیغمبر کی طرح کسی شخص کا تعین ہو اور نہ جمود کی روح سرایت کرنے پائے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور مصفّیٰ میں اہلحدیث اور

اہل الرائے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر میں ایمہ کوفہ کے سوا باقی ایمۂ اہلِ حدیث ہیں، وہ اپنے اساطین اور اساتذہ کے قواعد کی بجائے استدلال اور اجتہاد کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھتے ہیں لیکن جہاں تک عوام شوافع، موالک اور حنابلہ کا تعلق ہے، وہ بہرحال وہ کچھ ہیں جو شاہ صاحب کو کسی طرح بھی پسند نہیں۔ وہاں جمود بھی ہے اور عصبیت بھی۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد (ابن العربی) کے مقام کی رفعت کو دیکھئے اور امام شافعی کے متعلق ان کے لب ولہجہ کی تلخی کو دیکھئے (ملاحظہ ہو ان کی احکام القرآن) تعصّب کے سوا اس کی اور کیا تعبیر ہو سکتی ہے اور تمام مذاہب میں یہ عصبیت اور تلخی تقریباً ملتی ہے۔

اس لیے شاہ صاحب نے سابقہ نظریہ پر عمل کے لیے ایک اور راہ اختیار فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس کے سوا کوئی دوسری راہ ہے بھی نہیں

شاہ صاحب المقالۃ الوفیہ فی النصیحۃ والوصیۃ میں فرماتے ہیں:

وصیّت اول این فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل وپیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن وہر روز حصّہ از ہر دو خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقاید مذہب قدماٗ اہلِ سُنّت اختیار کردن واز تفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیس نکردند اعراض نمودن بہ تشکیکات معقولیان خام التفات نکردہ و در فروع پیروی علماٗے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسُنت عرض نمودن۔ وآنچہ موافق باشد در خبر قبول آوردن والا کالائے بدبریش خاوند دادن اُمت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست و سخن متشقفہ فقہا کہ تقلید علماٗے را دستاویز ساختہ تتبع سُنّت را

ترک کردہ اندنشنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن ، قربت حق جستن بدون ایشاں " (تفہیمات ج ۲ ص ۲۴۰)

کھوڑا بہت جاننے والوں کے لئے تو فقہا و محدثین ہی کی راہ صحیح ہو سکتی ہے۔ البتہ عوام کو ضرورت کے وقت حنفی اور شافعی کو کم از کم ملا لینا چاہیئے اور کم از کم ان دونوں فقہوں سے جو بھی اوفق بالکتاب والسنۃ ہو، اختیار کر لینا چاہیئے

ونحن ناخذ من الفروع ما اتفق علیہ العلماء لا سیما ھاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیۃ والشافعیۃ و خصوصا فی الطھارۃ والصلوۃ فان لم یتیسر الاتفاق و اختلفوا فناخذ بما یشھد لہ ظاھر الحدیث ومعروفہ اھ (تفہیمات ج ۲ ص ۲۰۷)

"ہم فروعی مسائل میں ان مسائل پر عمل کی کوشش کرتے ہیں جن پر علماء متفق ہوں خصوصاً دو بڑے گروہ حنفی اور شافعی۔ طہارت اور نماز کے مسایل میں یہ طریقہ اور بھی پسندیدہ ہے اگر اس میں اتفاق نہ ہو سکے تو جو ظواہر حدیث کے موافق ہو ہم اس پر عمل کرتے ہیں "

آجکل کی تلخیوں اور ان کے پس منظر کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہندوستان میں مسلک اہلحدیث کا مقصد اسی نوعیت کا اتفاق تھا جسے فرقہ وارانہ عصبیت نے ہیبت ناک صورت دے دی۔ آج ایک آزاد ملک میں تقلید شخصی اور فقہی جزئیات پر زور دیا گیا یا حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ صرف حنفیت کو اسلام کا مرادف سمجھے تو اس کے نتائج اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ فتاوی عالمگیری اپنے وقت کا بہت بڑا دینی اور علمی کارنامہ ہے۔ جس کی تشکیل اور تاسیس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب

بھی شامل تھے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی دُور اندیش نگاہ آنے والے فتنوں کے لئے اسے کافی نہیں سمجھتی۔ وہ ان فقہی استحسانات کو دین اور شریعت کا نام دینا اور اصُولِ فقہ کو شرعی دستاویز قرار دینا پسند نہیں کرتے ۔۔۔ اُن کا منشاء یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ فقہاء محدثین کی راہ کو بھی ان کے ساتھ ملا کر ملک میں ایک ایسے فقہی مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی جائے جس میں نہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہو جس سے نصوص میں بھدا پن پیدا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی فصاحت و بلاغت اور حسُنِ ادا نظر انداز ہو جائے اور نہ ہی قیاس اور رائے کو اس قدر اہمیت حاصل ہو کہ قوتِ فیصلہ علماء کی مُوشگافیوں اور حیل آفرینیوں کے ہاتھ میں چلی جائے اور نصوص شرعیہ اس حیران کُن منظر میں صرف تماشائی ہو کر رہ جائیں۔ جیسے متاخرین فقہانے فرضی صورتوں سے دین کا نیا محل تعمیر فرما دیا۔ قاضی خان، شامی، الاشباہ والنظائر ان کے سامنے ان علوم کی اور ہمہ گیر تعلیمات سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئیں۔

ایک بہت بڑا مغالطہ اور اہلحدیث :

کچھ مدت سے عوام میں ایک مغالطہ کی اشاعت ہو رہی ہے اور اچھے سنجیدہ اور پڑھے لکھے حضرات کو اس میں مبتلا پایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ :

"اہلحدیث کوئی مکتبِ فکر نہیں بلکہ حفاظ حدیث اور اس فن کے ماہرین کو اہلحدیث کا نام دیا گیا ہے۔"

اس مغالطے کی حمایت ہمارے ملک کی بعض تحریکات نے بھی کی ہے اور بعض کم سواد حضرات نے بھی اپنی تحریروں میں اس خیال کا اظہار فرمایا۔ اِسکے

کے دو ہی سبب ہیں۔ قلتِ مطالعہ یا پھر تعصب کے ساتھ سیاہ دلی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ فنِ حدیث اور اس کے حفظ و ضبط کا دل پسند مشغلہ مذاہب اربعہ میں رہا ہے اور ان مکاتب فکر کے علمائے فن حدیث اور اس کے تواد م فن رجال اصولِ حدیث وغیرہ کی خدمت کی۔ لیکن یہ حضرات اس خدمت کے باوجود فہم حدیث کے معاملہ میں اپنے پیش رو امام ہی کے انداز سے سوچتے ہیں جیسے حافظ طحاوی، علامہ ترکمانی، حافظ بیہقی، حافظ بدرالدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی ــــ یہ حضرات حدیث کی بہترین خدمت کے باوجود طریق فکر کے لحاظ سے یا حنفی ہیں یا شافعی۔ اسی طرح موالک اور حنابلہ میں بھی ایسے خدام حدیث موجود ہیں جو فکر کے لحاظ سے مالکیت یا حنبلیت کے پابند ہیں۔ وہ احادیث کے مفہوم کو سوچتے وقت اپنے ایمہ کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بلکہ ان کے تحقیقی ارشادات پر غور فرمایئے تو اپنے مخالفین کے خلاف بعض اوقات خاصا تشدد نظر آئیگا اس کے باوجود وہ حدیث کے خادم ہیں۔

اہلحدیث مکتب فکر :

لیکن اہلحدیث مکتب فکر اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو اپنے افکار میں ان شخصی پابندیوں سے آزاد ہے وہ مجتہد ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ شخصی اجتہادات کے پابند نہیں بلکہ ان بزرگوں کے لئے مواد اور دلائل فراہم فرماتے ہیں۔ خود بھی پیش آمدہ مسائل پر کتاب اللہ اور سنت اور ایمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں غور فرماتے ہیں۔ ایمہ اربعہ کے اجتہادات سے موافقت ہو یا مخالفت، اس کے لیے وہ چنداں فکرمند نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی نظر مصالح پر ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے :

باب الفرق بين اهل حديث واهل الرائ

عنوان سے ظاہر ہے کہ دو مکتب فکر کا تذکرہ ہوگا۔

پھر اہلحدیث کے چند اصول[1] ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :

فان عجزوا عن ذلك ايضاً تاملوا في عمومات الكتاب و ——— وايماءاتها واقتضاءاتها وحملوا نظير المسئلة عليها في الجواب اذا كانتا متقاربتين بادي الرای لا يعتمدون في ذلك على قواعد من الاصول ولكن على ما يخلص الى الفهم ويثلج به الصدر كما انه ليس ميزان التواتر عدد الرواة و لا احوالهم ولكن اليقين الذي يعقبه في قلوب الناس كما نبهنا على ذلك في بيان حال الصحابة۔ (حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۱۹)

اگر سابقہ اصولوں کے مطابق مسئلہ طے نہ ہوسکے تو کتاب وسنت کے ارشادات واقتضاءات کو دیکھتے اور پیش آمدہ مسئلہ کے نظایر اور ان کے حکم پر غور کرتے ہیں اور جواب تلاش کرتے ہیں جب وہ نظائر صراحۃً متقارب ہوں تو اصول فقہ کے قواعد کو چنداں ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ قلبی سکون اور طمانیت کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسے تواتر میں اصل چیز عدد رواۃ نہیں۔ بلکہ اصل چیز یقین اور اطمینان ہے۔

---

[1] ان اصول کا ذکر شروع میں آچکا ہے جماعت اسلامی اور اسکے ہمدرد حضرات نے گذشتہ ایام میں اس مغالطہ کی کافی اشاعت فرمائی تھی۔ ممکن ہے جماعت کے لئے یہ مغالطہ مفید ہو۔ علمی اور تحقیقی طور پر یہ قطعاً غلط ہے تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں۔ ۱۲

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اہل حدیث محض فن کے حفاظ کا نام نہیں بلکہ ان کے نزدیک فہم و استدلال کے لئے کچھ اصول ہیں جو کتاب و سنت ہی سے ماخوذ ہیں وہ تقلیدی نہیں بلکہ ان میں یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

پھر ص ۱۲۹ ج ا میں فرماتے ہیں :

"میں نے سنا ہے کہ گروہ صرف دو ہیں۔ اہل ظاہر اور اہل الرائے تیسرا کوئی گروہ نہیں جو بھی قیاس کرے اور استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے اور رائے سے مراد عقل اور فہم نہیں کیونکہ اس کے سوا تو اہل علم کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں اور نہ ہی اس سے وہ رائے مراد ہے جس کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ یہ تو کوئی مسلمان پسند ہی نہیں کر سکتا اور نہ ہی رائے استنباط اور قیاس پر قدرت کا نام ہے کیونکہ امام احمد اسحاق بلکہ امام شافعی قیاس اور استنباط فرماتے ہیں لیکن وہ بالاتفاق اہل الرائے نہیں ہیں بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ حضرات ہیں جو اجماعی اور جمہور ایمہ میں متفقہ مسایل کے علاوہ متقدمین میں سے کسی متعین بزرگ کے اصولوں پر استنباط اور تخریج فرماتے ہیں اور نظائر کو نظائر پر محمول فرماتے ہیں اور معینہ اصولوں کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور اس کے لئے احادیث اور آثار کے تتبع کا تکلف نہیں فرماتے اور ظاہری علماء حافظ ابن حزم اور داؤد ظاہری حضرات قیاس اور آثار دونوں کو حجت نہیں سمجھتے اور محققین اہل سنت، اہل الرائے اور اہل ظاہر کے بین بین ہیں"

شاہ صاحب کے اس ارشاد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں ا

۱۔ اہل حدیث صرف اہل فن نہیں بلکہ یہ ایک مکتب فکر ہے۔

۲۔ فقہائے کوفہ کے علاوہ باقی ائمہ اجتہاد اہلِ حدیث سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اتباع اور مقلدین گو اہل حدیث نہ کہلا سکیں۔

۳۔ اہل حدیث قیاس جلی اور نظائر کے حکم کو مانتے ہیں اور اجتہاد و استنباط کے قائل ہیں۔

۴۔ اہل حدیث اور اہل ظاہر دو مختلف فکر ہیں اور اہل الرائے ان دونوں سے الگ ہیں۔

۵۔ اہلِ حدیث کتاب و سنت کے علاوہ صحابہ اور سلف کے ارشادات کو اصل سمجھتے ہیں۔ اور اس پر اپنے فہم اور استنباط کی بنیاد رکھتے ہیں۔

۶۔ اہل الرائے مسائل کے استنباط میں مخصوص اہلِ علم کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ کتاب و سنت ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔

۷۔ اہل حدیث مکتبِ فکر اہل الرائے اور اہل ظاہر کے علاوہ ہے۔

شاہ صاحب نے اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ کے علاوہ تفہیمات و انصاف عقد الجید وغیرہ میں بھی فرمائی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ، تفسیر فتح العزیز میں اسی موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ صراطِ مستقیم میں حضرت سید احمد شہید نے بھی جمود اور مروجہ تقلید کے متعلق کافی وضاحت فرمائی ہے۔ ان تصریحات کی تائید شاہ اسمٰعیل شہید نے بھی فرمائی ہے۔ علامہ شوکانی نے القول المفید میں بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ ائمہ حدیث کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے۔

ایقاظ ھمم اولی الابصار میں امام یحییٰ فلانی نے بھی محدثین کے مسلک کی تائید فرمائی ہے۔

ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم و فضلہ میں اہل الرائے اور اہلحدیث کا تذکرہ

فرمایا ہے اور مسلک اہل حدیث کو راجح اور صحیح تصوّر کیا ہے۔ ان تصریحات کے لئے وقت اور کسی دوسری صحبت کی ضرورت ہے۔ حقیقت پسند آدمی ان تصریحات کا مطالعہ کرے تو اسے یقین ہوگا کہ اہلحدیث محض حفاظ حدیث کا نام نہیں۔ بلکہ ان حضرات کا طریق فکر ہے جس پر تفقہ اور اجتہاد کی بنیاد کتاب وسنت، اور سلف امت کے ارشادات پر رکھی گئی ہے۔ تقلید شخصی اور جمود کے لئے اس مسلک میں کوئی کام نہیں۔

شہرستانی (۵۴۸ھ) دور جمود کے آغاز سے بہت قریب ہیں۔ فرق اور مذاہب کے اجتماع اور افتراق پر ان کی نظر غائر اور وسیع ہے۔ ان کی کتاب الملل والنحل اس موضوع کی مستند دستاویز شمار کی جاتی ہے، ان کی تصریحات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلحدیث ایک مکتب فکر ہے جسے فقہی مکاتب میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ محض حدیث کی خدمت کا نام نہیں۔

ثم المجتهدون من ائمة	ائمہ مجتہدین کی دو ہی قسمیں ہیں۔
الامة محصورون فی صنفین	اصحاب لحدیث اور اصحاب
لا یعدان الی ثالث اصحاب	الرائے۔ اصحاب الحدیث کا
الحدیث واصحاب الرای۔	مسکن حجاز ہے۔ امام مالک
اصحاب الحدیث هم اهل	اور ان کے تلامذہ، امام شافعی
الحجاز واصحاب مالك بن	اور ان کے شاگرد، سفیان
انس واصحاب محمد بن	ثوری اور ان کے رفقاء امام
ادریس الشافعی واصحاب	احمد کے ساتھی اور امام داؤد
سفیان ثوری واصحاب احمد	ظاہری کے خدام۔ انہیں اہل
بن حنبل واصحاب داؤد بن	حدیث اس لئے کہا جاتا ہے

علی بن محمد الاصفہانی وانما	کہ ان کی توجہ حدیث اور اخبار
سموا اصحاب الحدیث لان	کی طرف ہے اور احکام کی بنیاد
عنایتھم بتحصیل الاحادیث و	نصوص پر رکھتے ہیں جبتک
نقل الاخبار و بناء الاحکام	حدیث موجود ہو وہ قیاس جلی
علی النصوص ولا یرجعون	اور خفی کی پرواہ نہیں کرتے
الی القیاس الجلی والخفی ما	

وجدوا خبرا۔ (ص۴۵ ج ۲ برحاشیہ کتاب الفصل لابن حزم)

اس کے بعد فرماتے ہیں :

اصحاب الرای وھم اھل العراق.	اہل عراق کو اصحاب الرائے کہا
ھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان	جاتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ، اور
بن ثابت ومن اصحابہ محمد	ان کے تلامذہ ہیں۔ انہی میں
بن الحسن وابو یوسف یعقوب	امام محمد، امام ابو یوسف قاضی، زفر
بن محمد القاضی و زفر بن	حسن بن زیاد، ابن سماعہ قاضی
ھذیل والحسن بن زیاد اللولوی	عافیہ ابو مطیع بلخی اور بشر مرلیسی وغیرہ
وابن سماعۃ وعافیۃ القاضی و	شمار ہوتے ہیں۔ انہیں اصحاب
ابو مطیع البلخی والبشر المریسی	الرائے اس لئے کہا جاتا ہے : کہ
وانما سموا اصحاب الرای	ان کی زیادہ تر توجہ قیاس اور
لان عنایتھم بتحصیل وجہ	معانی کے استنباط کی طرف ہے
من القیاس والمعنی المستنبط	اور احکام کی بناء ان قیاس پر
من الاحکام وبناء الحوادث علیھا	رکھتے ہیں اور بسا اوقات قیاس
وربما یقدمون القیاس الجلی علی	جلی کے سامنے خبر واحد کی بھی

اخبار الاحاد۔ پرواہ نہیں کرتے۔"

(شہرستانی ص۴۲ ج ۲)

حجۃ اللہ کا مقام "باب الفرق بین اہل الحدیث واہل الرای" شہرستانی کے اسی مقام کی شرح معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت اس جہالت آمیز غلط فہمی کی اصلاح ہے جو بعض علمی حلقوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے کہ:

"اہل حدیث محض فنی خدمت کا نام ہے۔"

شہرستانی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں قدیم مکتبِ فکر ہیں۔ جو اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے استفادہ کرتے، ان کا باہم رد وتردید کا مشغلہ تو رہا ہے مگر کسی نے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔

شہرستانی کے دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اصحاب الحدیث ایک مکتبِ فکر ہے۔ جس نے احادیث کے متون اور اسانید کی حفاظت فرمائی۔ پھر اس پر فقہی تبویب فرمائی۔ فروع اور عقاید کی صحت پر استدلال فرمایا۔ شخصی آراء تو ان کے ہاں کوئی قیمتی چیز نہیں اس لیے فقہائے عراق یا دوسرے فقہا کی طرح ان لوگوں نے اپنی فقہ ایجاد نہیں فرمائی، تاکہ لوگ اس پر تقلیدی انداز میں اعتماد نہ کرنے لگیں۔ لیکن کتاب و سنت سے استنباط کی راہیں اور قیاس صحیح کے استعمال کی راہ کھولی۔ شخصی آراء پر نصوص شرعیہ کی برتری کو واضح کیا اور فقہ الحدیث کا بہت بڑا ذخیرہ اہلِ علم کے سامنے رکھ دیا۔

○

تاریخ کے امام اور تنقید کے مؤسس علامہ عبدالرحمان ابن خلدون (۸۰۸ھ) کا ایک اقتباس قابلِ غور ہے۔ فرماتے ہیں:

وانقسم الفقه فيهم الى طريقين طريق اهل الراى والقياس

وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز و
كان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قدمناه فاستكثروا
من القياس ومهروا فيه فلذالك قيل اهل الرأى ومقدم
جماعتهم الذى استقر المذهب فيه وفى اصحابه ابوحنيفة
(مقدمه ابن خلدون ص۳۸۹)

"فقہ کی دو قسمیں ہوگئیں۔ فقہ اہل الرائے جن کا مرکز عراق ہے اور فقہ اہلحدیث جن کا مرکز حجاز ہے اہل عراق میں حدیث کا چرچا کم تھا اور وہ قیاس میں ماہر تھے ان کے امام حضرت امام ابوحنیفہ رح ہیں"

ابن خلدون کا تاریخی مقام پڑھے لکھے لوگوں سے مخفی نہیں۔ ان کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ اہلحدیث کو محض حفظ حدیث تک محدود رکھنا تاریخ سے بہت بڑی بے خبری ہے یا عصبیت کی وجہ سے دیانت میں نقص۔

اسی طرح ایک اقتباس علامہ المنصور عبدالقاہر البغدادی (۴۲۹ھ) کا گزر چکا ہے ـــ

علامہ کاتب چلپی کی نظر اصحاب مذاہب اور ان کی تصنیف پر جسقدر ہے وہ ان کی کتاب "کشف الظنون" سے ظاہر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

واكثر التصانيف فى اصول الفقه لاهل الاعتزال المخالفين لنا
فى الاصول ولاهل الحديث المخالفين لنا فى الفروع۔

(كشف الظنون ص۹۰، ابجد العلوم ج۱ ص۳۲۵)

معلوم ہے جو لوگ اصول فقہ میں اصحاب التصانیف ہیں وہ محض الفاظ کے حافظ نہیں۔ وہ فہم الفاظ میں بھی تحقیقی نظر رکھتے ہیں۔ ان کی اصول فقہ پر دقیق نظر ہے اس لئے انہیں فن کار کہنا کسی فنکار ہی کا کام ہے کوئی عالم یہ جرأت نہیں کر سکتا

اہلحدیث اور متکلمین :

دوسری صدی میں صفات باری کے متعلق فلاسفر اور متکلمین نے جو دھاندلی مچائی تاریخ مذاہب کے غواص اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس دور میں اہلحدیث نے جس پامردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔ وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ قید و بند کے مصائب اہلحدیث نے جس طرح برداشت کئے وہ ایسی داستان نہیں، جسے بھلایا جا سکے۔ یہ ھنگامہ دوسری صدی سے شروع ہو کر تقریباً آٹھویں صدی تک رہا۔ اس دور کے متکلمین اور فقہاء محدثین کی تصانیف میں اہل حدیث کا تذکرہ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ارباب تاویل کے سامنے ظواہر نصوص پر اڑنا اور مخالفین سے نمٹنا آسان نہ تھا۔ لیکن اس وقت اہل حدیث نے یہ جنگ بڑی جواں مردی سے لڑی۔ مامون الرشید سے شروع ہو کر متوکل علی اللہ کی حکومت تک ان پر کیا گزری اسے تاریخ کے طالب علم خوب جانتے ہیں۔ اس دور کی ان کتابوں میں یہ مباحث موجود ہیں۔ اہلحدیث کا تذکرہ جس انداز سے آیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ محض الفاظ کے حافظ اور فنکار نہیں بلکہ ان کی نظر معانی کی روح اور ان کے دوررس عواقب پر نظر ہے۔

حافظ ابن القیم اور ان کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس معرکہ رستخیز اور اس میدان کارزار کے بہادر سپاہی ہیں۔ اپنی تصانیف میں ان مباحث کا ذکر فرماتے ہوئے اہل حدیث کا ذکر جس عقیدت سے کرتے ہیں، وہ صرف حفظ الفاظ کی وجہ سے نہیں۔ اعتزال وجھمیت وتشبیہ وتعطل کے خارزار میں ظواہر نصوص کا ساتھ دینا معمولی بات نہیں۔

حافظ ابن قیم کی کتاب "الکافیہ الشافیہ فی الانتصار للفرقۃ الناجیہ" اس

معرکۂ کارزار کا رجز ہے، جس میں وہ بار بار اہل حدیث کا تذکرہ ان لوگوں میں کرتے ہیں جنھوں نے فلاسفہ اور متکلمین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنت کی حمایت فرمائی، تاویل کی دھاندلیوں سے عامۃ المسلمین کو بچایا۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے :

لا تبھتوا اھل الحدیث بہ فما ذا قولھم تبا لذی البھتان

اہل حدیث پر بہتان مت لگا، بہتان لگانے والوں کی حالت قابل افسوس ہے

ھذا ھو الحشوی لا اھل الحدیث ائمۃ الاسلام والایمان

حشوی در اصل یہ لوگ ہیں۔ اہل حدیث تو اسلام اور ایمان کے امام ہیں۔

اسماء سمیتم بھا اھل الحدیث وناصری القرآن والایمان

تم نے اہلحدیث کے کئی نام رکھے ہیں اور وہ صرف قرآن اور ایمان کے معاون ہیں

من سبھم اھل الحدیث ودینھم اخذ الحدیث وترک قول فلان

یہ اہل حدیث کو گالیاں دیتے ہیں حالانکہ ان کا مذہب حدیث ہے اور اقوال رجال کو ترک کرنا

وکذلک اصحاب الحدیث فانھم ضربت لھم ولکم ھذا امثلان

اسی طرح اہل حدیث کی اور تمہاری دو الگ مثالیں ہیں۔

والی اولی العرفان من اھل الحدیث خلاصۃ الانسان والاکوان

اور اہل حدیث اصحاب معرفت ہیں اور انسانیت کا خلاصہ ہیں۔

(قصیدہ نونیہ ص۱۲۲)

قصیدہ نونیہ کا شاید ہی کوئی ورق ہو جس میں کسی نہ کسی طریق سے اہلحدیث مکتب فکر کا تذکرہ نہ آیا ہو۔

علامہ بزدوی خبر واحد کے تذکرہ میں فرماتے ہیں :

قال بعض اھل الحدیث یوجب علم الیقین خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے

اصول بزدوی کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں :

ذهب اكثر اصحاب الحديث الى ان الاخبار التي حكم اهل الصنعة بصحتها توجب علم اليقين (ص۱۹۱ ج ۲)

" اکثر اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ جن خبروں کو اصحاب فن نے صحیح فرمایا ہے ان سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔"

علامہ عبدالعزیز بخاری مرسل کی حجیت کا ذکر کرتے ہوئے اہلحدیث پر طعن فرماتے ہیں :

انهم سموا انفسهم اصحاب الحديث وانتصبوا انفسهم لحيازة الحديث والعمل بها ثم ردوا منها ما هو اقوى اقسامها (ص۷۲۵ ج ۳)

" یہ لوگ اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں اور حدیث پر عمل اور اس کی حفاظت کا دعوےٰ کرتے ہیں لیکن اس کی قوی ترین اقسام کا انکار کرتے ہیں۔"

یہ تلخ نوائی محض حفظ الفاظ پر نہیں۔ یہ تحقیقی مسئلہ ہے جس میں اہلحدیث کی رائے فقہائے احناف کے خلاف ہے۔

دوسرے مقام پر اسی کشف الاسرار میں انبیاء کے لیے رائے اور اجتہاد کے جواز کا تذکرہ فرماتے ہیں :

هو منقول عن ابي يوسف من اصحابنا وهو مذهب مالك والشافعي وعامة اهل الحديث (ص۹۲۵ ج ۳)

" انبیا کے لیے اجتہاد کی اجازت ہے۔ امام ابو یوسف، مالک، شافعی اور اکثر اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔"

اس میں مذہب اہل حدیث کا تذکرہ بیسیوں مقامات پر آیا ہے۔ حسامی کی شرح غایۃ التحقیق میں اکثر مقامات پر اہل حدیث کا ذکر موجود ہے۔

اس لیے اہل حدیث سے مراد صرف حفاظ الفاظ حدیث مراد لینا انتہائی لاعلمی اور بے خبری ہے۔ قدماء کی کتابوں میں دوسرے مکاتب فکر کی طرح اہلحدیث کا بھی ذکر آتا ہے۔ اصول فقہ میں یہ تذکرہ خاص طور پر ملتا ہے کیونکہ حسب ارشاد علامہ کاتب چلپی اس فن کے تو بانی ہی معتزلہ ہیں اور اصحاب الحدیث نہیں۔ البتہ متاخرین میں عصبیت بڑھتی گئی اور اقتدار بھی اہل تعصب کے ہاتھوں میں آگیا تو حکومت اور اقتدار کے نشہ میں اہلحدیث کا ذکر کم ہوتا گیا اور نفرت بڑھتی گئی۔

تیسری صدی تک تو پورے فارس پر مسلک اہل حدیث کا اقتدار تھا۔ مصنفین صحاح اور دوسرے علم حدیث کے مدوّن زیادہ تر اسی علاقہ کے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی حضرات کو توفیق بخشی کہ علوم کو آئندہ آنے والے لوگوں تک پہنچائیں اور انہوں نے یہ فرض ادا فرمایا فجزاھم عن المسلمین احسن الجزاء

ان حضرات کی علوم پر نظر کا یہ حال تھا کہ تجوید میں بھی ان کی رائے کا تذکرہ ایک مکتب فکر کے لحاظ سے ہوا ہے۔ ائمہ قرأت میں اختلاف ہے کہ آیہ: وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف ہے یا نہیں۔ تجوید اور قرأت کے متعلق مستند کتاب النشر فی القرآت العشر للعلامہ محمد بن محمد الدمشقی ۸۳۳ھ میں فرماتے ہیں کہ الا اللہ پر وقف تام ہے وھو مذھب ابی حنیفہ واکثر اھل الحدیث (ص۲۲۷ ج۱)

قدماء اہلحدیث ان تمام راہوں سے آگاہ تھے جن پر فقہائے متاخرین کو ناز ہے

فقہ اور اہلحدیث:

بچپن میں سنتے تھے کہ:

"اہل حدیث کی مثال عطار کی ہے اور فقہاء کی مثال طبیب کی"

اس کا اثر ذہن پر یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ دو گروہ ہیں۔ فقہاء عطاری نہیں کرتے اور اہل حدیث حدیث کے طبیب نہیں ہوتے لیکن جب علوم حدیث اور دفاتر سنت دیکھنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ یہ دو فرقے نہیں بلکہ عملی زندگی میں طبعی رجحانات کے مطابق ایک خاص طریق ہے جسے پسند کر لیا گیا۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ محدثین فقہ نہیں جانتے۔ نہ یہ درست ہے کہ فقہاء حدیث نہیں جانتے۔ قدرت نے سب کو استعداد عطا فرمائی ہے جس کام کے لئے کسی نے اس استعداد کو استعمال کیا وہ چیز اسے عطا کر دی گئی۔

ائمہ حدیث کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ درس میں موجود تھے۔ حدیث کی کتابت اور حفظ و ضبط اور اس میں تفقہ کا مشغلہ اس وقت موجود تھا۔ صحابہ حدیث کا دور اور حفظ اسی طرح فرماتے تھے جس طرح حفاظ قرآن کرتے ہیں۔ فہم کے لئے بھی اسی طرح محنت کرتے تھے۔ لیکن اس وقت اسکی شکل تذکرے اور نوٹ کی تھی۔ کتاب کی طرح مدوّن نہ تھی صحابہ اسکے غوامض کو سمجھتے تھے لیکن مروجہ کتب فقہ یا شروح حدیث کی طرح لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ اسکے باوجود وہ فقیہ بھی تھے اور محدّث بھی، اہلحدیث بھی تھے اور اصحاب فقہ بھی۔ کسی چیز کی فنی تدوین دوسری چیز ہے اور اس کا صحیح فہم دوسری چیز۔ صحابہ کے ان تذکروں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کا پورا تذکرہ امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی مسند بواسطہ وہب بن منبہ مطبوعہ موجود ہے۔ تابعین کا یہ سلسلہ اور بڑھ گیا۔ اور یہ نوٹ اور ضخیم ہو گئے۔ زہری ابن عیینہ، عمر بن عبد العزیز کے تذکرے اب بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ مسند احمد میں یہی نوٹ بصورت مسانید موجود ہیں اور یہ ضخیم چھ جلدوں میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صدیوں سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ دور فقہاء اور

محدثین کا ہے۔ وہ احادیث کو حفظ بھی کرتے ہیں، اس کے مضمون کو سمجھ کر اسکی روشنی میں فتوٰے بھی دیتے ہیں۔ اس کے مواد کے لیے محلّی ابن حزم، مغنی ابن قدامہ، مصنف ابن ابی شیبہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، جس میں آثار کی بڑی مقدار موجود ہے اسے فقہ کہیے یا آثار۔ ان لوگوں نے قرآن اور سنت سے سمجھ کر یہ فتوے دیئے، بلکہ محدثین کی فقہ کے لئے تو قرآن وسنت کے بعد یہی آثار اجتہاد اور استنباط کی اساس اور بنیاد ہیں۔ (حجۃ اللہ ص۱۱۹ ج۱)

تدوینِ حدیث کا دَور

اس کے بعد تدوین حدیث کا دَور شروع ہوتا ہے۔ اس وقت کی مصنفات میں احادیث پر تبویب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری، نسائیؒ، ترمذی، موطا، ابن ماجہ وغیرہ کے مصنفین نے تبویب کی ہے، احادیث سے مسائل استنباط فرمائے ہیں، جس سے انسان میں قوت استنباط پیدا ہوتی ہے۔ مذاہب اربعہ کی کتبِ فقہ تو مسایل کی نقل ہے۔ ان کتابوں سے استنباط کا ملکہ مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ان ضخیم کتابوں کے ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ فقیہ نہیں۔ ان کا کام الفاظ حدیث کا حفظ تھا، یہ صرف فن کار تھے۔ ایک پڑھا لکھا شخص جسے حدیث کی کتابوں پر سرسری عبور بھی ہو اُسے یہ جراٗت نہیں ہو سکتی کہ وہ ایمہ حدیث کو غیر فقیہہ کہے۔

امام بخاری کی تبویب نے بڑے بڑے ارباب فقہ و بصیرت کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ باقی محدثین ابو داوٗد، نسائیؒ، ترمذیؒ، موطا، ابن ماجہ کی تبویب نے ان کے تفقّہ اور فقہی بصیرت کو واضح کر دیا ہے۔ جہاں تک احادیث سے مسایل کے استخراج اور فہم کا تعلق ہے۔ ایمہ حدیث کی تبویب میں صحیح اور معیاری فقہ پائی

جاتی ہے۔

اگر فقہ فرضی صورتوں کا نام ہے اور اس سے غیر موجود بلکہ ناممکن الوقوع معاملات اور احکام کا تعلق ہے تو واقعی اہلحدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث میں اس کا ثبوت نہیں ملے گا۔ یہ خوبی فقہ العراق میں ہو گی۔ لیکن یہ دراصل فقہ نہیں ائمہ حدیث کا مقام تو مصطلح فقہاء سے کہیں زیادہ ہے۔

فرضی صورتوں پر احکام مرتب کرنا بھی کوئی مشکل چیز نہیں لیکن علم ما لم یقع والجہل عما وقع اہلحدیث کے نزدیک اسے فقہ کہنا ہی درست نہیں۔

شاہ ولی اللہ چاہتے ہیں کہ مروجہ فقہ کو حدیث اور آثار سلف کی تائید حاصل ہو اور ظاہریت خالصہ کو تفقہ اور قیاس جلی سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، جسے مستقل طور پر گھبراہٹ کا پیغام سمجھ لیا گیا ہے اور حضرات دیوبند اور ارباب بریلی دونوں اس مکتب فکر سے گھبرانے لگے۔ حضرات بریلی سے تو کوئی شکوہ نہیں کیونکہ وہاں پورا انحصار ہی جذبات اور چند نعروں پر ہے۔ عوام کی پیدا کی ہوئی رسوم اور چند بدعات کا نام شریعت رکھ لیا گیا اور غلط قسم کے رکھ رکھاؤ کو ادب سے تعبیر کر لیا گیا ہے اور ان حضرات کے نزدیک یہی چیزیں کتاب و سنت کا نعم البدل ہیں۔ یہ حضرات توحید و سنت کی ٹھوس آواز سے ڈریں تو بجا ہے لیکن تعجب حضرات دیوبند سے ہے۔ وہ بھی وہابی کے لفظ سے اس قدر گھبرائے کہ میدان چھوڑ گئے۔

سانحہ بالاکوٹ کے بعد ان حضرات کی رسمی تصوف کے ساتھ کچھ ایسی وابستگی ہوئی اور بیعت و ارادت ان میں کچھ اس انداز سے آئی کہ یہ حضرات بریلی سے بہت قریب پہنچ گئے۔ اذکار و اوراد میں بھی سنت کا معیاری مقام قائم نہ رہ سکا۔ نماز کے وقت اور ہیئت میں بھی تسکین اور اطمینان قریباً ختم ہو گیا اور خشوع انابت

ذوق اور اطمینان برائے نام رہ گیا۔ یہ گراوٹ شاہ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی لیکن بتدریج بڑھتی گئی توحید کا صحیح موقف بعض حضرات میں تو بے شک نمایاں رہا۔ لیکن اکثر ابناءِ دیوبند نے قریباً بریلویت کی چوکھٹ پر گھٹنے ٹیک دیئے اور جو قافلہ اقامت دین اور توحید و سنت کی سرپرستی کے لئے بالاکوٹ کے میدان میں فروکش ہوا تھا جس نے عہد کیا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے تجدیدی عوامل اور مقاصد کی روشنی میں دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔ وہ بریلویت سے ڈر کر اور وہابیت کی تہمت سے گھبرا کر دم توڑ گیا اور اپنے موحد ساتھیوں کو چھوڑ کر بریلوی حضرات سے صلح کی راہیں تلاش کرنے لگا۔

۶ رمئی ۱۸۳۱ء کے بعد یہ گروہ بدستور پسپا ہوتا گیا اور نہ صرف یہ کہ میدان دغا سے پیچھے ہٹ گیا بلکہ تحریک کی روح جمود اور آزادئ فکر سے بھی دست کش ہو گیا۔ میں نے سابقہ گذارشات میں شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کا تذکرہ حضرت شاہ صاحب کی زبان اور حضرت ہی کے ملفوظات سے عرض کیا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں گے کہ شاہ صاحب کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود یہ امانت محفوظ نہیں رکھی جا سکی۔ بلکہ شاہ اسحٰق کے تلامذہ سے اس کی سرپرستی صرف شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ نے فرمائی۔ جب تحریک کے سیاسی مقاصد کی تکمیل بظاہر مشکل ہو گئی تو اسے زیرِ زمین لے جا کر اپنی بساط کے مطابق اسے زندہ رکھا گیا۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی صاحب سے شروع ہو کر مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی اور اس کے بعد مولوی ولی محمد اور مولوی فضل الٰہی مرحوم اور محمد حسین مجاہد کوٹ بھوانیداس وغیرہ ہم نے اس کے لیے سردھڑ کی بازی لگائی۔ رہے حضرات دیوبند سو وہ ملک کی ملی جلی تحریکات میں کام کرتے رہے لیکن یہ خالص دینی تحریک ان کے

فیوض سے محروم رہی تا آنکہ ملک کی تقسیم نے صورت حال کو بالکل بدل کر رکھ دیا یہ تو سیاسی صورت حال تھی لیکن دینی پہلو سے یہ حضرات شاہ صاحب کے پروگرام سے کافی الگ ہو گئے جس جمود کو شاہ صاحب ختم کرنا چاہتے تھے۔ دیوبند نے پورے زور سے اس کے احیاء کی دعوت دی۔ پوری قوت سے اس کی سرپرستی کی، اس لیے میری ناقص رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کو سیاسی، علمی، معاشی اور فقہی طور پر اپنی بساط کے مطابق جماعت اہل حدیث نے پورا کیا — اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے ؎

در عہد لیست باجاناں، کہ تا جاں در بدن دارم
ہوا خواہان کویش را چو جان خویشتن دارم

ارباب دیوبند کی اس مصلحت اندیشی کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ ان میں توحید کے داعی حضرات کو خارجی کا خطاب دیا جا رہا ہے اور عوام کو مطمئن کیا جا رہا ہے: کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہیں۔ اس انتقامی جذبہ کی تسکین کے لیے نئے نئے مسائل پیدا کئے جا رہے ہیں جو اس اہمیت کے ساتھ پہلے کبھی سامنے نہیں آئے۔

شاہ صاحب سے علیحدگی :

اب ایک اور نوجوان گروہ پیدا ہو رہا ہے جسے شاہ صاحب کے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ شاہ صاحب کے متعلق عجیب انداز سے بدگمانیاں پیدا کر رہا ہے۔ یہ حضرات علامہ سید محمد زاہد کوثری مصری سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث کے خلاف بدگمانی پیدا کرتے ہیں۔ رجال کے تذکروں میں قطع و برید کر کے ائمہ حدیث کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کے موجودہ گروہ سے ایک قابلِ احترام بزرگ ابن ماجہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب

کے متعلق فرماتے ہیں :

واما ماقال رحمہ اللہ وان شئت حقیقۃ ماقلناہ فلخص اقوال ابراھیم من کتاب الاثار لمحمد وجامع عبدالرزاق الخ فھذا دابۃ فی تصانیفہ اذااتی بدعوی یاتی بکلام یدھش الناظر الخ ماتمس الیہ الحاجۃ ص۱۳

شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ عموماً حضرت ابراہیم نخعی کے خیالات کا تتبع فرماتے ہیں۔ ان کے اجتہاد اور فقہ پر حضرت امام نخعی کا بہت زیادہ اثر ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی معاملہ کے متعلق لکھتے ہیں تو دہشت پھیلا دیتے ہیں (حالانکہ بات فی الحقیقت اس طرح نہیں ہوتی)

اس کے بعد فرماتے ہیں :

فنحن بحمد اللہ قد طالعنا کتاب الاثار ولخصنا اقوال ابراھیم النخعی رضی اللہ عنہ ثم قایسناہ بمذھب الامام فوجدنا الامام یجتھد کما اجتھد النخعی واقرانہ ونراہ فی کثیر من المواضع یترک رای ابراھیم ورائہ ظھریا ص۱۴

ہم نے کتاب الآثار امام محمد کا مطالعہ کر کے امام نخعی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی تلخیص کی ہے ۔ امام کئی مقام پر حضرت ابراہیم کی رائے کو ترک فرما دیتے اھ ۔

یہ محض حب علی کے انداز سے فرمایا گیا ہے ۔ حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی ۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف خود بخود زبانِ قلم پر آ گیا اور فرمایا ؛

وان کان لا ینکران لارای ابراھیم النخعی اثرا خاصا فی تفقیہ

الامام ابی حنیفۃ واجتہادہ (حوالہ مذکور)

لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد اور تفقہ پر خاصا اثر ہے اھ

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں جہاں یہ تقابل فرمایا ہے۔ ان کا مقصد قلت وکثرت عددی اور حساب کے قواعد کے لحاظ سے نہیں، ان کا مقصد یہی تاثر ہے۔ آخر آپ حضرات صاحبین کو دو تہائی مذہب میں اختلاف کے باوجود حضرت امام والا مقام کے مقلد مانتے ہیں۔ حضرت امام بھی امام نخعی سے متاثر ہوں تو اس میں جرم کیا ہے اگر تقلید کا مطلب یہی تاثر ہے تو یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے

میرا خیال ہے کہ دیوبندی ذہن یا حضرات احناف سے توحید پسند گروہ پر یہ تیسرا انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ ۶ رمئی ۱۸۳۱ء سے پہلے یہ حضرات اہلحدیث سے قریب تھے اور حنفیت کے باوجود فقہی جمود کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے کلی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہی شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا اصلی تجدیدی کارنامہ تھا۔

۱۸۳۱ء کے بعد ان میں اکثر حضرات تحریک توحید اور اقامت دین سے بالکل الگ ہو گئے اور اسلام کی خدمت کے لئے صرف اسی حد تک مطمئن ہو گئے جو اشاعت حنفیت اور فقہی جمود کے مرادف ہو، یہ لوگ شاہ صاحب کے خلفاء کے ساتھ نہ چل سکے اس لیے کہ وہ جامد تقلید کے حامی نہ تھے۔ دیوبند کی تاسیس حنفیت خالصہ کی اشاعت کے لیے عمل میں آئی۔ لیکن محدثین کا احترام شاہ صاحب کی تحریک سے ان کو وراثت میں ملا تھا۔ اور جو حضرات علامہ کوثری سے متاثر ہیں، یہ حضرات جمود کے داعی ہیں اور ائمہ حدیث سے بغض ان حضرات کو علامہ کوثری سے وراثت میں ملا ہے اور اس کے ساتھ ہی حدیث کو حجت شرعی سمجھتے ہیں۔ یہ ہلکا سا تضاد ہے جسے علم اور مطالعہ

کے زور سے اطمینان قلب کی حد تک یہ حضرات حل فرما لیتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کے اذہان میں شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کا وہ احترام نہیں جو قدمائے دیوبند میں تھا۔ خدا کرے کہ یہ حضرات وسعتِ مطالعہ سے فکری جمود کو توڑیں اور اپنے نظریات کی بنیاد تقلید کی بجائے علم اور تحقیق پر رکھیں۔ ظاہری تنقیص کے باوجود اس میں محدثین کے مسلک کی تائید اور توثیق ہو گی۔ ہماری دلی دلچسپیاں اس نئی تحریک کے ساتھ ہیں۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف اور اُس کی خدمات

دنیا میں اچھی اور بُری تحریکیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہی ہیں۔ بعض تحریکات کی قوت سے حکومتیں تک متزلزل ہوگئیں ــــ حسن بن صباح اور حشیشین کا اتنا رُعب تھا کہ بادشاہ رات کو اپنی آرام گاہوں میں سو نہیں سکتے تھے۔

صالح تحریکوں کا اثر بھی صدیوں تک دلوں کو متاثر کرتا رہا۔ طوعاً" و کرہاً" لوگ ان تحریکوں سے بہرحال تعاون کرتے۔

تحریک معتزلہ نے مامون الرشید ایسے دانشمند بادشاہ کو بُری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ فتنہ متوکل علی اللہ کے زمانہ تک ایمہ سنت کے لئے وبالِ جان بنا رہا۔ امام احمد اور عبدالعزیز کنانی ایسے اہلِ حق حضرات حق گوئی کی وجہ سے مصائب میں مبتلا رہے۔ بڑے بڑے ایمہ نے فازاحمد وخسرنا کہہ کر حالات کی ناہمواری کا اعتراف فرمایا رحمہم اللہ۔

تحریک اہلحدیث

یہ بھی اپنے وقت کی ایک تحریک ہے جس کا مقصد :

۱۔ اسلام میں اعتقادی اور عملی سادگی کو قائم رکھنا اور افراط و تفریط میں اعتدال کی راہ کا تعین اور اس کی پابندی کرنا۔

۲۔ محبت اور بغض میں عموماً انسان اعتدال کی حدوں کو پھاند جاتا ہے :

ائمہ حدیث ایسے موقع پر ہمیشہ نقطۂ اعتدال کی تلاش فرماتے اور لوگوں کو اس سے آگاہ فرماتے۔

۳۔ قرآن و سنت اور ان کے متعلقہ علوم کی تدوین و اشاعت۔

۴۔ زندگی کے تمام شعبوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام۔

روافض کو اہلِ بیت کی محبت میں غلو تھا اور خوارج کو ان کے بغض میں، اہلسنت نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو عام انسانوں کی طرح مجسم مانتے تھے اور بعض اس کی صفات کو ایک مفہوم کی حد تک سمجھتے اور ان کی حقیقت سے صاف انکار کرتے۔ ائمہ حدیث نے صفات کی حقیقت کو تسلیم فرمایا اور تشبیہہ اور مماثلت کی نفی فرمائی۔ یہی معتدل راہ تھی۔

قیاس کے ہمہ گیر اثر نے نصوص اور صحیح احادیث کو بے کار کر کے رکھ دیا اور ظاہریت کی طغیانی نے قیاس کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ حالانکہ نظائر اور ملتی جلتی چیزوں کے احکام بھی باہم متشابہ رہنے چاہئیں۔ عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہے قرآن حکیم نے انزل الکتٰب بالحق والمیزان فرما کر قیاس کے اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ حافظ ابن حزمؒ کی "محلّٰی" کے بعض قیمتی مباحث اہل حق کی آنکھوں کے لیے نور ہیں۔ لیکن بعض مضحکہ خیز توجیہات بھی اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ جہاں وہ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کو تو منع فرماتے ہیں۔ لیکن پاخانہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اہل حق کے موقف کی پوری وضاحت فرمائی ہے۔ قیاس کی سمیّت کا یہ اثر تھا کہ مسکرات اور محرمات کی جزوی رخصت دے کر حرام کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ نبیذ اور طلا وغیرہ کے مباحث فقہاء رحمہم اللہ کی مستندات میں مرقوم ہیں اور منکرین قیاس نے پاخانہ کی نجاست کو پیشاب سے بھی کم تصور فرمایا۔ اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ میزان اہلحدیث

کے ہاتھ میں ہے جنھوں نے نبیذ اور طلاء کا فیصلہ "کل مسکر حرام" کی روشنی میں کیا۔ مسکر کا استعمال تو کہیں رہا۔ اس کی صورت کو بدل کر سرکہ بنانے کی بھی ممانعت فرما دی اور نجاست کے معاملہ میں پیشاب وغیرہ اور نجاستوں کا ایک ہی حکم تصوّر فرمایا قیاس صحیح کا بھی یہی تقاضا تھا اور نصوص کا بھی یہی مفاد۔

اہلحدیث اور باقی تحریکات :

عموماً تحریکات وقتی تقاضوں کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اس لیے وقتی اور مخصوص مقاصد کی تحصیل کے بعد ان تحریکوں کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً خاندان نبوّت کے ہوا خواہوں نے سمجھا کہ خلافت کا حق موروثی طور پر اسی خاندان کو ملنا چاہیئے۔ اس لیے اہل بیت کی طہارت وعصمت میں غلو کیا گیا۔ حضرت علیؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وصی قرار دیا گیا۔ نماز اور اذان تک اسی مقصد کے مطابق تبدیل کر دی گئیں۔ لیکن جب اموی اقتدار نے محمد بن الحنفیہ جیسے خاندانی لوگوں کو یزید کی دوستی پر مجبور کر دیا تو تحریک کی معنویت ختم ہوگئی اور اس کے انقلابی ارادے عدم کی نظر ہوگئے۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے تحریک کو عقیدے اور مذہب کا رنگ دے دیا اور اس طرح یہ وقتی مسئلہ ہمیشہ کی تفریق اور دشمنی کا موجب ہو گیا۔ لیڈروں کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی یہی صورت تھی جس کے نتیجہ میں اہل بیت کا تقدس بڑھ چڑھ کر بیان کیا گیا۔ ان کی قبریں پُجنے لگیں۔ مجلس عزا نے ایک جشن کی سی صورت اختیار کر لی اور ماتمی جلسہ تقریب شاہی کی نمائش کرنے لگا۔ تحریک مقصدِ حیات کے لحاظ سے ختم ہوگئی لیکن لازوال دشمنی اور تفریق کی ایک بیماری سی اُمت میں چھوڑ گئی۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ اور سنّی مسلمان میں ایک نوع کا بعد سا پیدا ہو گیا۔

خوارج نے اس غلو کو توڑنا چاہا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ بیت بشری نقاضوں سے بالا نہیں ہیں۔ نہ وہ معصوم اور بے گناہ ہیں اور نہ غلطیوں سے محفوظ۔ بلکہ فی الواقع ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں اس اظہارِ بیان نے غلو کی صورت اختیار کی اور اہل بیت کی تکفیر تک نوبت پہنچ گئی۔ اہل بیت کے اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ تحریک کی عملی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے اسے بھی مذہب اور فلسفہ کا رنگ دیکر ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھ دی۔ جس کا اسلام سے بہت کم تعلق ہے۔

متکلمین و مبتدعین

اسی طرح بعض عقل پرست حضرات نے اسلام کو اصطلاحی عقل اور عرفانی فلسفہ کے ساتھ آمیز کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اعتزال اور جہمیت پیدا ہوئی خلق قرآن اور صفت باری کی عینیت اور غیریت کے بے ضرورت مباحث پیدا ہو گئے۔ اسلام کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے اسلام کے بعض اساسی اور بنیادی مسائل کا انکار کیا جانے لگا۔ ہمارے متکلمین پر حافظ ابن قیم ؒ کی یہ پھبتی کس قدر صحیح ہے :

لا للاسلام نصروا ولا للفلاسفة کسروا (قصیدہ نونیہ)

"نہ اسلام کی مدد کر سکے اور نہ فلاسفہ ہی کی یورش کا مقابلہ کر سکے۔"

آخر علماء اسلام اور ائمہ حدیث نے جب یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا، اور یونانی فلسفہ کے وکیل مقدمہ ہار گئے اور ائمہ سنت نے مدافعت کی بجائے فلسفہ پر براہ راست حملے شروع کئے تو اعتزال و جہمیت ایسی تحریکیں اور متکلمین کی موشگافیاں ہی ختم ہو گئیں اور یہ تحریک بھی صرف کتابوں کے اوراق کی زینت بن کر رہ گئی۔ غرض ہر وقتی تحریک کا یہی حشر ہوا اور وہ اپنا کام کر کے یا ناسازگاری

حالات کے اثر سے بے اثر ہو گئی۔

معمر ترین تحریک :

اس سارے عرصہ میں تحریک اہلحدیث بدستور کام کرتی رہی۔ اس میں ایسی جامعیت تھی کہ اس کے خدمت گذاروں کو دنیا کے ہر گوشے میں کام ملتا رہا اور ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ پہلی صدی ہجری میں حفظ اور کتابتِ حدیث دوسری میں تدوینِ حدیث اور تصنیف و تالیف کی تاسیس کے کام۔ اس کے علاوہ اعتقادی اور عملی بدعات سے دست بدست لڑائی۔ ان بدعات نے جن چور دروازوں کو تخریبِ اسلام کے لیے کھولا تھا، ان کی نگرانی اس کے ساتھ مسلمانوں کے جماعتی شیرازہ کی حفاظت تاکہ بیرونی حملوں سے اسلام کی سیاسی قوت تباہ نہ ہو جائے۔ یہ وہ دور اندیشیاں ہیں جن کے نتائجِ فکر نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے بحرِ ذخّار کو بار بار جیل جانے پر مجبور کیا۔ پھر بوقتِ ضرورت اسی حکومت کی حمایت میں جس نے شیخ کو جیل بھیجا، ایک سپاہی کی طرح میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے نظر آتے اور ہلاکو اور چنگیز کی فوجوں سے برسوں سینہ سپر رہے۔ یہ اعتدال مزاج اور حفظِ مراتب کے وہ عظیم الشان کارنامے اور فوق العادت کام ہیں۔ جو شاید ائمہ سنت اور اربابِ حدیث ہی کا حصہ تھا اور یہ تحریک سب سے معمر، اور قدیم ترین تحریک ہے، جو ان فتنوں سے عہدہ برآ ہو کر زندہ رہی کیونکہ یہ تحریک نہ وقتی تھی نہ ظروف و احوال کی پیداوار بلکہ اس کا مقصد :

پورے اسلام کی خدمت تھا

فتح ہند اور اہلحدیث

سب سے پہلا قافلہ جو فاتحانہ حیثیت میں ساحلِ ہند پر وارد ہوا — وہ اہلحدیث کا تھا۔ آج بھی سندھ میں شیخ بدیع الدین اور ان کا خاندان، ایک عظیم الشان مکتبہ جس میں حدیث اور رجال کا بے نظیر ذخیرہ موجود ہے، قرونِ ماضیہ کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اس وقت گو سندھ میں اہلِ توحید کو وہ قوت حاصل نہیں لیکن تاریخ کے اوراق ان کی خدمات کو نہیں بھول سکتے۔ اسی طرح مغل فاتحین بھی اسلامی سادگی اور دینِ فطرت کی روشنی سے زیادہ فارسی تہذیب سے آشنا تھے

اس لیے ہندوستان میں اسلامی سادگی اور کتاب وسنت کی تعلیمات کا زور زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور نہ ہی خدام حدیث کی اس قدر کثرت ہو سکی جس قدر بعض دوسرے ممالک میں تھی۔ شیخ علی المتقی صاحب کنز العمال اور شیخ محمد طاہر مؤلف مجمع البحار۔ شیخ مجدد احمد سرہندی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہم اللہ اس وقت مغتنمات میں سے تھے۔ اکبری فتنوں کے سامنے کوئی طوطی کی آواز کو سُنے یا نہ سُنے مگر طوطی نے اپنا فرض ادا کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس وقت اہلِ حق کس قدر کمزور تھے۔ شیطانی طاقتیں کسقدر جمع ہو رہی تھیں۔ فتنوں کا سیلاب کتنا تباہی خیز تھا۔ حکومت کا لادینی جذبہ اہلِ حق کے لیے کتنی مصیبت کا باعث تھا۔ اعراس اور موالید کو بعض لوگوں نے اسلام کا بنیادی مسئلہ سمجھ رکھا تھا۔ [تاہم ان بزرگوں نے ان بدعات پر کڑی نکتہ چینی کی۔ غیر اسلامی رسوم اور غیر اسلامی نظریوں کے خلاف ان مجددینِ وقت کی پُرشکوہ آواز فضاء دہر میں گونجتی رہی رضی اللہ عنہم وارضاہ۔

بدعی استیلا

اس ناخوشگوار ماحول نے اکبر ایسے ملحد انسان پیدا کر کے اہلِ حق کے لیے فضا کو اور بھی مکدّر کر دیا۔ ملّا مبارک کا خانوادہ اسی ظلمت کدہ میں ظلمات بعضہا فوق بعض کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ایک بدعی ابتلا تھا، جس کے لیے ایک تیز مسہل کی ضرورت تھی، جس کا نسخہ نوشاہ ولی اللہؒ نے کیا اور آخری تدبیر کار کے لیے کارکنانِ قضاو قدر نے صاحب سیف وقلم حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا۔ جن کی مساعی نے مریض کو موت وحیات کی کشمکش سے نکال کر صحت کے آثار نمایاں فرما دیئے۔

اس وقت جماعت کے سامنے سب سے اہم اور پہلا مقصد یہ تھا کہ :۔

وہ ہندوستان میں ایک دینی حکومت قائم کرے جس کے ارباب اقتدار صحابہ کرام کی سیرت رکھتے ہوں جن کے اسلام پر غیر مسلم اقلیتیں مطمئن ہوں۔

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ظالم کا بدلہ مظلوم سے لیا جائے۔ ایسی سفاکانہ حرکتیں غیر مسلم تہذیب گوارا کر سکتی ہے۔ اسلام اسے قطعاً برداشت نہیں کرتا۔

دوسرا مقصد عملی بدعات کے خلاف جہاد تھا۔ اس وقت کے سُنّی بھی عجیب و غریب تھے۔ اہلِ سنّت کے گھروں سے تعزیہ کے جلوس نکلتے تھے۔ عشرۂ محرم میں سُنّی بھی سوگوار رہتے حالانکہ ہمارے ہاں ایسے سوگ تین دن سے زیادہ نہیں، سالہا سال تک سوگ اسلام کا طریقہ نہیں، محترم کی نیاز اس ماہ میں نکاح کی ممانعت اسلامی حکم نہیں

اعتقادی خرابیاں: قبر پرستی، مزار پرستی کا عام رواج تھا۔ اخلاق کا یہ حال تھا

بازاری عورتیں گانے بجانے کے لئے اچھے اچھے شریف گھرانوں میں آتی تھیں، اور پورے معاشرے میں اسے کبھی برا نہیں منایا جاتا تھا۔

ارکانِ اسلام عموماً متروک تھے۔ قبور اور مشاہد کے طواف حج کعبہ کا نعم البدل تھے تعلیمی اداروں کا زیادہ زور منطق اور یونانی فلسفہ پر تھا۔ علومِ سنت قطعاً متروک تھے۔ ربع مشکوٰۃ تبرّکاً طلبہ دیکھ لیتے۔ اصلاحِ حال کا سارا بوجھ صرف ایک بندۂ خدا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان پر تھا۔ قرآن کے ترجمہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مصیبت برپا کر دی۔ طاغوتی طاقتیں سارے معمورہ میں پھیل رہی تھیں۔ شیطان ننگا ناچ رہا تھا، اہلِ حق مجبور تھے کہ مصلحت اندیشی سے کام لیں۔

نتائج و عواقب

نظامِ حق کی اشاعت کے لئے سنتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق سید شہید نے حضرو میں نفری جنگ لڑی جس میں بظاہر ناکامی ہوئی اور بقیۃ السلف پنجاب اور پورے ہندوستان میں پھیل گئے۔ انگریز نے عیارانہ طور پر تحریک کا تعاقب کیا۔ تحریک خفیہ (انڈر گراؤنڈ) ہونے پر مجبور ہو گئی اور جماعت کے کام میں خلفشار سا ہو گیا۔ پنجاب میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی انگریزی حکومت سے تعاون کے حق میں تھے اور بظاہر وہ انگریزی نظام کے ثناخواں ——— جس کا سب انگریزی حکومت کا تشدد اور سخت گیری تھا اور بعض لادینی تحریکوں کا نشو ونما قادیانی اور آریہ سماجی تحریکات کا انگریز کے سہارے زندگی بسر کرنا اور اسکے ساتھ ہی اہلِ حق کی چغلخوری ان لوگوں کا شیوہ تھا۔ اس لیے مجھے یہ ناخوشگوار اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ مرحوم مولانا محمد حسین صاحب جید عالم اور دور اندیش مفکر ہونے کے باوجود اپنے دوسرے رفقاء کی طرح مقامِ عزیمت پر

قائم نہ رہ سکے۔ حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ حافظ عبد المنان صاحب مرحوم و مغفور وزیر آبادی، لکھوی علماء کرام اور بعض دوسرے اہل فکر صرف قرآن عزیز اور حدیث شریف کی نشر و اشاعت پر قانع ہو گئے۔ ان بزرگوں کے اثر سے قرآن و حدیث کے درس جا بجا کھل گئے۔ اعتقادی و عملی بدعات ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگیں والحمد للہ علیٰ ذالک۔

مصائب و آلام کے جس سیلاب سے تحریک اہلحدیث کو اس وقت گذرنا پڑا، دریا شور کی سیر جس طرح ہمارے اکابر کی جو جیل کی اذیتیں ان بزرگوں نے سہیں آج لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مجاہدین کا گروہ :

حضرت مولانا عبد العزیز رحیم آبادی۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب غازی پوری صوفی ولی محمد صاحب فیروز پوری۔ مولوی اکبر شاہ سخانوی۔ مولانا عبد القادر قصوری مولانا فضل الٰہی صاحب رحمہم اللہ بدستور نظام اسلامی کی اقامت کے لیے کوشش فرماتے رہے۔ یہ کوششیں خفیہ طور پر جاری رہیں اور عام حریت پرور تحریکات میں جماعت کی اکثریت کام کرتی رہی۔ خلافت، کانگریس، احرار، مسلم لیگ وغیرہ جماعتوں میں اہلحدیث نے صرف اسی نقطۂ نگاہ سے کام کیا کہ اس ملک میں کلمۃ اللہ کو بلند کیا جائے اس مجاہدانہ تحریک کو ناکام کرنے کیلئے یورپ کے مدبر پوری کوشش سے سرگرم تھے اور یہاں اقامت دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کیلئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور انکے خاندان کی مساعی کار فرما تھیں اور اصلاح حال کا سارا بوجھ اسی مختصر جماعت پر تھا جن کے پاس دولت ایمان کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اس کے علاوہ ملک کے شکست خوردہ ذہن "وہابی" کے لفظ سے اسقدر بدکتے تھے۔ کانہم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ۔

مناظرانہ سرگرمیاں!

بعض بزرگوں نے مناظرات کی راہ اختیار کی، وقتی خطرات کے لیے یہ ایک مفید علاج تھا۔ ممکن ہے ان کی افادیت میں کسی دوست کو اختلاف ہو لیکن وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ان کے مفید ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا قادیانیت اور بعض دوسرے فرقوں نے عوام میں جسطرح بدعی خیالات کی اشاعت کرنی شروع کی تھی۔ اگراس کا بروقت علاج نہ کیا جاتا، توآج پانی سر سے گزر گیا ہوتا۔ اگرصورت حال کو جلد از جلد درست نہ کیا جاتا تو قادیانیت ایک عظیم فتنہ کی صورت اختیار کرلیتی۔

نصف صدی کی یہ کوشش یقیناً ان فتنوں کے دفاع میں کافی مفید ثابت ہوئیں ورنہ انگریز بہادر کی عطا کردہ نبوت آج ایک مصیبت بن چکی ہوتی۔

میرا مقصد ان گذارشات سے جماعت کی ان خدمات کا مختصر سا جائزہ لینا تھا جو جماعت نے مختلف طریقوں سے ادا کیں تاکہ عامۃ المسلمین اس بات کا اندازہ لگاسکیں کہ اس تحریک نے اسلام کے لئے کیا کچھ کیا اور ماضی اور مستقبل کی تحریکات اور اس تحریک میں کیا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اتفاق، خلوص اور عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مفید تر ثابت ہوسکیں۔

برِّصغیر پاک وہند میں

اہلِ توحید کی سرگرمیاں

پاکستان میں کچھ عرصہ سے اہلِ بدعت نے انگڑائیاں لینی شروع کی ہیں، ادب کے نام سے شرک، توسّل کے بہانہ سے ماسوی اللہ کی پرستش، شفاعت کے عنوان سے غیر اللہ کی پکار عرب وعجم میں اہلِ بدعت اور ارباب شرک کا شیوہ رہا ہے - یہی صورتِ حال پاکستان میں دہرائی جا رہی ہے!

آبار کی جامد تقلید کے سہارے اور عوام کی جہالت کے کھونٹے پر ہمیشہ مشرکانہ رسوم اور بدعات کو زندگی کا بہانہ ملا - خاندانی رسوم اور عادات سے عوام کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً جو تعلق ہوتا ہے اُسے اللہ کی یہ مخلوق توڑنا نہیں چاہتی ـــ اِن عادات کو دراصل عوام آبا و اجداد کی یادگار اور ان کے نام کی زندگی سمجھتے ہیں اس لیے وہ دانتوں کی پوری قوت سے انہیں بچانے کی کوشش کرتے ہیں - کتاب وسنت اور انبیار علیہم السلام کے گرامی قدر ارشادات بھی انہیں روکنے میں بعض وقت کامیاب نہیں ہوتے - یہی تقلید جامد ہے جسے ایمۂ اسلام اور قائدین سلف نے شرک کہنے میں بھی حجاب محسوس نہیں فرمایا -

آنحضرت فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب سے شرک کی بستیوں کو ویران فرمایا اور مشرکین کی جمعیتوں کو پارہ پارہ کیا اور تقلید آبار اور مشرکانہ جمود کی کمر کو توڑا اس وقت سے بدعی رسوم اور مشرکانہ عادات کے لشکروں میں انتشار رونما رہا، اور ان کے حامیوں کو جمعیت نصیب نہ ہو سکی -

اسلام سے قبل اور اسلام سے بعد شرک اور بدعت کو فروغ ہوتا رہا۔ اعوان و انصار بھی کم وبیش ملتے رہے مگر اہلِ حق کے مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی اور نہ استدلال و براہین سے مقابلہ کا حوصلہ ہو سکا۔

مغل سلاطین کے آخری دور میں محل سرائے میں ہندو رسوم اور شرک و بدعت کے لیئے ماحول بے حد ساز گار کر دیا تھا۔ رفض و برہمنیت کے جوڑ توڑ سے قرآن وسنت اور سلف کے مکتبِ فکر کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ فتنہ، اس قدر بڑھ چکا تھا کہ علماء کی معمولی کوششیں کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتی تھیں۔ وقت کسی بہت بڑی قربانی کا متقاضی تھا۔ رفض کا سازشی مزاج نمایاں ہو چکا تھا اور شرک وبدعت کی سرپرستی کے لیے ولایت سے انگریزی فوجیں کلکتہ کے ساحل سے اُتر کر دہلی تک پھیل چکی تھیں۔ اس جوڑ توڑ سے اولیاء الشیطان اور اساطین شرک وبدعت کو جسقدر مدد مل سکتی تھی اور جس حد تک وہ مضبوط ہو سکتے تھے۔ ظاہر ہے یہاں معمولی علماء کی دال نہ گلے تو تعجب نہیں۔ ایسے وقت میں اہلِ حق کو یا تو پوری قوت سے میدان میں اُترنا چاہیئے یا پھر قوتِ اعجاز کا انتظار کرنا چاہیئے۔

ایک قریشی خاندان :

موت وحیات کی اس کارگاہ میں وقت کی آواز کے مطابق ایک نجیب الطرفین قریشی خاندان مقتل کی پوری فضا پر قابض ہو گیا۔ اس قربانی کی داغ بیل گیارہویں صدی کے آغاز میں ایک العمری فاروقی نے ڈالی تھی۔ جس نے تجدید کی شان سے شیطان کے لشکروں کو للکارا۔ اس نے اپنی بے پناہ قوت سے شاہ جہان اور جہانگیر کے تاج کو جھنجوڑا۔ اس نے حاکموں کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر للکارا کہ یہ تخت و تاج تمھارے ابا کی میراث نہیں - یہ میرے رحمان اور قہار رب کا عطیہ ہے - اگر تم اس کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرو گے تو یہ تخت و تاج تم سے بزور واپس لے کر کسی اور کے سپرد کیا جائے گا - ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم - رحمانی طاقتیں قہاریت کے رنگ میں ظاہر ہوں گی -

اس مقدس انسان نے پوری سنجیدگی سے کہا - تخت و تاج عوام کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہے - اللہ کی کتاب اور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی نگہداشت کے لیے ہے - جو یہ خدمت نہیں کر سکتا اسے خود بخود یہ کرسی خالی کر دینا چاہیئے - اس تخت و تاج کا مقصد خدمت ہے ریاست نہیں، یہاں غلامی مطلوب ہے شہزادگی مقصود نہیں - اس بادشاہت کا یہ منشا نہیں کہ اللہ کی مخلوق تمہاری تعظیم کے لیے سربسجود ہو اور تمہاری گردنیں رعونت سے تنی رہیں، تم رقص و سرود اور فسق و فجور میں زندگی بسر کرو اور مخلوق تمہارے سامنے کورنش بجا لائے -

اس اخلاص بھری آواز کا جواب قلعہ گوالیار میں قید اور کئی سال تک نظربندی کی صورت میں دیا گیا ـــــ لیکن یہ استبداد دیر تک نہ رہ سکا - آخر جیل کے دروازے کھولنے پڑے - نظربندیوں کے تار، تار تار ہو کر رہے اور سچائی کے سامنے جھکنے کے سوا چارہ نہ رہا -

امام ربانی کے مکتوبات اور مجدد اعظم کی تعلیمات نے جو صور پھونکا تھا اس نے بتدریج حشر کی صورت اختیار کر لی اور ایک پورا خاندان اصلاح حال کے لیے میدان میں آ گیا - اس نے ابلیس کو چیلنج کیا کہ وہ راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ جائے، خدا سے جنگ کا نتیجہ اچھا نہیں -

حکیم الامت شاہ ولی اللہ

اس کارزار کے معرکہ میں اسلامی عساکر کی رہنمائی کا ذمہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لیا۔ انہوں نے حکیمانہ انداز سے پورے ماحول پر نگاہ ڈالی۔ انھوں نے مغل بادشاہوں کی عیاشیوں کو دیکھا اور انہیں اس سے دُکھ ہُوا۔ ان کے محلوں کی بدعات کو دیکھا تو انہیں رنج ہُوا۔ انہیں خواجہ سراؤں کی بدمعاشیاں اور داشتہ عورتوں کی عصمت ریزیاں معلوم تھیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مغل خاندان اپنی زندگی کے حق کھو چکا ہے۔ اس کی بساط کو زود یا بدیر لپٹنا ہے۔

انہوں نے ان جاہل بادشاہوں کی معذوریوں کو بھی دیکھا۔ اُنہیں محسوس ہو رہا تھا کہ رفض نے حبِّ اہلِ بیت کے نام سے کتنا وسیع جال پھیلا رکھا ہے اور یہ ناخواندہ بے خبر شہزادے کس طرح اس کا شکار ہو رہے ہیں جیسی برہمنوں نے کیسے ڈھونگ رچا رکھا ہے اور یہی حال اس سے عام علما راور پیشہ ور فقرا کا تھا۔

پھر گیارھویں صدی کے آغاز میں جہاں گنتی کے چند ابلیس تھے اب پڑھے لکھے شیطان ہزاروں کی تعداد میں پھیل رہے ہیں جو برائی کو پھیلانے کے لئے پرانے لوگوں کی جگہ سنبھالنے کو منتظر بیٹھے تھے یعنی اس وقت ہزاروں فتنے صرف لمحوں اور گھڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ شاہ صاحب کو دُکھ بھی ہُوا، اور ان لوگوں پر رحم بھی آیا۔ اس لیے اس وقت کے مجدد کی آواز میں کڑک کی بجائے ایک لوچ تھی۔ اب للکار نہیں بلکہ ایک سُلجھی ہوئی پکار تھی۔ اسے اس بھٹکی دنیا پر رحم آیا۔ اس نے پُورے ماحول کا جائزہ لیا۔ وہ کبھی تصوّف کی زبان میں بولا اور کچھ لوگوں

نے سمجھا کہ چھٹی صدی کا غزالی تزکیہ قلب کا پیغام لے کر آیا ہے۔ کبھی وہ پانچویں یا چوتھی صدی کے فقہی جمود کی زبان سے بولا۔ لوگوں نے جانا۔ فقہی فروع کا ماہر اور ایئمہ فقہ کے اجتہاد و استنباط کا بہترین ترجمان دنیا سے ہمکلام ہو رہا ہے۔ کبھی وہ یوں گویا ہوا "فی الجمایہ مسلک فقہاء محدثین پسند او فتاد"۔ دُور اندیش لوگوں نے جانا کہ مسلک سلف کا داعی، فقہی جمود کا محقق و نقاد قرون خیر کا پیغام لے کر دُنیا کی رہنمائی کے لئے آپہنچا ہے۔ غرض ہر گروہ نے اسے اپنا سمجھا اور اسی سے استفادہ کی کوشش کی۔ وہ صحیح معنیٰ میں حکیم الامت تھا۔

شاہ صاحب افراط و تفریط سے بچکر اعتدال کی راہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے ایسی کوشش فرمائیں جس سے کسی ہنگامہ کے بغیر اپنے مقصد میں فائز ہو سکیں۔ لوگ امن کے ساتھ دینِ حق کو قبول کریں۔ دین حق پورے سکون کے ساتھ زندگی کے تمام گوشوں پر قابض ہو جائے شیطان کا لشکر پوری خاموشی سے اپنے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرے۔

یعنی تصوّف اعتدال پر آئے۔ فقہی جمود ذرا ڈھیلا ہو اور ما انا علیہ و اصحابی کے لیے صلح و آشتی سے راستہ صاف ہو جائے دین کا اصل سرچشمہ بہرکیف اللہ کی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کو رہنا چاہیئے۔ ایئمہ مجتہدین کے مکاتب فکر رہنمائی کے فرائض انجام دیں گے۔ خود راہ نہیں بنیں گے، حجۃ اللہ البالغہ مصفیٰ اور مسوی، ازالۃ الخفاء وغیرہ صحف اس کی حکمت بالغہ اس رسائت فکر اس اعتدال فکر کا پتہ دیتے ہیں جو حکیم وقت کو عطا فرمائے گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ انقلاب ـــــ علم و حکمت اور کتاب و سنت کے احیاء اور اقامت دین کا مدرسہ قرار پائے اور :

سرزمین ہند اللہ کے نور سے جگمگا اُٹھے

ابلیس کی فوجیں :

وقت کا حکیم امن کا خواہشمند ہو، درست ہے۔ لیکن شر پسند طاقتیں اسے کیوں کامیاب ہونے دیں۔ ان کے پروگرام کی کامیابی بدامنی میں ہے۔ کشت و خون میں ہے ہنگامہ آرائی میں ہے۔ یہ حضرات قرآن عزیز کے ترجمہ پر ناراض ہو گئے۔ قبر پرستی کی مخالفت سے لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ تعزیہ داری کو اسلام کا شعار ظاہر کیا جانے لگا۔ دنیا کو باور کرایا گیا کہ خدا کی کتاب کو ولی اللہ نہیں سمجھ سکتا۔ اس نے ترجمہ نہیں کیا بلکہ بے ادبی کی ہے۔ انسان کا کہاں مقدور کہ وہ کتاب اللہ کے مقاصد کو پا سکے۔

ان مشکلات کے ہوتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے اس مقصد کے لئے مدرسہ رحیمیہ کی مسند سے کام لیا۔ اس مدرسہ میں اساتذہ کی حیثیت مشین کی نہ تھی، نہ طلبہ وساور کا مال تھا کہ منڈی سے نکلے اور بازار میں مہنگے سستے بک گئے۔ یہ مدرسہ ایک مکتب فکر تھا۔ جس میں تصوف کے ساتھ سنت کو آمیز کرنے کی مشق ہوتی تھی فقہ العراق کے ساتھ فقہ الحدیث کا امتزاج کیا جاتا تھا۔

بہ ظاہر یہ فقہ العراق کی ایک درسگاہ تھی لیکن اس طرح کہ اس پر شیخ علی طاہر المدنی نے حدیث سے اس میں جلا پیدا کر دیا تھا۔ وہاں بدعات کے خلاف خاموش جہاد تھا۔ فقہی جمود میں استنباط اور اجتہاد کی خوشگوار آمیزش ہو رہی تھی۔ یہ مدرسۂ فکر بڑی سنجیدگی سے سنت اور فقہائے محدثین کے مسلک کی طرف ترقی کر رہا تھا۔ اس کے نام اور تلامذہ میں صاحب دراسات اللبیب تھے۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی صاحب ایسے فحول اہلِ علم اس مدرسہ سے فیضیاب ہوئے۔ پھر ہر ایک اپنی اپنی جگہ امت واحدہ تھا۔ وہ اسی مسلک کے مبلغ تھے جو انہیں

جو انہیں اپنے استاد محترم سے ملا تھا۔

"بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ واصولِ فقہ واحادیثے کہ متمسک است قرار داد خاطر بمدد نورِ غیبی روشنی فقہا محدثین افتاد" (اختلاف النبلاء ص ۴۲۹)

ترکِ تقلید اور اہلحدیث

مُدّت سے یہ دونوں لفظ عوام کی زبان پر استعمال ہو رہے ہیں اور انہیں عموماً مرادف سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں دونوں لفظ ایمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کیطرف منسوب مسالک کی پابندی کے خلاف استعمال کئے گئے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جمود کی مخالفت ان ایمہ کرام اور ان کے اتباع نے بھی کی ہے۔ اسکے بعد محقق اہلِ علم ایمہ اربعہ کے ساتھ عقیدت اور ان کے علوم سے استفادہ کے باوجود بعض فرعی مسائل میں ایمۂ اجتہاد سے اختلاف کا اظہار بھی فرماتے رہے۔

امام ابوجعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ) امام ابوابراھیم اسماعیل بن یحییٰ المزنیؒ (۲۶۴ھ) شیخ الاسلام محمد بن قدامہ الحنبلی (۶۰۷ھ) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) وغیرہم ایمہ اربعہ سے بعض کی طرف انتساب کے باوجود ان سے اختلاف فرماتے ہیں اور اس سے ان بزرگوں اور ان کے متوسلین میں کوئی ذہنی تکدر نہیں پیدا ہوتا نہ ان کے علم اور دین میں کوئی حرف آتا ہے۔

علامہ ابوزید عبید اللہ بن عمر بن عیسٰی الدبوسی (۴۳۰ھ) کی کتاب تاسیس النظر میں حضرات ایمہ اجتہاد رحمہم اللہ کے اختلافات کی متعدد صورتیں مرقوم ہیں:

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین میں اختلاف۔

۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف۔

۳۔ امام صاحبؒ، امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ میں اختلاف۔

۴۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف۔

۵۔ امام ابویوسفؒ۔ امام محمدؒ حسن بن زیاد اور امام زفرؒ میں اختلاف۔

۶ - احناف اور امام مالکؒ میں اختلاف۔

۷ - احناف اور امام ابن ابی لیلےؒ میں اختلاف۔

۸ - احناف اور امام شافعیؒ میں اختلاف۔

علامہ دبوسیؒ نے ان کے اصول کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمۂ مجتہدین میں باہم اصولی اختلاف تھے۔ پھر یہ خیال کہ امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ وغیرھم میں تو اصولی اختلاف ہے لیکن انکے تلامذہ میں اصولی اختلاف نہیں، سطحی معلوم ہوتا ہے کسی تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ محض خوش فہمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ سے اسی طرح اختلاف فرماتے جسطرح اساتذہ میں باہم اختلاف موجود تھا۔

حضرات ایمہ اور ان کے تلامذہ کے اختلافات بھی اسی طرح اصولی ہیں جیسے خود ایمہ مجتہدین میں کمی بیشی ہو سکتی ہے نوعیت میں فرق نہیں۔

لفظ غیر مقلد کی ایجاد

معلوم ہوتا ہے اس وقت غیر مقلد کا لفظ یا تو ایجاد ہی نہیں ہوا ہوگا۔ یا پھر بطور طعن اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ ایمہ اسلام صلحاء امت میں مروج نہیں ہوا تھا یا کوئی سیاسی ضرورت ہی نہ تھی جس کے لیے یہ لفظ ایجاد کیا جاتا۔

اسی طرح تقلید بھی کوئی قابلِ فخر لقب نہیں تھا۔ جس کے ترک کو عیب سمجھا جائے یا اس کے ترک پر کم ازکم افسوس ہی کا اظہار کیا جائے بلکہ ایمہ معقول فلاسفہ و متکلمین کے نزدیک چونکہ منقولات کا مقام کسی طرح بھی ظن سے اونچا نہیں، اسلیے وہ ایمہ سنت کو، فقیہہ ہوں یا غیر فقیہہ، مجتہد ہوں یا غیر مجتہد "مقلد" کہتے ہیں اور

حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں دلیل کا انحصار صرف عقلیات پر ہے۔ امام غزالیؒ "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں معتزلہ اور اشاعرہ کے خیالات میں الزامی تقابل اور باہم اکفار و تکفیر کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

کشف الغطاء فیہ فاعلم انہ	"اگر کوئی ان الزامات کے جواب سے
لیس من اہل النظر وانما	عاجز آجائے تو وہ مقلد ہے اور
ہو مقلد وشرط المقلد ان	مقلد سے گفتگو کی بجائے خاموشی
یسکت او تسکت عنہ (ص۱۵)	بہتر ہے۔"

قرون خیر کے بعد عمل اور اعتقاد کی دنیا میں عجیب اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ تقلید یا جمود تو کیا ہوگا۔ اعتقاد اور فروع کے معاملہ میں فکر و نظر اور فقہ و اجتہاد کئی مختلف گوشوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

غسان بن ابان کوفی مرجیہ اور فرقہ غسانیہ کے پیشوا اور امام ہیں اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کے شاگرد ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عیسےٰؑ کی نبوت کے منکر ہیں (الخطط للمقریزی ج ۴ ص ۱۷۱) اور ایمان کی زیادت اور نقصان کے مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہمنوا ہیں یعنی ایمان کی زیادتی اور نقصان کے قائل نہیں۔

فرقہ مریسیہ کے امام بشر بن غیاث مریسی کے متعلق مقریزی لکھتے ہیں:

کان عراقی المذہب فی الفقہ تلمیذ القاضی ابی یوسف یعقوب الحضرمی۔ امام شافعیؒ سے اسکا مناظرہ ہوا، امامؒ نے اس کے خیالات کا مذاق اڑایا اور فرمایا:

نصفک کافر لقولک بخلق	"امام شافعیؒ نے بشر مریسی سے کہا
القرآن ونفی الصفات و	کہ تم آدھے کافر ہو کہ تم قرآن کو

نصفك مومن لقولك بالقضاً والقدروخلق اكتساب العباد (خطط مقریزی ج ۴ ص ۱۷۱)

مخلوق سمجھتے ہو اور صفات باری کی نفی کرتے ہو اور آدھے مومن ہو کیونکہ تم قضاو قدر کو مانتے ہو اور انسانی اعمال کا خالق خدا کو سمجھتے ہو۔"

مقلّد اور غیر مقلّد کی اصطلاح

عقیدت کی اس تقسیم اور عقاید و فروع میں عقیدت کے اس تضاد کے باوجود غیر مقلد یا مقلد کی اصطلاح اس وقت استعمال نہیں ہوئی بلکہ دونوں عقیدتیں معاً چلتی رہیں۔ مسایل پر بحث ہوتی اور مسایل کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف فتوے بھی شاید استعمال ہوئے لیکن اشخاص سے عقیدت اور اسکے تغیر کی بناء پر نہ باہم نفرت پیدا ہوئی نہ ہی ان جوہری اختلافات کے باوجود تنابذ بالالقاب کا شیوہ اختیار کیا گیا۔

وعادت الفتيا اليه وانتهى السلطان والعامة الى بابه فلم يقلد فى ساير اعمال اندلس قاض الا باشارته واعتنائه فصاروا على مذهب مالكؒ بعد ما كانوا على راى الاوزاعى اه

(خطط ج ۴ ص ۱۴۴)

"فتویٰ کا مدار یحییٰ پر تھا۔ سلطان اور عوام ان کے محتاج تھے۔ ان کے خلاف منشا کوئی قاضی مقرر نہ ہوتا تھا۔ اس سے پہلے لوگ امام اوزاعی کے عقیدت مند تھے اب سب مالکی ہو گئے۔"

حکومت اور مذاہب کی ترویج

تقلید کے رواج پا جانے کے بعد مروجہ مذاہب محض علم و تفقہ یا تعلیم و تلمذ

کی بنا پر ہی اختیار نہیں کئے گئے بلکہ اس میں حکومت کے رجحان اور وقت کے سیاسی عوامل کو بھی کافی دخل رہا۔ عہدہ قضا کا بھی ان عقاید وخیالات کی ترویج میں کافی حصہ ہے۔ افریقہ میں عموماً سنّت اور آثار کی پابندی کا رواج تھا۔ عام لوگ مسلکِ اہل حدیث کے پابند تھے لیکن خلیفہ مرتضیٰ بن ہشام بن عبدالرحمٰن (۱۸۰ھ) میں افریقہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ کیثر کو افریقہ کا قاضی مقرر کیا یہ امام مالک کے شاگرد اور ابن وھب (۱۹۷ھ) اور ابن قاسم سے بھی ان کو تلمذ حاصل تھا۔ اندلس میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ ان کے حکم کے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا جاتا تھا اور یہ انہیں علماء کو منتخب فرماتے جو امام مالک کے عقیدت مند ہوتے۔ مقریزی فرماتے ہیں :

اسی طرح جب ہارون الرشید بغداد میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے حضرت امام ابویوسفؒ کو ۱۷۰ھ میں پوری قلمرو کا قاضی مقرر کیا

فلم یقلد ببلاد العراق وخراسان والشام ومصر الامن اشار بہ القاضی ابویوسف رحمہ اللہ واعتنی بہ اھ

(مقریزی ص۱۴۴ ج ۲)

یعنی ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ میں محکمہ قضا کے تمام اختیارات قاضی ابویوسفؒ کے سپرد کر دیئے۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی قاضی نہیں بن سکتا تھا۔"

اس کا اثر یہ ہوا کہ عراق اور اس طرف سے آنے والے تمام فاتح اور مبلغ امام الفقہ العراق سے متاثر ہو گئے اور فقہی مسائل میں امام ابویوسف وغیرہم سے وابستہ رہے۔

یہ سیاسی اور معاشی اثرات ہیں جو دلائل کے علاوہ ان مذاہب کی اشاعت میں مؤثر رہے ہے اور عوام کا تاثر علی العموم انہی وجوہات کا مرہون ہے ورنہ عوام فہم و بصیرت اور دلائل کی قوت ــــ و ضعف سے چنداں آشنا نہیں ہوتے نہ ہی وہ مختلف فیہ امور میں ترجیح دے سکتے ہیں، نہ ہی دلائل میں توازن قائم رکھ سکتے ہیں۔ علماء گو دلائل کی قوت اور ضعف کو سمجھتے ہیں لیکن بیرونی اثرات سے وہ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مدارس اور مساجد کی تاسیس امراء اور ملوک کی کوششوں سے ہوتی اور علماء کو وہاں کام کرنے کیلئے ارباب اقتدار سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہوتا ــــ مقریزی فرماتے ہیں:

فلما انقرضت الدولة الفاطمیة علیٰ ید السلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب ابطل مذاھب الشیعة من دیار مصر واقام بھا مذھب الامام الشافعی ومذھب الامام مالك واقتدیٰ بالملك العادل محمود بن زنگی فانہ بنی بدمشق وحلب واعمالھا عدة مدارس للشافعیة والحنفیة اھ (خطط ج ۴ ص ۱۹۲)

"سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے سرزمین مصر سے شیعی مذاہب کو ختم کر کے وہاں شوافع اور مالکی مکتب فکر کے مدارس جاری کر دیئے جس طرح نورالدین محمود زنگیؒ نے دمشق اور حلب میں شافعی اور حنفی مدارس قائم کر دیئے تھے۔"

اس تاریخی پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہی مکاتب فکر اور عقائد کے اختلافات میں جو فرقے نمودار ہوئے ان میں مختلف مؤثرات کار فرما تھے ــــ بعض اوقات ان کی تبدیلیاں علم نظر استدلال اور تحقیق کی وجہ سے ہوتیں کبھی

ان تبدیلیوں کی محرک معاشی مشکلات تھیں۔ کبھی اقتدار اور ارباب اقتدار کے ساتھ تعلق نے مسلک اور خیالات میں تبدیلی کی صورت اختیار کر لی، اور ابتدائی زمانوں میں یہ تبدیلیاں اس کثرت اور اس عجلت سے ہوتی رہیں کہ ان سے کوئی ہنگامہ بپا نہیں ہوا بلکہ قدرتی یا طبعی معمول تصوّر ہوتا رہا۔ عقائد کی تبدیلیاں بعض اوقات غیر معمولی صورت اختیار کرتی رہیں۔ خصوصاً جب حکومت نے کسی فرقہ کی سرپرستی اور حکومتی سطح پر اس فرقہ کی حمایت کی جیسے مامون الرشید کا طبعی رجحان تشیع اور اعتزال کی طرف ہو گیا۔ اس کے بعد واثق باللہ اور معتصم باللہ نے بھی ائمہ سنت اور علمائے حدیث پر زندگی کی راہیں تنگ کر دیں — کچھ لوگ تو خاموش ہو گئے اور بعض نے ظاہراً ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی اور بعض کھل کر سامنے آ گئے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حکومت سے مقابلہ کیا اور قید و بند کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ ائمہ حدیث پر — یہ مصیبت متوکل علے اللہ کے وقت تک قائم رہی۔ متوکل پہلا آدمی ہے جس نے ائمہ حدیث اور داعیان سنت سے پابندیاں اٹھائیں۔ اپنا رجحان بھی بظاہر ائمہ حدیث ہی کی طرف رکھا لیکن اسکے باوجود کسی کو مجبور نہیں کیا کہ وہ ان رجحانات کو ضرور قبول کرے۔

ان اضطرابات میں بھی تقلید یا ترک تقلید کے الفاظ کو محبت اور بغض کا معیار نہیں قرار دیا گیا نہ اسے وہ اہمیت دی جو آجکل کے اہم علمی حلقوں میں اسے دی جا رہی ہے۔

صداقت کا معیار

عقول کی طغیانیوں اور درایت کی ان بے قراریوں میں صداقت کا معیار

ائمہ حدیث اور علماء سنت ہی تھے۔ جسقدر یہ گروہ حدیث اور علماء حدیث سے قریب ہوسکتا، اسی قدر وہ اپنی صداقت پر ناز کرتے اور نقل روایت میں ان ائمہ فن پر پورا پورا اعتماد فرماتے۔ جاحظ، معتزلی اور ائمہ اعتزال کے امام ہیں لیکن اس وقت کے حوادث میں حضرت عثمانؓ کے حامی اور نبی کو حق پر سمجھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی حمایت میں انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "العثمانیہ" ہے۔ اس کتاب میں علمائے اہلحدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

واصحاب الاثر من شانھم روایۃ کل ما صح عندھم علیھم کان او لھم (العثمانیہ ص۱۵۲)

"یعنی اہل حدیث ہر صحیح چیز کو بیان کردیتے ہیں ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف"

عقائد اور فروع کے اختلاف اور آراء و افکار کی تبدیلیوں کے باوجود، مقلد یا غیر مقلد ایسے القاب کا استعمال بطور واقع ہوتا رہا ہے۔ لیکن بطور عیب اور طعن یا تعریف و توصیف بالکل نہیں ہوا۔ غالباً اس لیے کہ اس وقت وہ سیاسی وجوہ موجود نہ تھے جو آجکل اس تنابز بالالقاب کا سبب بن رہے ہیں۔ عوام تو عوام ہیں، اچھے علماء اور اصحاب التدریس بھی ان القاب کا استعمال مدح اور ذم کی نیت سے فرماتے ہیں۔ قدماء اہل علم میں یہ انتساب بھی ہوتا رہا اور ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں رہے جو کتاب و سنت سے براہ راست اپنی بساط کے مطابق استدلال فرماتے اور ان نسبتوں سے بالکل بے نیاز ہوتے

امام ابوجعفر منصور نے امام مالکؒ کے سامنے تجویز پیش کی کہ مؤطا کو پوری قلمرو میں دستور کی حیثیت دے دی جائے۔

امام مالکؒ نے یہ تجویز مسترد کردی اور فرمایا:

ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفرقوا فی البلاد فافتی کل فی مصرہ بما رأی فلاهل المدینۃ قول ولاهل العراق تحس فیہ طورهم اھ (الدیباج المذہب ص۲۵)

"یعنی صحابہ رضؓ مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ ہر ایک نے ہر شہر میں اپنی صواب دید کے مطابق فتوٰے دیا۔ اہل مدینہ کا بھی قول ہے اور اہل عراق کی بھی ایک رائے، جو ان کے حالات کے مطابق نافذ ہو رہا ہے۔"

امام مالکؒ نے شخصی آراء و افکار کی قانونی پابندی کا انکار فرما دیا — اور مختلف اقوال کی مختلف ممالک میں اجازت دی اور جمود اور شخصی آراء کی پابندی کو پسند نہیں فرمایا۔ خلیفہ ابوجعفر نے اسے معقول سمجھ کر اپنا ارادہ بدل لیا۔

شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن حسین بن خالد (۲۸۲ھ) بڑے عالم اور فقیہ تھے وکان یذهب الی النظر وترك التقلید (دیباج ص۸۷)

شیخ اسماعیل بن اسحاق بن ابراہیم (۲۸۲ھ) کے متعلق مرقوم ہے:

کان من اهل الفقه والحدیث وغلب علیه الحدیث و کان فتیاہ بما ظهر من الحدیث (دیباج ص۹۵)

"یعنی شیخ اسماعیل بن اسحاق فقیہ تھے۔ حدیث کی طرف ان کا زیادہ رجحان تھا اور ظاہر الفاظ حدیث کے مطابق فتوٰے دیا کرتے تھے"

شیخ قاسم بن محمد بن قاسم (۲۰۷ھ) کے متعلق مرقوم ہے:

کان یذهب مذهب الحجۃ: "یعنی دلیل کے پابند تھے۔"

وقت کے بعض مشاہیر کے خلاف کتاب لکھی اس کا نام رد علی المقلد

رکھا۔ (دیباج ص۲۲۲) یعنی

ابوعبداللہ بن محمد شکوال پہلے شافعی تھے پھر اسے ترک کر دیا۔ انکے متعلق مشہور ہے:

کانت لہٗ مذاہب اخذ بھا فی خاصۃ نفسہ خالف فیھا

اہل قطرہ (دیباج ص۲۶۲)

"ان کے کچھ تفردات تھے جن میں وہ اپنے "ہم وطن علماء" کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔"

شیخ ابو محمد عبداللہ الاصیلی (۳۹۲) امام دار قطنی کے استاد تھے — امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے۔

ترک التقلید وکان من اعلم الناس بالحدیث وابصرھم

(دیباج ص۱۳۹) " یعنی آخر میں تقلید ترک کر دی تھی، حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے۔"

طبقات کی کتابوں کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ کثرت سے ملتے ہیں جو مروجہ تقلید کے پابند نہ تھے، دلائل سے تمسک کرتے تھے اور اپنے وقت میں قیادت اور امامت کے مقام پر فائز تھے۔ علماء اور عوام میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آج کی طرح تنفر اور تنابز بالالقاب کا رواج اس وقت موجود نہ تھا — اہل حدیث، اصحاب الحدیث، اصحاب الآثار وغیرہ ناموں سے بوقت ضرورت ان کا ذکر ہوتا تھا۔

جمود اور تقلید کے متعلق اجماع کا دعوٰے جس کا ذکر عام سطحی قسم کے لوگ بلا تحقیق کر دیتے ہیں — درست نہیں۔ یہ درست ہے کہ دونوں رجحان موجود رہے اور علم و نظر کی کثرت یا قلت کے سبب ان میں کمی اور بیشی ہوتی رہی —

طعن و تشنیع کے بغیر لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق عمل کرتے رہے۔ علماء تحقیق بحث و نظر سے مسائل پر گفتگو فرماتے رہے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے اسلام پر عمل کرتے رہے۔

اس طرزِ عمل کے سبب:

اس طرز عمل کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرون خیر میں کوئی اعتقادی فتنہ نہ تھا باہمی رنجشوں سے بعض اوقات اختلافات ہوئے۔ لڑائی اور نزاع تک بھی نوبت آئی۔ لیکن اعتقاد میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ شیعہ سنی نزاع میں تفضیل یا طبیعت کے رجحان گے سوا کچھ نہ تھا۔ بعض واقعات سے مختلف طبائع نے مختلف اثر لیے اور ان اثرات کی وجہ سے کوئی حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور ایسے وقت میں حضرت علیؓ کی خاموشی سے کسی نتیجہ پر پہنچا کوئی حادثہ کربلا اور اس میں صحابہؓ کے طرزِ عمل سے متأثر ہوا۔ اسلام و کفر یا اعتقاد کے بگاڑ کی حد تک معاملہ نہیں پہنچا۔ ان مجادلات کی جو اس وقت ہوئے ہر ایک نے اپنی معلومات اور اپنے نقطہ نظر سے توجیہہ کی۔

دوسری صدی میں جب یونانی علوم سے مسلمان واقف ہوئے۔ ان سے صفات باری اس کی وحدانیت میں شبہات پیدا ہوئے۔ ائمہ سنت نے ان پر کڑی تنقید فرمائی، مصائب میں مبتلا ہوئے۔ حکومت اور بعض ارباب اقتدار بھی اس رَو میں بہہ نکلے۔ ائمہ سنت نے بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔ قید و بند اور کوڑوں کی سزا سے بھی نہ گھبرائے۔ ہر ایک نے فکر و نظر کی ان بدعات سے بچ نکلنے کی کوشش کی۔ ائمہ حدیث اور ارباب سنت کے پاس تو قرآن و سنت موجود تھے وہ ان اضطرابات سے بہت کم گھبرائے بلکہ

مقابلہ کے لیے میدان میں آ گئے اور قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق رہنمائی فرمائی ــــ ائمہ بدعت کے خلاف مجاہدانہ اقدامات فرمائے۔ ذات اور صفات باری تعالیٰ کے متعلق جو ہنگامہ بپا کیا گیا تھا۔ کتاب و سنت کی ہدایات کے مطابق اہل بدعت پر تنقید فرمائی۔ عوام کو بھی سمجھایا کہ وہ ان غلط کار لوگوں سے بچیں۔

جو لوگ کتاب و سنت پر صحیح عبور نہیں رکھتے تھے، اُنہوں نے ان بدعات سے ائمہ سنت اور بعض مخصوص علماء کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کیا۔ اُنکے ساتھ اخلاص و محبت کی بناء پر ان کے خیالات کو اپنا راہنما بنایا، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعتقادی مسائل میں یہ سب حضرات ائمہؒ متفق تھے ــــ اصول عقاید کے سبب سے ان بزرگوں میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ لیکن فروع میں یہ حضرات مختلف تھے۔ عوام ان اختلافات سے متاثر ہوئے، اپنے اپنے بزرگوں سے عقیدت کی بناء پر ان فروعی مسائل کا اتباع کرتے رہے۔

بتدریج اس محبت نے جمود اور تقلید کی صورت اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے خلاف تلخ اور تیز الفاظ کا استعمال ہونے لگا اور نوبت سوئے ادب تک بھی پہنچ گئی۔ مقلدین ائمہ سے متاخرین کی کتابیں اگر آپ مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو اس بے ادبی کی بڑی مثالیں ملیں گی، اور یہ تمام حوالے ائمہ کے اتباع میں آپ کو ملیں گے۔ امام شافعیؒ اور داوٗد ظاہریؒ کو جاہل تک کہا گیا ہے۔ (نور الانوار)

اس تقلید سے اتنا تو فائدہ ہوا کہ لوگ علماء بدعت معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، مشبہہ، مجسمہ، خوارج اور روافض سے بچ گئے، لیکن آپس میں جس محبت کی ضرورت تھی وہ نہ رہی۔ اتباع ائمہ آخری ادوار میں اس طرح الجھ گئے: کان لم تکن بینهم مودة۔

متاخرین کے جمود کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو ابتدا میں ائمہ کی اقتداء سے کچھ نہ کچھ فائدہ مزدر رہوا۔ اس دور میں عقیدت کے باوجود ان ائمہ سے اختلاف بھی ہوتا تھا۔ اس دور کے اہلِ علم تصوف سے گھبراتے تھے۔ نہ تلقین کی آڑ میں جمود کی دعوت دیتے تھے اور نہ اس فقہ اور تحقیق یا تلقین کو تنابز بالالقاب کا موجب بناتے تھے۔ اس تقلید سے اس وقت کے ائمہ تحقیق کو چنداں اعراض نہ تھا۔

ائمہ حدیث اس وقت بھی اپنی روش پر قائم تھے اور اس نوع کی تقلید کو بھی اپنے لیے پسند نہیں فرماتے تھے۔ وہ ان بدعات سے بچنے کیلئے ائمہ سلف کی روش کو کافی سمجھتے تھے۔ اشخاص سے عقیدت ان کے اجتہادات کی انفراداً اور شخصاً پابندی کی بجائے انہوں نے دورِ صحابہ رض کے فکر اور انداز فکر کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا — اور اس کھلی فضا میں رہ کر وہ وقت کی بدعات عقیدہ اور عمل کی محدثات سے محفوظ رہے — جمود کی نفرتوں سے بھی انہیں کوئی دکھ نہ پہنچ سکا۔ یہ لوگ حدیث سے براہ راست وابستہ رہے۔ نصوص کے فہم میں صحابہ اور تابعین کے مقدس دور پر اعتماد فرما کر متاخرین کی فقہی موشگافیوں سے مستغنی ہو گئے۔ اس روش کو غالباً نہ ان کے مخالفین نے غیر مقلدیت کہا نہ انہوں نے اس عنوان کے اختیار میں کوئی فخر محسوس فرمایا۔ دونوں اسے اہلحدیث، اصحاب الحدیث، اہل الاثر وغیرہ عنوانات سے تعبیر فرماتے۔ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کو عزت کی نظر سے دیکھتے۔ درس کی مجالس میں اپنی تحقیق سے طلبہ کو متاثر فرماتے۔ بنا بر دلائل خود مسلک بدلنے میں تامل نہ فرماتے۔ اس تبدیلی کے باوجود نہ ایک دوسرے کے متعلق آنکھیں بدلتیں نہ دلوں میں بغض پیدا ہوتے، اور اختلافات قائم بھی رہتے، گوارا بھی ہوتے اختلاف میں بھی اعتدال قائم رہتا۔

اہلحدیث اور غیر مقلد میں ترادف نہیں!

اس وقت عموماً مخالف حلقوں میں اہلحدیث اور غیر مقلّد دو ہم معنی لفظ سمجھے جاتے ہیں اور اہلحدیث حضرات بھی اسے گوارا کرتے ہیں لیکن واقعتاً یہ درست نہیں۔ اعتقادی بدعات کے دَور میں ایسے لوگ ملتے ہیں کہ وہ حنفی بھی ہیں معتزلی بھی، شافعی، مالکی حتےٰ کہ حنابلہ بھی کلام اور فلسفہ سے متاثر ہونے کے باوجود فروع میں اپنے ائمہ سے وابستہ رہے۔ اشعریت، ماتریدیت کا بھی ان فرعی مسائل ــــــ سے بنیادی فرق تھا۔ لیکن اس وقت بھی اہلحدیث مروج تقلید سے انحراف کے باوجود کلام کی جدید رایوں سے چنداں متاثر نہیں ہوئے بلکہ یہ لوگ ان جدید اعتقادات اور نئی نئی ایجادی تعبیرات سے برسرِ پیکار رہے۔

عقائد اور فروع میں ان کی راہ قدیم اور جدید تشریحات اور تصریحات سے مختلف رہی۔ وہ مثبت طور پر اصول اور فرع میں ائمہ سلف کی روش، ان کے ارشادات اور ان کی تصریحات کے پابند رہے اور منفی طور پر وہ کسی خاص فرد امام یا مجتہد، اس کی آراء کی جامد اور کلی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ اس لیے ہر غیر مقلّد کو اہلحدیث نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ہر اہلحدیث کے لیے ضروری ہے کہ جمود اور تقلید سے الگ رہے۔

ہمارے قریبی دَور کے کچھ ایسے افراد اور طبقات ہیں جنکو ترک تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اہلحدیث نے ان کے خلاف تنقید میں قیادت فرمائی اس لیے کہ ان کا تعلق ائمہ سلف سے قائم نہ رہ سکا اور فہم میں خیر القرون کے طریقہ کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی آراء کو بعض دفعہ ترجیح

دیتے تھے۔ مثلاً

(۱) سرسید احمد خاں بانی جامعہ علی گڑھ بڑے آزاد خیال تھے۔ رفع الیدین اور آمین بالجہر بھی سنا ہے التزام سے کرتے تھے لیکن مستشرقین اور غیر مسلم مشنریوں اور سماجیوں سے مرعوب تھے۔ وہ اسلامی حقائق کی وضاحت میں تقلیدی افکار و نظریات کے پابند تو نہ تھے لیکن معجزات اور بعض دوسرے مسائل میں ان کی آزادی آوارگی کی حد تک تھی۔ اس لیے وہ غیر مقلد تو ہو گئے لیکن وہ اور ان کے ہم خیال ساتھی اہلحدیث نہیں تھے۔ غالباً وہ بھی اس اس لقب کو پسند نہیں کرتے تھے، اور اہلحدیث نے بھی ان کو کبھی نہیں اپنایا۔ بلکہ "اشاعۃ السنۃ"۔ "ضیاء السنۃ" اور اخبار "اہلحدیث" میں ان کے خیالات پر مسلسل تنقید ہوتی رہی۔ اس سے قبل حضرت مولانا سید محمد صدیق حسن خانؒ نے اپنی متعدد تالیفات (مثلاً: حدیث الغاشیہ درج الکرامہ) میں بھی موصوف کی گمراہیوں اور کجرویوں پر آگاہ کر دیا تھا۔

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو بریلوی حنفی ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ حنفی بھی نہ تھے۔ اہل حدیث تو کیا ہوتے۔ البتہ غیر مقلد ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ نہ فقہ حنفی کے پابند تھے نہ وہ صحابہ اور تابعین، ائمہ سلف کی روش پر چلنا پسند کرتے ہیں۔ تنقید حدیث کے متعلق وہ ائمہ حدیث کی بجائے، اپنی ذات کو معیار سمجھتے ہیں اس لیے ترک تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں ہیں۔

(۳) مولوی عبد اللہ چکڑالوی سنا ہے پہلے رسمی حنفی تھے۔ پھر ترکِ تقلید کیساتھ حدیث کی طرف جھکے لیکن انھیں جلد ہی معلوم ہوا کہ ان کا مزاج حدیث پر مطمئن نہیں ہو گا۔ سنا ہے طبیعت میں غلو اور تشقف تھا اور ذہین بھی نہیں تھے

ایسے آدمی کے لیے اہل حدیث ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ وہ اور مولوی حشمت علی مولوی رمضان گوجرانوالہ۔ رشید احمد وغیرہم۔ گجرات، ملتان اور ڈیرہ غازیخان کے منکرین حدیث اور ہمارے ہم عصر غلام احمد پرویز۔ یہ حضرات آوارہ مزاجی کے لحاظ سے صرف غیر مقلد ہو سکتے ہیں بلکہ نفس اسلام کی پابندی سے بھی کافی حد تک آزاد ہیں اس لیے وہ احادیث اور ائمہ سلف کی پابندی خود ہی پسند نہیں کرتے بلکہ قرآن کی مرمت اور ترمیم بھی اپنی خواہش سے فرماتے ہیں۔ ہم بھی انہیں غیر مقلد سمجھنے کے باوجود ——— اہلحدیث نہیں سمجھتے۔ انکار حدیث کے بعد اہلحدیث ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

۴۔ ہمارے پرانے ساتھی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب لائلپوری جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد "اہلحدیث" سے بھی الگ ہو رہے ہیں اور مروجہ تقلیدی مسالک سے بھی ان کا کچھ نمایاں تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ آج کل تقریباً ملا اعلےٰ کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔ وہ کسی لطیف قسم کے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا دینا چاہتے ہیں۔ جو موجودہ اسلام پسند اور دین پرور جماعتوں میں نظر نہیں آرہا۔ اس لئے وہ اصل اسلام کیلئے آج کل کافی پریشان ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی راہنمائی فرمائے۔ ان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے وہ اہلحدیث سے کافی چڑے ہوتے ہیں۔ اور اس غریب جماعت سے خاص طور پر آجکل ناراض ہیں۔ لیکن ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔ البتہ خطرہ ضرور ہے۔ ان کی اس تلقین سے نہ مقلد پیدا ہوں گے ، نہ اہلحدیث البتہ غیر مقلد شاید پیدا ہو جائیں۔ ہماری دانست میں وہ اب بھی اہلحدیث ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں "میں نہیں" ہم انھیں مجبور نہیں کرتے۔ البتہ اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ تفریق عنوان سے نہیں ہوتی

معنون سے ہوتی ہے۔ اور یہ تفریق غالباً آپ کی موجودہ دعوت میں بھی موجود ہے

۵۔ ہمارے ایک مخلص اور پرانے رفیق گجرات میں تشریف رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اسم گرامی کے ساتھ ہمیشہ "اثری" لکھا کرتے تھے۔ توحید و سنت کی حمایت میں بڑی مؤثر تقریریں فرماتے تھے۔ اہلحدیث مجالس میں بڑے شوق سے شامل ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ سے انھیں جدت پسندی کا عارضہ ہوا بعض غیر معروف مسائل میں انھوں نے تفرد ظاہر فرمایا۔ عوام نے ان پر خاموشی کا اظہار کیا۔ اب انھوں نے بعض متواتر اور منصوص مسائل میں جمہور ائمہ اہلحدیث اور اکابر اہل سنت کے خلاف راہ "اجتہاد" اختیار فرمائی اور محنت کر کے حضرت مسیح کا باپ تلاش کر لیا۔ احباب نے کئی دفعہ مطالبہ کیا کہ جماعت اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرے ــ میں سمجھتا ہوں یہ شخصی تفردات کتنے ہی گمراہ کن کیوں نہ ہوں اس سے کوئی جماعتی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے حضرات غیر مقلد تو کہلا سکتے ہیں ــ لیکن اہلحدیث قطعاً نہیں ہو سکتے۔ متعارف اور مسلمہ مسائل سے اگر انحراف کی کبھی ضرورت محسوس ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کتاب و سنت سے تمسک کیا جائے اور اس کے لئے بھی طریقہ سلف یعنی صحابہؓ و تابعین رحؒ و تبع تابعین کا اختیار کیا جائے جیسا کہ حضرت امام احمدؒ نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا تھا:۔

اصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم والاقتداء بهم وترك البدع .... وترك الجلوس مع اهل الاهواء .... والسنة تفسير القرآن وهي دلائل القرآن .... ومن لم يعرف تفسير الحديث ويبلغه عقله

فقد کفی ذالك واحکم لهٗ فعلیه بالایمان به والتسلیم لهٗ -

(طبقات الحنابلہ ص۲۹۱ ج۱)

اور شاہ ولی اللہ رح نے اس جماعت کا تعارف ان لفظوں سے دیا ہے -

ھم الاٰخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعاً بما ظھر من الکتاب

والسنۃ وجری علیہ جمہور الصحابۃ والتابعین الخ

ہر آدمی جو چاہے اس کا نام "تحقیق" رکھ لے، تو ساری دنیا کے اہل بدعت اور ملاحدہ ارباب تحقیق قرار پائیں گے - اپنے رفقاء اور مخالفین دونوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ترک تقلید دوسری چیز ہے اور اہلحدیث دوسری چیز - انہیں مرادف اور ہم معنیٰ نہیں سمجھنا چاہیئے -

مسئلہ تقلید پر تحقیقی نظر

مئی ۱۹۶۵ء کے فاران میں مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے مروّجہ تقلید کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ حضرت الامیر المرکزیہ فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی شیخ الحدیث گوجرانوالہ مدظلہٗ نے اس کے پیش نظر مسئلہ تقلید کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

(حنیف یزدانی)

تقلید کہاں؟

مئی ۱۹۶۵ء کے 'فاران' میں مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے مروجہ تقلید کے متعلق اپنے گرامی قدر خیالات کا اظہار فرمایا۔ مولانا نے اس موضوع پر تلخی اور طنز سے بچ کر اپنا نقطۂ نگاہ پیش فرمایا ہے۔ ہم مولانا کے شکر گذار ہیں۔

مولانا نے تقلید کے لغوی مفہوم سے براءۃ کا اظہار فرمایا ہے۔ امید ہے کہ تقلید عرفی اور اصطلاحی مفہوم پر بھی غور فرمائیں گے۔ اہلِ علم اور دانشمند علماء کو اس پر بھی نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔ دراصل یہ مسئلہ اتنا منجھا گیا ہے کہ انجام کار یہ ایک لفظی نزاع بن کر رہ گیا ہے۔ اصطلاحی مفہوم بھی چنداں دلچسپ نہیں جسے علمی ذہن خوشی سے قبول کریں۔ ایک بحث ضرور ہے معلوم نہیں کب تک رہے۔ جہاں تک نظریہ کا تعلق ہے کسی حلقہ میں بھی اسے قبولیت کا مقام حاصل نہیں۔ دنیا ہر معاملہ میں تحقیق اور بحث نظر کی طلبگار ہے۔ محض سنی سنائی بات کو قبول کرنا سنجیدہ اذہان پر ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔

مولانا نے فرمایا ہے اس کے لیے کوئی اور لفظ ہونا چاہیئے۔ میری ادباً گذارش ہے اسے ختم فرمائیے۔ اب اس کی چنداں ضرورت ہے نہیں اتباع اطاعت کے الفاظ ایسے مواقع میں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں یہ کافی ہیں۔ تقلید کے اصطلاحی مفہوم کو آپ لغوی مفہوم سے کہاں تک الگ رکھ سکیں گے۔ اس میں لاعلمی یا قلتِ علم

تو بہرحال ملحوظ رہے گی۔

تقلید کی تعریف

التقلید، العمل بقول الغیر من غیر حجة (مسلم الثبوت ص ۳۵۰ ج ۲)

التقلید، العمل بقول غیرك من غیر حجة (مختصر ابن حاجب ص ۲۳۱)

التقلید، هو قبول قول بلا حجة ولیس من طریق العلم لا فی الاصول ولا فی الفروع۔ (اصول فقہ خضری ص ۳۵۷)

التقلید، اعتقاد الشیٔ لان فلانا قاله ممالم یقم علی صحة قوله برهان۔ (احکام ابن حزم ص ۴۰)

مذکورہ تعریفات سے فوائد قیود یا تحلیل نحوی مقصود نہیں۔ مطلوب صرف اس قدر ہے کہ تمام تعریفات میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ تقلید بلا دلیل اطاعت اور اقتدار کا نام ہے جس میں علم و استدلال نظر و فکر کی جگہ صرف حسنِ ظن کو دی گئی ہے اور یہ کہ علماء کی نظر میں یہ علم نہیں۔

ظاہر ہے کہ انسان کے قوام میں علم و تحقیق سمویا گیا ہے۔ لاعلمی اور بلا سوچ سمجھے کسی کے پیچھے لگنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ٹھیک اسی طرح غیر معلوم مسایل میں علماء کی طرف رجوع اور تحقیق اسے کوئی بھی ناپسند نہیں کرتا۔ شرک اور اس قسم کے الفاظ اسی وقت استعمال ہوں گے جب دلائل سے صرفِ نظر کر کے محض حسن ظن پر اعتماد کیا جائے اور ایسی باتوں کو دلیل سمجھا جائے جو حقیقت میں دلیل نہیں۔ اگر یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشتراک نہیں تو اسے اور کیا کہا جائے۔

مروجہ مذاہب کی فقہیات میں ایسے مسائل رواج پا گئے ہیں جن کی دلایل سے تائید نہیں ہوتی۔ حسن ظن یا مفروضہ پابندی کی وجہ سے وہ مسایل مسلّمہ اور معمول بہا

ہو گئے ہیں۔ مثلاً مالک کے نزدیک نماز میں کھلے ہاتھ چھوڑنا، شوافع کے نزدیک ایسی لڑکی سے نکاح جو ناکح کی اخلاقی کمزوری کا نتیجہ ہو، احناف کے نزدیک قنوت وتر کا وجوب، خمر سے سرکہ بنانے کی اجازت، رضاع کی مدت اڑھائی سال۔ ان جزئیات میں ہر فریق کی موشگافیاں معلوم ہیں۔ مگر صحیح ہے ان کے متعلق کوئی نص موجود نہیں۔ دینی علماء کے خود ساختہ قواعد یا ان پر حسن ظن ہی کی بناء پر یہ مسائل مروّج ہو گئے ہیں اور الزامات اور مناظرانہ لطائف ضرور کتابوں میں ملتے ہیں۔ لیکن دلائل نہیں۔

تقلید کا لفظ کب استعمال ہوا؟

مولانا نے فرمایا معلوم نہیں تقلید کا لفظ کب استعمال ہوا۔ آج جو غلط فہمیاں اس کی وجہ سے پائی جاتی ہیں۔ اگر علم ہوتا تو یہ لفظ استعمال نہ کیا جاتا ــــــ ملخصاً

سنن دارمی، عقد الجید، حجۃ اللہ، دراسات اللبیب، میزان شعرانی، بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر وغیرہ کتب میں اس کا استعمال ائمہ اربعہ اور صحابہ کے زمانہ میں موجود ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے :

لا تقلدنی رجل رجلا دینہ ان اٰمن اٰمن وان کفر کفر

امام احمد نے فرمایا :

لا یقلدن رجل رجلا دینہ ان اٰمن اٰمن وان کفر کفر (ھ)

لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی وخذ الاحکام من حیث اخذ (عقد الجید طبع مصر ص۵۳)

یعنی کوئی آدمی اپنے دین میں کسی کی تقلید نہ کرے۔

یعنی کوئی آدمی کسی کی تقلید نہ کرے، اوزاعی نہ مالک کی۔

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقلید کا لفظ اس وقت کسی خوشگوار انداز سے استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح غیر مقلد کا لفظ شترِ بے مہار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ دونوں لفظ اچھے معنے میں استعمال نہیں ہو رہے۔

تحقیق کا فطری ذوق

ائمہ اجتہاد رحمہم اللہ کی طرف سے انتساب اور اس میں غایت درجہ تصلب کے باوجود اتباع ائمہ میں ایسے اہلِ علم موجود ہیں جو ہر مسئلہ میں تقلیدی پابندی نہیں کرتے بلکہ تحقیق کی بنا پر اختلاف کرتے تھے۔ مختصر الطحاوی میں ایسے مسائل بڑی کثرت سے ملتے ہیں جن میں طحاوی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف فرمایا ہے۔ معانی الآثار میں بھی اسکی کافی نظائر موجود ہیں۔ تقلید کی مصطلح تعریف کے مطابق ایسے بزرگوں کو مقلد کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ رجحان تقلید سے بے اعتنائی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ، علامہ کاسانی مؤلف البدائع والصنائع اور علامہ سرخسی، قاضی خان، نسفی، ابن قدامہ، ابن تیمیہ، علامہ ابو اسحاق، ابراہیم بن علی بن یوسف صاحب مہذّب، اسی طرح زرقانی، اور باجی، ابن رشد، شاطبی وغیرہم سب اپنے ائمہ کے مذاہب کو روایت اور درایت کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں۔ ان کے طریق استدلال سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ان کے محقق ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس روش کے بعد انہیں اصطلاحاً مقلد کیسے کہا جائے۔ یہ تعریف ان پر کیسے صادق آتی ہے۔ محترم مضمون نگار مولانا عثمانی نے تقلید ثابت کرنے کے لئے ترکِ تقلید کی راہ اختیار فرمائی ہے۔ اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقلید کہاں ہے؟

اہلحدیث یا مخالفینِ تقلید :

جو لوگ ترکِ تقلید کے مدعی ہیں یا انہیں غیر مقلد، لامذہب یا وہابی کہا جاتا ہے۔ آپ حضرات اور ان کی روش میں قطعاً فرق نہیں وہ اپنے موقف کی حمایت روایت اور درایت سے فرماتے ہیں۔ آپ اپنے موقف کی، عملاً کوئی امتیاز نہیں۔ فقہاء محدثین ایمہ، درایت، حفاظ حدیث، آیمۂ اصول سب ان کے خوشہ چین ہیں۔ ان کے علوم سے استفادہ کے سوا کسی کو بھی چارہ نہیں۔ پھر آپ مقلد ہیں۔ اور وہ غیر مقلد معاملہ منکر مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن کا ہے ایک عقیدتمند دریافت کرتا ہے کہ یہ تقلید کہاں ہے؟

آپ نے لفظ تقلید کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا استعمال برمحل نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ پوری اصطلاح ہی بے محل ہے کیونکہ تقلید کی تعریف میں تو عدم علم بطور جزو موجود ہے اور اس کی تصریح ایمہ کے ارشادات میں موجود ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں :

قال ابوعمرو وغیرہ من العلماء اجمع الناس علی ان المقلد لیس معدوداً من اھل العلم وان العلم معرفۃ الحق بدلیلہ وھذا کما قال ابو عمرو رحمہ اللہ فان الناس لا یختلفون ان العلم المعرفۃ الحاصلۃ عن الدلیل اما بدون الدلیل فانما ھو للتقلید۔ (اعلام الموقعین طبع دہلی ص ج ۱)

حافظ ابن عبدالبر وغیرہ اہلِ علم کے نزدیک علماء کا اجماع ہے کہ مقلد کا شمار اہل علم میں نہیں ہوتا۔ علم معرفت الحق مع الدلیل کا نام ہے۔ ابن عبدالبر کی بات درست ہے۔ علم اس معرفت کا نام ہے جو دلیل سے حاصل ہوا، اور دلیل کے بغیر تقلید ہے۔

جمہور شوافع کا خیال ہے کہ مقلد کو فتویٰ نہیں دینا چاہیئے اس لیے کہ وہ عالم نہیں احدھا انہ لا یجوز الفتویٰ بالتقلید لانہ لیس بعلم والفتوی بغیر علم حرام ولا خلاف بین الناس ان التقلید لیس بعلم وان المقلد لا یطلق علیہ لفظ العالم وھو قول اکثر الاصحاب وقول جمہور الشافعیہ (اعلام صفحہ ۱۶ ج ۱)

اکثر شوافع کا خیال ہے کہ تقلید سے فتوےٰ نہیں دینا چاہیئے۔ فتوے کے لیے علم ضروری ہے اور مقلد عالم نہیں ہوتا۔ اکثر احباب شافعی اور حنابلہ کا یہی خیال ہے کہ مقلد فتویٰ نہیں دے سکتا" ابن القیم نے اس ضمن میں اور مسالک کا بھی ذکر کیا ہے۔ غزالی فرماتے ہیں:

انما شان المقلد ان یسکت او یُسکت عنہ (فیصل التفرقہ)

والتقلید لیس بعلم باتفاق اھل العلم (اعلام صفحہ ۲۱۴ ج ۱)

نیز دیکھیے الشافعیۃ الکافیہ ابن قیم سے

العلم معرفۃ الھدی بدلیلہ ۔۔۔ ماذاک والتقلید یستویان

اذ اجمع العلماء ان مقلدا ۔۔۔ للناس والاعمیٰ ھما اخوان

"اہل علم کا اجماع ہے کہ تقلید علم نہیں۔ علم ہدایت مع الدلایل کا نام ہے نہ تقلید علم ہے نہ مقلد عالم"

آپ حضرات بحمد اللہ عالم ہیں اور احساس کہتری سے مرعوب۔ جناب اگر تقلید زمانہ صحابہ یا تابعین میں ثابت فرمائیں گے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ یہ زمانہ بھی نظر و فکر اور علم و بصیرت سے خالی تھا۔ یہ کون سا تحفہ ہے جو جناب صحابہ، تابعین اور ائمہ ہدیٰ کو دے رہے ہیں۔ اپنی نارسائیوں کا اعتراف مناسب تھا۔ اپنی علمی کمزوریاں بھی کچھ سمجھ میں آتی ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ ساری

دنیا اور اکابر امت بھی تقلید کرتے تھے۔ ایمۂ سلف کے متعلق یہ انداز فکر اچھا نہیں۔

متقدمین اور علماء کا حال :

ایک طرف تقلید کے متعلق پہلے اور پچھلے علماء کی یہ تصریحات موجود ہیں۔ دوسری طرف اہل علم کا یہ حال ہے کہ وہ متون اور شروح میں اپنے مسلک کی حمایت کرتے ہوئے قرآن اور سنت سے استدلال فرماتے ہیں۔ بعض مقامات پر جب ایمہ کی بعض تصریحات کو قرآن یا سنت کے خلاف پاتے ہیں تو پوری جرأت سے تصریحات ایمہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ امام محمد، امام ابو یوسف۔ حسن بن زیاد وغیرہ تلامذہ سرخسی، طحاوی رحمہم اللہ کی کتابوں میں ایسا مواد بکثرت موجود ہے۔ جس میں اختلاف کر کے اپنی راہ الگ اختیار کی گئی ہے کہیں نصوص کے فہم میں اپنے امام کی رائے کو معیار سمجھتے ہیں۔ اسکے بالمقابل دوسرے امام کی رائے کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ مجتہد ہیں۔ یہ جرأت تو تحقیق ہی کی بنا پر ہو سکتی ہے

شروح حدیث اور متون فقہ کی شروح میں وہ پوری تحقیق کی داد دیتے ہیں۔ فریق مخالف پر الزامات اور معارضات کی بھرمار کرتے ہیں۔ یہ تحقیق ہے یا تقلید؟

اس کا تو یہی مطلب ہوگا کہ ان حضرات کو عالم ہونے کے باوجود اپنے علم پر بدگمانی ہے۔ وہ تقلید کی دلدل سے نکلنے کی جرأت نہیں فرماتے یا علم و فہم کو تقلید کا نام دے کر عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ غرض تقلید کے مصطلح کے لحاظ سے تو ان حضرات کو مقلد کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تقلید کہاں ؟

ایمہ اجتہاد کو تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ ان کا مقام تقلید کے بندھنوں سے

بہت اُونچا ہے۔ عامی ویسے محروم ہے۔ اس کے متعلق فرمایا گیا ہے:

العامی لامذہب لہ۔

شامی فرماتے ہیں:

قلت وایضا قالوا العامی لامذهب له بل مذهبه مذهب مفتيه وعلله صاحب التحرير بان المذهب انما يكون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذاهب على حسبه الخ

(رد المحتار ص ۲۹۴ ج ۴)

عامی کا کوئی مذہب نہیں۔ اس کا مذہب اپنے مفتی یا شہر کے امام کا مذہب ہوگا۔ دراصل تقلید تو وہ کرے گا جسے تھوڑی بہت بصیرت ہو۔ مذہب کی چھوٹی بڑی کتاب پڑھا ہوا ہو۔ کم علم طبقہ جسے فقہیات ائمہ سے شدبود ہو وہ فقہ ائمہ کی معمولی واقفیت رکھتے ہوں۔ متون اور بعض متعارف مسائل کو جانتا ہو یا مدرسین کی مختصر سی تعداد جو مدارس میں پڑھاتے ہیں ان کو مناسب استعداد بھی ہے لیکن ان کو یقین دلایا گیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد تم کو ماخذ دین سے استدلال اور اخذ کا حق نہیں۔ تم اپنے علم کو لاعلمی سے تعبیر کرو اور مقلد کہلاؤ۔ ان کی تعداد پانچ فی ہزار بھی شاید نہ ہو۔ یہی بچارے تقلید کی تجربہ گاہ ہوں گے۔ اس کا نتیجہ بھی یہی ہوگا کہ یہ چند سو یا چند ہزار آدمی مقلد کہلا سکیں گے۔

اور ایک طالب علم ادب سے دریافت کریگا کہ تقلید پر اجماع کب ہوا، کس نے کیا، کہاں کیا؟ اور ایک ایسی چیز جسکا خارجی وجود ہی عدم کی سرحدوں سے مل رہا ہے جس سے علماء اور عامی دونوں محروم ہوں۔ کہاں ہے یہ علم و عرفان کا ایسا گوشہ جس کی قبول اہل علم کو تو ضرورت ہے نہیں، عوام کی رسائی سے اس کا مقام ویسے ہی الگ ہے۔ اجماعی وجوب کا اثر کونسی مخلوق پر پڑیگا۔ اگر اس کا انکار

کر دیا جائے تو لوگ اس سے کہاں تک متاثر ہوں گے ۔ مجتہد اور عامی اگر اس کے اثر سے بچ نکلیں تو اس کا حلقۂ اثر کہاں تک وسیع ہوتا اور پھر یہ وجوب شرعی ہوتا یا اضطراری ؟

معنی میں لچک

خیال تھا کہ مولانا نے لفظ تقلید میں جسطرح لچک پیدا فرمائی ہے ۔ ان کا ذہن بھی کچھ اپنی جگہ سے سرک کر حالات کی سازگاری میں تعاون کرے گا مولانا کے ارشادات میں وہی مناظرانہ تشدّد ہے جو عموماً ہمارے علماء کا شیوہ ہے علماء کا ایک طبقہ تقلید کو بدعت کہتا ہے ۔ مولانا اسے واجب فرماتے ہیں اتفاق کہاں ہوگا ؟

آسان اور مشکل

اس کے بعد کئی صفحات میں مولانا نے فرمایا ہے کہ آسان مسائل میں تو تقلید کی ضرورت نہیں لیکن مشکل ذوالوجوہ مسائل میں تقلید کے سوا چارہ نہیں اسی ضمن میں مولانا کا ایک فقرہ عجیب ہے " ان تمام معاملات میں اطاعت خالصتہً اللہ اور رسول کی کرنی ہے اور جو رسول کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو تو وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے "

یہ بالکل اسی قسم کا فقرہ ہے جو ہمارے بریلوی حضرات فرماتے ہیں —— ہم اہل قبور اور خانقاہوں کو مستقل بالذات خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان کو خدا کے نائب یا مجاز سمجھتے ہیں ۔ پھر ادب ، وسیلہ ، شفاعت وغیرہ عنوانات کے ماتحت شرک

کی شاہراہیں کھول دی جاتی ہیں۔ آپ اپنے دروس میں دیکھیں۔ آپ حضرات ہمیشہ نصوص کی تاویل فرماتے ہیں۔ ائمہ کے ارشادات اپنے مقام سے کبھی نہیں ہٹتے۔ اطاعت دراصل ائمہ کی ہوئی، پیغمبر تو قیامت کے دن سوچیں گے کہ نصوص کی ان حضرات نے کس طرح مرمت فرمائی اور اس تکلف میں امام کے ارشادات تو اپنی جگہ رہے۔ تاویل کا خنجر احادیث اور نصوص پر چلا۔ اس لیے مستقل بالذات کا تکلف فرماتے تو بہتر ہوتا۔

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے   کہ پیغام خدا گفتند ما را

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت   خدا و جبریل و مصطفٰے را

رہا آسان اور مشکل کا مسئلہ تو یہ دونوں چیزیں اضافی ہیں۔ ہر مشکل میں نسبتہً آسانی پائی جاتی ہے اور ہر آسانی میں مشکل کے پہلو پائے جا سکتے ہیں اس لئے اس تقسیم کا تقلید پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑے گا۔ نہ ہی اس قسم کی تشکیک کسی حقیقت کے لیے معیار بن سکتی ہے۔

بقول مولانا کے قرء کے معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ زمین کی بٹائی بھی۔ بعض ائمہ اسے جائز سمجھتے ہیں بعض اسے نادرست فرماتے ہیں۔ فاتحہ کے متعلق دو احادیث کا محمل صحیح ملنا مشکل ہے۔ حدیث من کان له امام فقرأة الامام له قرأة کا مفاد یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے اور لا صلوٰۃ الّا بفاتحۃ الکتاب کا مطلب ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھی جائے۔ اس میں اشکال ہے حدیث کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس میں تقلید نے کیا سہولت پیدا کی۔

قرء کے دو معنی سے اپنی لاعلمی اور دوسرے بزرگ پر اعتماد کر کے آپ نے اس کا معنی حیض سمجھ لیا۔ شوافع نے امام شافعی پر اعتماد فرما کر اپنی لاعلمی کے بہانہ

سے اس کا معنیٰ مجھ سمجھ لیا۔ اس سے نہ آیت کا معنیٰ صاف ہُوا نہ کوئی لغوی مشکل ہوئی۔ بلکہ حضرات احناف اور شوافع دونوں مضبوط مورچوں میں بیٹھ گئے اور ہمیشہ کے لئے جنگ شروع ہوئی۔ کتب فقہ، ان کے شروح اور حواشی میدانِ کارزار بن گئے۔ قرآن کی خدمت نہ سُنت کی توضیحات میں کچھ اضافہ ہُوا نہ لُغت کو اضداد کے متعلق کوئی اصول مل سکا۔ آسان مقامات میں تقلید کی ضرورت نہ تھی یہ نسخہ بیکار تھا۔ مشکل میں جنگ بدستور جاری رہی۔ اس کو کمی وکاہ برای سے کچھ بھی فائدہ نہ ہُوا۔

اگر انصاف اور حق پسندی سے کام لیا جائے تو ساری کوشش اکارت اور محنت بیکار گئی۔ جنگ بدستور رہی اور میدانِ وغا میں صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکی ۔ بالکل یہی حال اس جنگ کا مغایرہ اور سُورہ فاتحہ کے وجوب اور فرضیت کا رہا۔ نزاع وہیں کی وہیں رہی۔ تقلید اور ترکِ تقلید نتائج کے لحاظ سے یکساں اور برابر رہا۔ اگر تقلید سے اختلاف ختم ہو سکتا تھا تو پھر آپ حضرات ان مورچوں میں کیوں تن گئے ؎

رشتۂ اُلفت میں اگر ان کو پرو سکتا تھا تو
منتشر کیوں پھر تری تسبیح کے دانے رہے

مولانا یقین فرمائیں محض علماء سے استصواب ان کی آراء کو نصوص کی روشنی میں قبول کرنے کو نہ کوئی شرک کہتا ہے نہ گناہ۔ بحث اس وقت ہوتی ہے جب کسی عالم کے فہم کو واجب الاتباع قرار دیا جائے

اور اس سے اختلاف کو شرعاً حرام قرار دیا جائے حتیٰ کہ عالم اور مجتہد سے تعلق توڑ لیا جائے۔ عملاً مرتبۂ رسالت سے کون سی کمی رہ جاتی ہے۔

تقلید مطلق اور شخصی

مولانا نے یہاں تقلید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ہر قسم کو ثابت کرنے کیلئے تقلید کی حدود سے عبور فرمانا پڑا ہے۔ ہم حضرت مولانا کی اس جرأت پر ان کے شکر گذار ہیں اور سوچتے ہیں کہ تقلید کہاں ہے؟ بڑے ادب سے گذارش ہے کہ جناب جسے تقلید مطلق یا تقلید عام فرماتے ہیں یہ قطعاً متنازعہ فیہ نہیں۔ جسکے لیے جناب فکر و نظر کی تکلیف فرماتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شاگرد استاد سے متأثر ہوتا ہے اور ہر بے علم یا کم علم کو کسی عالم کی طرف توجہ کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ ہر عالم اعلم کی طرف اور مفضول افضل کی طرف بوقت ضرورت رجوع کریگا۔ یہ فطرت کا تقاضا بھی ہے اور قرآن عزیز کا ارشاد بھی۔ اس حقیقت سے نہ کسی نے انکار کیا نہ اس کا انکار ممکن ہے بلکہ متأخرین کے علم کی تو بنیاد ہی متقدمین کے علوم پر ہے۔ ہم لوگ اسے تقلید نہیں سمجھتے بلکہ یہ علمی استفادہ ہے۔ ہر ایک ذہن علمی طور پر دوسرے کو مطمئن کرتا ہے۔ دوسرا ذہن تقلیداً نہیں بلکہ تحقیقی طور پر علم و فکر سے متاثر ہوتا ہے۔ اسے تقلید کہنا غلط ہے۔ اگر آپ اس اصطلاح پر مصر ہوں تو ہم اسے خارج از بحث سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ نہ ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ، امام ابو حنیفہ کے مقلد تھے نہ مزنی شافعی کے مقلد۔ یہ ایک تلمیذ کا اپنے شیخ سے تأثر ہے جس کے نتیجہ میں بعض مسائل میں وہ اپنے شیخ سے متفق رہے اور بعض مسائل میں اپنے شیخ سے اختلاف کیا۔ اس کا جو نام آپ رکھیں۔ یہ علمی استفادہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

مولانا کا ارشاد:

"تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک

شخص براہِ راست قرآن وسُنّت سے مسائل مستنبط کرنے کی صلاحیت

نہیں رکھتا تو وہ جسے قرآن وسُنّت کا ماہر سمجھتا ہے اس کے فہم و

بصیرت اور فقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات پر عمل کرتا ہے۔" ص۱۲۱

کلمۂ حق اُرید بہ التمویہ کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مستفید جاہل ہے تو وہ امام یا مسئول کی مہارت کیسے معلوم کریگا۔ اگر مہارتِ علمی کا جائزہ لے سکتا ہے تو وہ اسکی فقہ پر کیوں اعتماد کرے۔ اسکے باوجود حاصل تو یہی ہوگا کہ یہ اعتماد وہی لوگ کریں گے جن کو ذاتی بصیرت اور تفقہ سے حصہ نہ ملا ہو۔

اس کے بعد مولانا نے تقلید مطلق کے اثبات پر جن آیات اور احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اس پر گفتگو کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کا اتباع اور اطاعت تو طبعاً درست ہے۔ گو ایک آیت بھی اس کی تائید نہ کرے لیکن یہاں پہنچکر مولانا کے انداز میں ضیق سا پیدا ہو گیا ہے۔ مزاج میں وہ وسعت نہیں رہی جو ابتدائی سطور میں تھی۔ مولانا اسی سطح پر اتر آئے جس پر مرحوم مولانا مرتضےٰ حسن صاحب دیوبندی رہے اور اسی انداز کے لوگ اس موضوع پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

آیت ۱ : ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ

الذین یستنبطونہ منھم (نساء : ۸۳)

اگر وہ خوف امن کی مصنوعی اطلاعات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے بااختیار صحابہ کے سامنے پیش کرتے تو وہ اس سے صحیح نتائج اخذ فرماتے۔

جصاص وغیرہ نے نقل اقوال کے سلسلہ میں علماء و فقہاء وغیرہ کا ذکر کیا ہے لیکن سیاق اس عموم اور شمول سے اباء کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں مرجف اور ارباب نفاق کی ایک خاصی تعداد موجود تھی جو امن اور خوف کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے۔ اس سے بدمزگی اور بدامنی کا خطرہ ہو جاتا۔ اس حرکت سے اہل ایمان کو

روکا گیا اور ہدایت فرمائی کہ ایسی باتوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر صحابہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیئے۔

اولی الامر کے معنی میں علامہ جصاص کے رجحان کے لیے واقعی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن سورۂ نساء کی آیت میں قرآن کا تقاضا شرعی مسائل اور فقہی موشگافیوں کی بجائے سیاسی افواہوں اور ارجاف کی مساعی کو ناکام کرنا ہے۔ اس لیئے اس آیت کو مصطلح تقلید کی کسی قسم سے بھی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ غایت یہ کہ اس میں استنباط احکام کی اجازت دی گئی ہے اور اسے اولی الامر اور ارباب اختیار کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس رکوع کے بعد دُور تک جنگ کے اثرات اور اہل نفاق کی شرپسندیوں کا تذکرہ چلا گیا ہے۔ اس لیئے اولی الامر سے فقہاء و علماء مراد لینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ جصاص نے مناظرانہ انداز سے دفاع فرمایا ہے جو چنداں وزنی نہیں۔ مولانا اگر اس کے آگے دو تین رکوع ملاحظہ فرمائیں گے تو یقیناً میری گذارش کو صحیح تصور فرمائیں گے لیکن ایام جنگ کے مخصوص حالات کو مولانا اشاعتِ دین کے پرامن حالات پر مسلّط فرمانا چاہیں تو وہ مختار ہیں۔

دوسری آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں، ملک میں جنگ ہو یا صلح، تبلیغ اور اشاعتِ دین، تعلیم و تدریس اور تفقہ فی الدین کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ یہ اہلِ علم، جنگ وغیرہ مشاغل سے واپس آنے والوں کو دین اور اسلام کی باتیں سکھانی چاہئیں۔ اس میں تقلید مروّج کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ درس و تدریس، تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے تاکہ جنگوں کے مشاغل اور کاروبار کے جھمیلوں میں دینی علوم ضائع نہ ہو جائیں اور علم و دانش کی محفلیں ویران نہ ہو جائیں۔ تقسیمِ کار کے طور پر کچھ لوگ اسلامی قلمرو کی حفاظت کریں اور کچھ قرآن و سُنّت میں تفقہ اور ضبط کے لیئے اوقات عزیز وقف کریں۔

جنگ سے واپسی پر عسکری حضرات بھی اپنی وسعت اور استعداد کے مطابق ان علوم سے استفادہ کریں۔ آپ ان تذکیر اور تدریس کی مجلسوں کو تقلید کا عنوان دینا چاہتے ہیں تو اس اصطلاح کی وضع میں آپ مختار ہیں۔ حقیقتہً اس میں تقلید کا شائبہ بھی نہیں۔ کند ذہن آدمی اپنی استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔

جصاص فرماتے ہیں :

وفی ھذہ الایۃ دلالۃ علی وجوب طلب العلم وانہ مع ذلک فرض علی الکفایۃ لما تضمنت من الامر بنفر الطائفۃ (ص۱۹۸ ج ۳)

اس آیت سے طلب علم کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ علامہ جصاص کی نظر میں بھی اس سے تقلید ثابت نہیں ہوتی پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ پورا طائفہ مجتہد ہو۔ اس لئے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے مصطلح تقلید نہیں سمجھ سکتا۔

واتبع[۳] سبیل من اناب الی سے تقلید عام یا تقلید مطلق کا اثبات سینہ زوری اور علمی طغیانی کے سوا کچھ نہیں۔ بیشک من کے مفہوم میں عموم ہے لیکن صلہ میں انابت الی اللہ موجب اتباع سمجھا گیا ہے۔ جسکے مصطلح اجتہاد کو بڑی بات عرفی علوم جاننا بھی ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ پھر جناب اسے تقلید مروج کے لیے کیسے مفید سمجھتے ہیں۔ علیکم بالفقہ والدیۃ والانابۃ الی اللہ والابتھال الیہ مثل ھذہ المسائل اللتی قد انشقت بسببھا عصا الامۃ المرحومۃ وصاروا اشتاتاً۔

اقتدوا[۴] بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (حذیفہ) اس حدیث سے

تقلید عام پر استدلال بڑا ہی تکلف ہے۔ اگر معنت میں اجتہاد کی جرأت فرما کر حضرت اقتداء کے معنی تقلید مصطلح فرما سکتے ہیں تو اسی سے تقلید شخصی ثابت فرمائیں۔ پھر دو ائمہ اجتہاد کا نام تو صراحتہً موجود ہے۔ اگر اس قدر جرأت نہیں تو یہ تکلف بھی چھوڑ دیجئے۔ آپ ایسے اکابر رجال سے استدلال مذاق سا معلوم ہوتا ہے یہ آپ کا ارشاد درست ہے۔ یہاں اقتداء سے مراد صرف انتظامی اور دینی دونوں مراد ہیں اقتدی بفلان تسنن بہ و فعل فعلہ یعنی اطوار اور عادات اور افعال ہیں یا تقلید اتباع اور تتبع پر لفظ بولا جاتا ہے جس طرح مقتدی افعال نماز میں امام کا اتباع بھی کرتا ہے لیکن اگر امام طے شدہ راہ سے انحراف کرے تو اسے تسبیح اور تصفیق سے ٹوک بھی سکتا ہے۔

آپ ایسے اہل علم قطعاً جانتے ہیں یہ مصطلح تقلید سے بالکل مختلف ہے۔ اس تقلید میں ایک عامی مجتہد پر تنقید اور اس کی روش پر اسے ٹوک سکتا ہے۔ کاش! جناب نے اصلاح کے لیے جب قدم اٹھایا ہے تو پرانی مناظرانہ راہوں سے مختلف راہ اختیار فرماتے۔ وہی پرانی اور روندی ہوئی راہیں۔ وہی لقمے جو بارہا چبائے جا چکے ہیں چبائے جا رہے ہیں۔

تقلید مُطلق کی مثالیں:

جناب کا یہ ارشاد درست ہے۔ تقلید عام کی ایسی مثالوں سے جناب مستقل کتاب تیار فرما سکتے ہیں مگر ادباً گذارش ہے کہ ایسی کتاب کی بازار میں دو کوڑی قیمت نہیں ہوگی۔ جناب کے ارشاد فرمودہ چار دلائل کا تفصیلاً علمی محاسبہ کیا جائے تو آخر اس میں کیا ہے۔

و

فقیہہ اور غیر فقیہہ صحابی

اسی طرح صحابہ میں فقیہہ اور غیر فقیہہ کی تقسیم شرمناک ہے اور صحابہ کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار رفض اور تشیع کا بقیہ ہے۔ ائمہ اصول نے قاضی عیسٰی بن ابان کے اسی نظریہ کی تائید فرما کر اعتزال اور رفض کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اس کے بالمقابل علامہ سرخسی کی رائے محقق اور درست ہے۔ کشف الاسرار اور غایۃ التحقیق شرح حسامی میں اس مقام کو ملاحظہ فرمائیں۔ اصول کے طلبہ کو اس سوءِ ادب پر متنبہ فرمائیں۔ آپ حضرات اپنے مصارف پر مدارس میں اعتزال اور رفض کی آبیاری فرماتے ہیں۔ قرآن عزیز کا یہ ارشاد درست ہے: وفوق کل ذی علم علیم (یوسف)

صحابہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں وہ حضرات بلاتخصیص عالم اعلم کی طرف اور مفضول افضل کیطرف رجوع فرماتے۔ بعض اوقات بحث و نظر میں محض توجہ سے ذہن صاف ہوجاتا۔ ذہول دُور ہوجاتا، بات طویل نہ ہونے پاتی — بعض اوقات بحث و نظر کی نوبت آتی۔ حوالہ دینے کے بغیر مسئلہ صاف نہ ہوتا آپ نے کسی قدر غلط فرمایا:

"اور شاید کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہ ہو جس میں اُنہوں نے مسئلہ کی دلیل پوچھی ہو۔"

کوئی پڑھا لکھا طالب علم جس کی دواوین سنت پر نظر ہو، یہ جرأت نہیں کرسکتا جو جناب نے فرمائی۔ فاطمہ بنت قیس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقید کا یہ حال ہے کہ حوالہ دینے پر بھی اطمینان نہیں: لا ندری احفظت ام نسیت۔ حضرت عمار اور حضرت عمرؓ کی تیمم جنابت پر گفتگو۔

حضرت عمار اپنا حوالہ دیتے ہیں۔ حضرت عمر کی معیت بتلاتے ہیں۔ حضرت عمر مطمئن نہیں ہوتے۔ نہ ان کو اظہار حق سے روکتے ہیں۔ اس تحقیق و تفقہ کے دور میں آپ تقلید کی تلاش فرماتے ہیں انا للہ!

متعۃ الحج کے معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کی رائے سے جمہور صحابہ کا اختلاف حوالے سن لینے کے بعد بھی ہر مجتہد اپنی رائے پر قائم رہا۔ آپ فرماتے ہیں حوالہ پوچھنے کا ایک واقعہ بھی نہیں پایا جاتا۔ ع

این چہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

آپ ایسے اکابر سے اس ذہول کی امید نہ تھی۔

استیذان کے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعری سے شہادت طلب کی۔ ابو موسیٰ اشعری مسجد پہنچے۔ وہاں سے ابی بن کعب ان کے ساتھ تشریف لائے جب حوالہ کے ذریعے ابو موسیٰ کی تصدیق ہوئی تو معاملہ ختم ہوا۔ (دیکھو صحیح مسلم ص۲۱۱ ج۲)

آپ حضرات کے ہاں حدیث کا چونکہ صرف دورہ ہوتا ہے۔ سوچنے کا موقعہ کم ملتا ہے۔ ورنہ آپ کے قلم سے یہ فقرہ نہ نکلتا۔ امید ہے آپ اس پر نظر ثانی فرمائینگے۔

○

صحابہ تمام جس طرح عدول تھے اسی طرح وہ سب فقہا بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ کوئی غیر فقیہ تھا نہ غیر عادل۔ قاضی عیسیٰ بن ابان بچارہ کون ہے جو صحابہ رض کو غیر فقیہ کہے۔ یہ حضرت خود معتزلہ کے پیچھے میں پھنس گئے، اصول فقہ میں اعتزال کے جراثیم بشر مریسی اور قاضی عیسیٰ بن ابان وغیرہ کی معرفت آئے۔ اہل علم کے قلم سے صحابہ کے متعلق ایسے الفاظ سن کر دل لرز جاتا ہے۔

آپ نے موطأ امام مالک سے عبید بن ابی صالح کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے دور نخلہ کے لوگوں کے پاس اُدھار گندم فروخت کی۔ پھر انہوں نے خواہش کی کہ اگر وہ متعین قیمت میں کمی کر دیں تو رقم نقد لے لیں۔ زید بن ثابت نے روک دیا وہ رُک گئے۔ لیکن حضرت! ایک عالم جب دوسرے عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے اس کا مقصد یا طمانیت ہوتا ہے یا ذہول کا علاج یا مزید تحقیق۔ صحیح بات معلوم ہونے پر ذہن اسے قبول کر لیتا ہے۔ بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے تقلید سمجھنا آپ ایسے عالم کی زبان سے بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ آخر تقلید جسے آپ نے لوگوں کے لئے اجازت دی "جو قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے"۔ یہ کونسا مقدس تحفہ ہے جسے آپ صحابہ کے لیے ثابت فرما رہے ہیں ابن القیم کی زبان میں اس کی نوعیت جہالت کی ہے ؎

العلم معرفة الهدى بدليله ماذاك والتقليد يستويان

اذا جمع العلماء ان مقلدا للنا س كالاعمى هما اخوان

عہدِ صحابہ میں تقلید شخصی

مولانا نے اس عنوان کے تحت تین دلائل ذکر فرماتے ہیں۔ ان دلائل پر تنقیدی گذارشات سے پہلے تقلید شخصی کا مفہوم مولانا کے لفظوں میں سامنے رکھیں اور غور فرمائیں کہ یہ دلائل مولانا کے مقصد کے لیے کہاں تک مفید ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لیے کسی ایک عالم یا مجتہد کو معین کر لیا جائے اور ہر ایک مسئلے میں اس کی رائے اختیار کی جائے۔

پہلی دلیل { ان اهل المدينة سئلوا ابن عباس عن امرءة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع

قول زید (بخاری مطبوعہ انصاری جلد ۱ ص۲۳۷)

اہلِ مدینہ نے حضرت ابنِ عباس سے دریافت فرمایا کہ طوافِ افاضہ کے بعد اگر عورت کو ماہواری ایام آجائیں کیا طوافِ وداع کے لیے بیت اللہ میں ٹھہرے۔ یا وطن واپس چلی جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اسے انتظار کی ضرورت نہیں وہ واپس چلی جائے۔ اہلِ مدینہ زید بن ثابت کے فتوے کی بنا پر یہ سمجھتے تھے کہ اسے طوافِ وداع تک ٹھہرنا چاہیئے انھوں نے اس پر اصرار کیا کہ زید کا فتویٰ درست ہے، ہم آپکی بات نہیں مانتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مدینہ کے اہلِ علم سے دریافت کرو۔

ان لوگوں نے حضرت اُم سلیم والدہ حضرت انسؓ اور دوسرے اہلِ علم سے دریافت کیا۔ صحیح بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں: فکان فیمن سئلوا ام سلیم جن اہلِ علم سے دریافت کیا گیا ان میں حضرت ام سلیم بھی تھیں۔ ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث کا حوالہ دیا کہ آنحضور علیہ السلام نے ان کو بلا طوافِ وداع واپسی کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔

بعض روایات میں اسے حضرت ابن عباس اور زید بن ثابت کی نزاع ذکر فرمایا جس میں زید بن ثابت نے حضرت ابن عباس کو اپنے رجوع کی اطلاع دی تعجب ہے ایک دارالعلوم کے صدر مدرس اسے تقلید شخصی کی دلیل سمجھیں۔ حالانکہ یہ تحقیق کا ایک شاہکار ہے۔ اختلاف سے پہلے وہ لوگ زید کے فتوے پر مطمئن تھے۔ اپنے معلومات پر اصرار اور اعتماد قدرتی بات ہے لیکن یہ اصرار مقلدانہ نہ تھا بلکہ وہ تحقیق کے لیے آمادہ ہوئے۔ حضرت اُم سلیم اور دیگر فقہا صحابہ سے ان حضرات نے تحقیق کی۔ حضرت عائشہؓ۔ اُم سلیم۔ صفیہ۔ ابن عباسؓ ایسے فقہاء حدیث کے فتووں سے اس میں تحقیقی استفادہ کیا گیا۔ اپنے علم پر اعتماد کا نام مولانا تقلید رکھتے ہیں۔ اگر وہ حضرات مقلد ہوتے تو اپنے امام کے

سوا کسی کی بات نہ سنتے۔ وہ تو پختہ کار محقق ٹھہرے۔ شبہ ہوتے ہی تحقیق کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کئی مجتہدین کے آثار کی تلاش کی۔ بالآخر زید کا قول غلط نکلا۔ تمام حضرات نے حضرت عباس کا فتوے قبول فرمایا۔ زید بن ثابت نے خود اپنے رجوع کی اطلاع حضرت ابن عباس کو دی۔ آپ اسی مقام سے عمدہ القاری بھی ملاحظہ فرمایئے۔ وہاں حافظ ابن حجر کی عبارات کے توارد کے بعد مزید بعض چیزیں لکھی ہیں جس سے مسئلہ کے فہم میں سہولت ہوتی ہے۔ حافظ عینی کو وہ دُور کی بات نہیں سوجھی جو ہمارے دارالعلوم کے صدر صاحب کو سُوجھی۔

پھر یہاں تلاش اور ٹٹول کسی رائے کی نہیں تاکہ تقلید کی جائے بلکہ یہ تمام مجتہدین نص کی تلاش فرما رہے ہیں۔ چنانچہ عینی، ثقفی کے حوالہ سے ذکر فرماتے ہیں: فرجعوا الی ابن عباس قالوا لوجدنا الحدیث کما حدثتنا (عمدۃ القاری ص۲۶۳ جلد۴) حدیث واقعی اسی طرح ہے۔ جس طرح آپ نے فرمایا اس وقت کے مجتہد خود اس تحقیق میں مشغول ہو گئے اور اسکے نتیجہ کی اطلاع مسکراتے ہوئے ابن عباسؓ کو دی (فتح الباری ص۱۷۱) کہ آپ کے فتوے کے مطابق نص مل گئی۔ زید بن ثابت کے فتوے کی اہمیت ختم ہو گئی۔

متنازعہ فیہ تقلید کے متعلق خود جناب نے فرمایا: "کسی ایک عالم کو معین کر لیا جائے اور ہر ایک مسئلے میں اس کی رائے اختیار کی جائے" (فاران ص۱۲ مئی ۱۹۶۵ء) ایک مسئلہ میں آپ نے زید بن ثابت کی تقلید اور پھر شخصی ثابت فرما دی ۔۔۔ سبحان اللہ! جب معاملہ نص کی تلاش کا ہے تو گناہ" یا "شرک" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ادباً گذارش

ایسا ذہین آدمی جو تقلید کو کسی ایسی جگہ سے کشید کرتا ہے جہاں اس کا

نام ونشان نہیں جہاں حافظ ابن حجر اور حافظ بدرالدین عینی خاموش ہو گئے اور ان کو بھی تقلید کی نہیں سوجھی۔ معلوم نہیں آپ حضرات صدیوں پہلے گزرے ہوئے مجتہدوں کے کیوں منت کش ہوتے ہیں، اور اپنے متعلق آپ کو بدگمانی کیوں ہے کہ آپ میں کوئی صلاحیت نہیں۔ ہمت فرمایئے اور اپنے فہم وفراست پر بدگمانی نہ فرمایئے اگر مجتہد مطلق نہ بن سکے تقلید سے تو بچ سکیں گے انشاء اللہ!

وکم من عائب قولا صحیحا　　　　وآفتہ من الفہم السقیم

ہاں تو حضرت زید بن ثابت کے فتوے پر اہلِ مدینہ کے اصرار کی وجہ پر بھی غور فرمایئے۔ اس وقت زید بن ثابت کے علم کی شہرت حضرت ابن عباس سے زیادہ تھی اور اس کے کئی وجوہ تھے۔

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے ۔ زید بن ثابت کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ حضرت ابن عباس سے یہ معمر تھے حضرت ابن عباس آنحضرتؐ کے انتقال کے وقت آٹھ نو سال کے تھے

۲۔ حضرت زید بن ثابت کاتبِ وحی تھے اور مدت العمر آنحضرتؐ کے ساتھ معتمد عمومی کے طور پر کام کرتے رہے۔ عموماً بیرونی خط وکتابت ان کی معرفت ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے عبرانی زبان پڑھی تاکہ یہود کی دھوکہ بازیوں کا خطرہ نہ رہے۔

۳۔ ان کی علمی قابلیت اور دینی تجربہ اور علمی تبحر کی بنا پر اکابر صحابہ کی موجودگی میں حضرت ابوبکر نے انہیں قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا

۴۔ حضرت زید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے براہِ راست شاگرد تھے۔

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت انسؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ سہیل بن حنیفؓ۔

طاؤس۔ عطا بن یسار ایسے صحابہ اور تابعی ان کے شاگرد تھے۔

۶۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔ زید بن ثابت کے جنازہ میں حاضر ہُوا۔ جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو ابن عباس نے فرمایا جو علم کے فقدان کا منظر دیکھنا چاہے۔ وہ یہ نظارہ دیکھ لے۔ آج علم کی کثیر مقدار دفن کر دی گئی۔ ان کی موت کے دن حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ آج اس وقت کا عالم فوت ہو گیا۔ ممکن ہے۔ اس خلاء کو ابن عباسؓ پورا کر سکیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۳۹۹ ج ۳)

زید بن ثابت کے ہوتے ہوئے اہل مدینہ کا ابن عباس کے متعلق تامّل قدرتی تھا۔ آپ نے اسے تقلید بنا دیا۔

دُوسری دلیل

مولانا نے تقلید شخصی کی دلیل حضرت ابوموسٰی اشعری کا ارشاد ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق فرمایا: لا تسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم۔ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: "جب تک عبداللہ بن مسعود موجود ہوں، مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو۔" مولانا نے اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ: "انہوں نے ہر مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔" مولانا مکرر غور فرمائیں عبارت سے یہ مفہوم بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ تو درست ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی موجودگی میں حضرت ابوموسٰی سے نہ پوچھا جائے لیکن ہر مسئلہ عبداللہ بن مسعود ہی سے پوچھا جائے، بڑی سطحی بات ہے حضرت ابوموسٰی سے ایسا فرمانے کی امید ہی نہیں کی جا سکتی۔ اس وقت اکابر صحابہؓ موجود تھے وہ ان کی طرف رجوع سے کیسے روک سکتے تھے۔ غایت یہی

ہوسکتی ہے کہ افضل کے ہوتے مفضول کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ ہر مسئلہ اور صرف ابن مسعودؓ کی تخصیص پوری عبارت میں قطعاً نہیں۔ مولانا کا اجتہاد ہوسکتا ہے جب تک ہر مسئلہ اور ابن مسعود کی علی الاطلاق تخصیص ثابت نہ ہو تقلید شخصی کا اثبات مشکل ہے۔

پھر اس وقت کی روش یہ معلوم ہوتی ہے کہ بلا تقلید علماء سے مسائل دریافت فرمائے جاتے چنانچہ انہوں نے حسب عادت ابو موسیٰؓ کی طرف بھی رجوع فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف بھی اور یہی عامی کا فرض ہے کہ وہ بلا تخصیص علماء کی طرف رجوع کرے اور علماء بلا تعیین انہیں اعلم اور افضل کے پاس بھیج دیں پھر یہاں بھی عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کو اس لیے ترجیح دی گئی کہ انہوں نے حدیث ذکر فرمائی۔ رائے کا سوال ہی نہیں۔ فرمایئے یہ تقلید کے لیے کیسے دلیل بنی؟ مولانا آپ ایک دارالعلوم کے مدرس ہیں۔ آپ کو ایسی کچی باتیں نہیں کہنی چاہئیں۔

نیز اس پر بھی غور فرمائیں کہ اگر زمانہ صحابہ میں عبداللہؓ بن مسعود اور زید بن ثابت ایسے ائمۂ اجتہاد موجود ہیں تو پھر انہیں ان کے اس مقام سے کس نے معزول کیا اور ان کی جگہ ائمہ اربعہ کو کس پیغمبر نے دی؟ صحابہ کا مقام تو ہر لحاظ سے اونچا سمجھنا چاہیئے۔ کیا مجتہدین صحابہ کا مقام ائمہ اربعہ سے کم ہے؟

تیسری دلیل

حضرت مولانا نے حضرت معاذ بن جبل کی اس گفتگو سے استدلال فرمایا۔ جو انہوں نے یمن جاتے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمائی۔ یقیناً اس میں قاضی کے لیے بہترین رہنمائی ہے۔ حکام اور قضاۃ کے لئے یہ عظیم الشان

اساس ہے۔ لیکن تقلید کے لیے اس میں کوئی مقام نہیں۔ آپ غور فرمائیں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کو اس لیے یمن بھیجتے کہ اہل یمن انہیں مجتہد سمجھ کر ان کی تقلید کریں تو ان سے اس دریافت کی ضرورت نہ تھی کہ آپ فیصلہ کیسے کریں گے بلکہ حضرت معاذ کو ایک سرکاری دستاویز عنایت فرماتے کہ مجتہد صاحب تمہارے پاس تشریف لا رہے ہیں، تم سب ان کی تقلید کرنا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس سے بالکل مختلف ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

عن معاذان رسول اللہ صلعم امابعثہ الی الیمن قال کیف تصنع ان عرض لک قضاء قال اقضی بما فی کتب اللہ قال فان لم یکن فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلعم قال فان لم یکن فی سنۃ رسول اللہ صلعم قال اجتہد برائی و لا آلو قال فضرب رسول اللہ صلعم علیٰ صدرہ قال الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ یرضیٰ بہ رسول اللہ (اعلام الموقعین ص۴۳ طبع ہند)

"یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے دریافت فرمایا تم پیش آمدہ جھگڑوں میں کیسے فیصلہ کروگے۔ انہوں نے اپنا طریق کار بتایا کہ میں پہلے قرآن عزیز کی طرف رجوع کروں گا، پھر سنت کی طرف، پھر اپنی رائے سے فیصلہ دوں گا۔"

اس کا تعلق حکم اور قضا سے ہے افتاء سے نہیں۔ تقلید کا تعلق بظاہر افتاء سے ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں:

قد جوز النبی صلعم للحاکم ان یجتہد برایہ بہ وجعل لہ خطاءہ فی اجتہادہ اجرا (اعلام ص۷۱)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حاکم کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے۔

پھر آپ نے تقلید کی جو تعریف فرمائی ہے۔ ہر مسئلہ میں اس کی رائے پر پابند رہنا مرقوم ہے۔ یہاں اس کا ذکر نہیں

حضرت معاذؓ کے اجتہاد اور رائے کے متعلق اہلِ یمن کیا طریق عمل اختیار کریں۔ اسکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حرف بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ قضا کی صورت میں رفع نزاع کے لیے حاکم کا حکم قبول کرنا ہوگا مگر اس کے خلاف اپیل دوسرے علماء کی طرف رجوع ؟ تو اس سے حضرت معاذؓ کے اثر میں قطعاً نہیں روکا گیا۔

حضرت معاذ کا دوسرا اثر اسے واضح کرتا ہے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں :
"فتنے ہوں گے۔ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے"

فیتخذ مسجداً و یبتدع کلاما لیس من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ فایاکم وایاہ فانہ بدعۃ وضلالۃ قالہ معاذ ثلاث مرات (اعلام ص۲۱ ج۱)

پھر ایک مسجد بنائے گا اور اس میں نئی باتیں کرے گا جو نہ قرآن میں ہیں — نہ سنت میں، تم اس سے بچنا یہ بدعت اور گمراہی ہے۔ معاذ نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ معاذ قضا کے بغیر رائے کو بدعت سمجھتے ہیں۔ حکم اور قضا کی مجبوریوں کے علاوہ رائے کا استعمال حضرت معاذ کے نزدیک بدعت ہے۔ حضرت! قرونِ خیر میں تقلید کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت قلتِ علم کا مرض عام تھا۔ یہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین پر بہت بڑا ظلم ہے۔ آپ نے ان بزرگوں کی توہین فرمائی ہے ان بزرگوں کے علم و تفقہ کو محل نظر قرار دیا۔ اگر تقلید مصطلح ان ایام میں بھی موجود ہو تو علم و اجتہاد کا مثالی دور کون سا ہوگا۔ ابن قیم مسلکاً جناب سے مختلف سہی۔ مگر ان کی غزارت علمی اور نکتہ رسی سے امید ہے انکار نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں :

فانا نعلم بالضرورة انہ لم یکن فی عصر الصحابۃ رجل واحد اتخذ رجلا منھم یقلدہ فی جمیع اقوالہ فلم یسقط منھا شیئا و اسقط اقوال غیرہ فلم یاخذ منھا شیئا و نعلم بالضرورۃ ان ھذا لم یکن فی التابعین لا تابعی التابعین فلیکذبنا المقلدون برجل واحد سلک سبیلھم الوخیمۃ فی القرون الفضیلۃ علی لسان رسول اللہ صلعم و انما حدثت ھذہ البدعۃ فی القرن الرابع المذموم علی لسانہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۲۲ اعلام ج ۱)

یعنی ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو کسی عالم کی تمام باتیں قبول کرے اور کسی دوسرے عالم کی کوئی بات نہ مانے۔ حضرات مقلدین ہمیں جھٹلانے کے لیے قرونِ خیر میں ایک آدمی بتلا دیں جو اس کمزور راہ پر چلا ہو۔ بلکہ یہ بدعت تقلید چوتھی صدی میں پیدا ہوئی جس کی آنحضرت صلعم نے مذمت فرمائی ہے"۔

مولانا آپ عالم ہیں۔ ایک علمی درس گاہ میں مدرس ہیں۔ آپ جو چاہیں فرمائیں لیکن صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ یہ مذاق نہ فرمائیں۔ آپ نے تقلید کے لیے یہی وجہ جواز بتائی ہے کہ — "جو شخص قرآن و سنت سے براہِ راست احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اصل کے اعتبار سے اس کے لیے تقلید کی دونوں قسمیں جائز ہیں" (فاران ص ۱۷۔ مئی ۱۹۶۵ء)

آپ قرونِ مشہود بالخیر کی یہ خوبی بیان فرماتے ہیں کہ وہ بھی کنز و قدوری کے اتباع کی طرح حشویت میں ملوث اور تفکر و استنباط سے محروم تھے۔ محض فقہاء اور اہل علم کی مساعی پر وقت گزارتے تھے۔ نصوص فقہاء اور بزرگوں کی آراء کا

اتباع اصل ظاہر پرستی اور ظاہریت ہے۔ صحابہ اس سے پاک تھے۔ ان کی نظر نہایت عمیق تھی اور ظاہریت اور حشویت کا نام تک نہ تھا۔

مطلق تقلید کی بندش

مولانا نے تقلید مطلق کی بندش کو بہت سراہا ہے اور ائمہ اجتہاد کے لیے دعا فرمائی ہے کہ ان پر رحمتوں کا مینہ برسے۔ اس لئے کہ انہوں نے مطلق تقلید کو بند فرما دیا مضمون کے اس حصّے سے تعجب ہوتا ہے کہ اس پایہ کے اہلِ علم بھی اس قدر سطحی باتیں کر جاتے ہیں۔ ونودلوقاله غیرك۔

مولانا کا خیال ہے کہ تقلید مطلق کی بندش سے دنیا میں "خواہش پرستی" کے دروازے بند ہو گئے اور تقلید مطلق کی صورت میں یہ مرض مستقبل میں یقیناً عام ہو جاتا اور یہ ائمہ اجتہاد کی دُوراندیشی تھی۔ اُنھوں نے اسے روک دیا۔ ملخصاً

لیکن مولانا کا یہ ارشاد کئی وجوہ سے غلط ہے۔ امید ہے مولانا غور فرمائیں گے

۱- آپ نے اس پر مشہور ائمہ اجتہاد کا کوئی حوالہ نہیں دیا کہ کس نے تقلید مطلق کو روکا ہ کب روکا؟ آپ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ایک حوالہ دیا ہے۔ اگر آپ کے ہاں وہ ایمہ اجتہاد میں شمار ہونے لگے تو مبارک ہے۔ پہلے تو اکابر دیوبند اس کے قائل نہ تھے۔ بوقت ضرورت ان کے علوم سے استفادہ تو فرماتے رہے مگر انہیں کبھی مجتہد نہیں سمجھا گیا۔

۲- جو عبارت آپ نے نقل فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں ہوا پرستی درست نہیں۔ انسان کو پرہیزگار اور متقی ہونا چاہیئے، ہوا پرست نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ہوا پرستی شخصی تقلید میں بھی ہو سکتی ہے۔

کوئی حنفی مسلک کو اس لئے اختیار کرے کہ اس میں منشیات اور مسکرات کے استعمال کے متعلق خاصی نرمی ہے۔ مسکرات کی چار پانچ قسمیں ممنوع ہیں جن پر اس وقت خمر بولا جاتا تھا۔ باقی کے متعلق احناف کے ہاں وہ تشدد نہیں۔ شیخ علامہ حسن جبرتی مفتی مصر ۱۱۸۰ھ فرماتے ہیں کہ انگوری شراب کے کئی نام ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کا استعمال درست ہے:

اما الجمهور فهو نسبة الى الجمهور نظرا الى الاستعمال والحميدى نسبة الى حميد لكونه صنعه واليعقوبى و يسمى ابا يوسفى لان ابا يوسف رحمه الله اتخذه لها رون وكانه اتخذه له تخلصا مما هو حرام الشرب فهى اسم للمثلث اذا صب عليه ماء حتى ادق و ترك حتى اشتد فعلم مما ذكرنا ان المثلث خالص العصير وان الپختج وما عطف ممزوج بالماء بعد ذهاب ثلثيه و صيرورته مثلثا وهى حلال الشرب بعد الاشتداد و القذف بالزبد اذا شربت دون القدر اليسير للتقوى للعبادة لا من سبيل اللهو و الطرب و الا فهى حرام الشرب ... اقوال ... سعيد عن احوال

الاشربه صفحه ۶۰ مطبوعه مصر

جمہوری کی نسبت استعمال کی وجہ سے جمہور کی طرف ہے اور حمیدی کی نسبت حمید کی طرف ہے۔ یہ اسی نے بنائی تھی۔ یعقوبی کو ابو یوسفی بھی کہتے ہیں اس لئے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ خلیفہ ہارون کے لیے بنائی تھی تاکہ وہ حرام شراب سے بچ جائیں۔ یہ دراصل مثلث شراب کا نام ہے جس میں پانی ڈال کر دو تہائی پانی

جلا دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مثلث اور پخچ انگور کے شیرہ میں پانی ملا کر اور جلا کر اسے مثلث کر دیا جاتا ہے۔ تیزی اور جھاگ کے باوجود اس کا پینا درست ہے بشرطیکہ اتنا نہ پیا جائے جس سے مستی آجائے اور قوت کے لیے استعمال کی جائے اور مشغلہ کے طور پر استعمال کی جائے تو حرام ہے۔"

پورا رسالہ چند اوراق میں ہے۔ اسی میں شراب کی اقسام کی تفصیل موجود ہے اور اس کی حلت اور حرمت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں شراب خوری کے متعلق خاصی گنجائش ہے۔

اسی طرح شرح وقایہ میں ہے :

فان اقربه اوشهد اعليه بعد زوال الريح اوتقيأها او وجد ريحها منه اى علم الشرب بان تقيا اووجد ريح الخمر منه بلا اقرار شهادة اورجع عن اقرار شرب الخمر او السكر اواقر سكران لا (صفحہ ۳۰۰)

"اگر ملزم اقرار کرے کہ میں نے شراب پی ہے یا دو گواہ موجود ہوں لیکن منہ سے بدبو نہ آئے یا شراب کی قے کرے یا اس کے منہ سے بدبو آئے مکمل اقرار اور شہادت نہ ہو یا ملزم اقرار کے بعد انکار کر دے یا اقرار ہی بے ہوشی کی حالت میں ہو ان تمام صورتوں میں حد نہیں۔"

پھر مستی کی تعریف میں حضرت امام نے بڑی وسعت رکھی ہے۔ ان حالات میں نشہ کے عادی حضرات کے لیے حنفی مذہب میں بڑی گنجائش ہے۔ اس قسم کی نصوص ہدایہ مطبوعہ بمبئی ص ۳۱۱/۲ طحطاوی مطبوعہ مصر ص ۴۷۱/۳ درمختار مطبوعہ ھند ص ۳۰۶ شامی طبع مصر ص ۲۵۴ ج ۳ ملاحظہ ہوں۔

طول سے بچنے کے لیے ان کتب کی عبارات قلم انداز کی جاتی ہیں :

ملک العلماء علامہ کاسانی ۵۸۷ھ نے بڑی صراحت سے فرمایا:

واما الاشربۃ التی تتخذ من الاطعمۃ کالحنطۃ والشعیر والدخن والذرۃ والعسل والتین والسکر ونحوھا فلا یجب الحد بشربھا لان شربھا حلال عندھما وعند محمد وان کان حراما لکن ھی حرمۃ محل الاجتھاد فلم یکن شربھا جنایۃ محضۃ فلا تتعلق بھا عقوبۃ محضۃ ولا بما اسکر منھا وھو الصحیح لان الشرب اذا لم یکن حراما اصلا فلا عبرۃ بنفس السکر کشرب البنج ونحوہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم اھ (البدائع والصنائع ملکاسانی البدائع ص۴۰ ج۷)

"جو شراب گندم، جو، باجرا، چنا، شہد، انجیر، شکر وغیرہ سے بنتی ہے اس پر کوئی حد نہیں۔ اس لیے کہ اس کا پینا شیخین کے نزدیک حلال ہے۔ امام محمد اسے حرام فرماتے ہیں لیکن یہ اجتہادی مسئلہ ہے اس کا پینا قطعی جنایت نہیں۔ اس پر سزا بھی نہیں ہوگی بلکہ اگر مستی بھی آجائے تو بھی سزا نہیں ہوگی۔ یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ جب پینا حرام نہ ہو تو پھر مستی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس طرح بھنگ وغیرہ میں کوئی سزا نہیں" اھ

شراب کی ان اقسام کے متعلق جواز یا عدم جواز کے وجوہ سے بحث نہیں۔ یہ مباحث حدیث اور فقہ کی شروح اور متون میں بھرے پڑے ہیں۔ گذارش صرف اس قدر ہے کہ احناف کے ہاں مشروبات میں بڑی لچک ہے۔

اب کوئی اس لیے حنفیت کو اختیار کرے کہ اس میں شراب اور منشیات

کے متعلق کافی لچک ہے۔ شیخ کی عبارت کے مطابق اس نیت سے تقلید شخصی بھی حرام ہوگی۔

آپ نے شیخ الاسلام کی عبارت پر غور نہیں فرمایا۔ گو شیخ نے ایک دو جگہ تقلید کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں وہ ہوا پرستی کو روکنا چاہتے ہیں۔ یہ تقلید کی راہ سے ہو یا ترکِ تقلید کی راہ سے۔ آپ نے مطلق تقلید کی بندش پر ہُن برسانا شروع فرما دیا۔ شیخ کی عبارت سے کہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوس پرستی تقلید مطلق سے آتی ہے یا شخصی سے یا ترکِ تقلید سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو شیخ الاسلام کی کتابوں پر عبور نہیں ہے۔ ورنہ یہ انداز اختیار نہ فرماتے۔

○

علامہ قاضی خاں نے اشربہ کے باب کو اس تفصیل سے لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ شاید ان کے ہاں شراب کی مکمل لیبارٹری موجود تھی۔ مختلف اقسام اور اسکے مختلف نسخے اور ان کی حلت اور حرمت پر بڑی سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ مطبوعہ مصر کے نسخے پر صفحہ ۲۰۸ سے صفحہ ۲۲۰ تک یہی مضمون ہے، ذاتی طور پر اپنی ناقص رائے کا رُجحان تو حضرت امام شافعی کی طرف ہے۔ دُخترِ رز کے ساتھ ادنیٰ انسبت بھی ناگوار ہے لیکن اسکے باوجود آئمہ اجتہاد پر بدگمانی کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ اس مقام پر معمولی سی تفصیل کی بھی اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ مولانا کی عبارت سے مغالطہ ہوتا تھا۔ مولانا تقلید شخصی کو ہوا پرستی کے دروازے کا قفل سمجھتے ہیں —— حالانکہ ہوا پرستی کی سونتیں تقلید شخصی ہی میں موجود ہیں۔ بلکہ ساری فقہوں میں ایسی جزئیات ملتی ہیں جو ہوا پرستی کے لیے راستہ بن سکتی ہیں۔

اسی طرح فواحش اور بدکرداری کی سزا کے متعلق اپنے ہاں بڑی لچک ہے۔ فقہ حنفی میں لواطت پر حد نہیں۔ بہائم کے ساتھ برائی کرے اس پر حد نہیں محرمات ابدیہ کے ساتھ نکاح کے بعد بے حیائی کرے، آپ کے ہاں وہ حد سے بچ سکتا ہے مضمون کے پھیلاؤ سے بچنے کے لیے کتب فقہ کی نصوص اور الفاظ نظرانداز کر دیئے گئے۔ ورنہ معلوم ہے کہ فقہ حنفی میں ہوا پرستی کے لیے کافی چور دروازے کھل سکتے ہیں اس لیے تقلید میں ہوا پرستی کی بندش کے لیے کوئی انتظام نہیں۔ اگر نیت درست نہ ہو تو ہوا پرستی ہر طرح ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں فواحش :

یہ معلوم ہے کہ پاکستان میں اکثریت حضرات احناف کی ہے۔ بعض علاقوں میں دُور دُور تک احناف ہی پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سب حضرات تقلید شخصی کے سختی سے پابند ہیں۔ لیکن جس قدر ملک میں سینما تھیٹر موجود ہیں اور جتنے رقص و سرود کے کلب موجود ہیں ان کے منتظم عموماً حنفی حضرات ہیں۔ اگر تقلید شخصی ہوا پرستیوں کا علاج ہے تو آج ہوا پرستوں کے یہ معمل جا بجا کیوں موجود ہیں۔ پورا ملک ہوا پرستی کی گرفت میں ہے۔ بقول مولانا تقلید مطلق بند کر دی گئی۔ اب سارے ملک میں تقلید شخصی کا دور دورہ ہے۔ پھر یہ فواحش کیوں ہیں۔ حجاز میں شوافع، نجد میں حنابلہ، سوڈان، الجزائر اور افریقہ میں مالکی، ان ہوا پرستی کے کارخانوں پر قابض اور متصرف ہیں۔ تقلید شخصی بھی عام ممالک پر محیط اور فواحش بھی اقطارِ عالم پر محیط ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تقلید مطلق سے پرہیز اور تقلید شخصی کے رواج کا یہ نسخہ مفید ثابت نہیں ہوا۔ اسی طرح آجکل دنیا میں حلال اور حرام کا امتیاز بھی اٹھ رہا ہے۔ اگر جناب کا تجزیہ تقلید شخصی کے متعلق درست ہوتا تو آج دنیا تقوٰے سے بھرپور ہوتی لیکن معلوم ہے

کہ دین کھیل ہو رہا ہے۔

ایک مضحکہ خیز مثال

تقلید مطلق کی مضرت حضرت مولانا نے دو مثالیں دی ہیں۔ ایک خون سے وضو ٹوٹنے کی احناف کے ہاں خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے — شوافع کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ آپ کو فکر ہے کہ سردیوں میں ہوا پرست لوگ شافعی مسلک پر عمل کریں گے۔

دوسری مثال میں فرمایا: عورت کو مس کرنے سے احناف کے ہاں وضو نہیں ٹوٹتا، شوافع کے ہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ ہوا پرست اس وقت سردی میں حنفی مذہب پر عمل کریں گے۔ درس میں بیٹھ کر طلبہ کے حلقہ میں شاید یہ مثالیں سن لی جائیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں: پکے حنفی رات گزر جاتی ہے۔ دن بسر ہو جاتا ہے "نماز کے قریب نہیں جاتے اور محفل میلاد کے جلوس میں امسال رات کی دیپ مالا میں عورتوں کے ساتھ عاشقان رسولؐ نے وہ کیا جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ منٹگمری۔ گوجرانوالہ اور لاہور کے واقعات دیکھنے والوں سے سنیئے۔ یہ بھی پکے مقلد تھے جو وہابیوں کو بے نقط گالیاں دیتے تھے۔ احناف اور شوافع کا متنازعہ مساس تو اس مساس کے سامنے کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ پھر یہ محبانِ رسول اور عاشقانِ تقلید نماز کی تکلیف کئے بغیر نہایت خشوع اور خضوع سے سو گئے اور تقلید شخصی انہیں اس خواہش سے روک نہ سکی۔

مولانا! کاش یہ اربابِ تقلید کسی امام کے مسلک پر عمل کر کے نماز پڑھ لیتے خواہش پرستی کو روکنے کے لئے تقلید شخصی بالکل ناکام ثابت ہوئی ہے۔

پھر مولانا! یہ خواہش پرستی نیت کا مسئلہ ہے اسے تقلید یا ترکِ تقلید سے کوئی تعلق نہیں۔ غلط ارادہ مقلد اور غیر مقلد دونوں کر سکتے ہیں — اور ہوا پرستی ان کا شیوہ بن سکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے ایسے معاملات میں واضح ہے ۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ میں نے شیخ الاسلام سے سُنا: فرماتے تھے مجھے بعض فقہاء حنفیہ نے کہا کہ میں اپنا مذہب بدل لوں، اس لیے کہ یہ عموماً صحیح حدیث کے خلاف ہے، میں نے بعض شافعی علماء سے مشورہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تمہارا مذہب بدلنے سے اصل مذہب تو نہیں بدلے گا۔ مذاہب کی ہیئت تو طے ہو چکی ہے۔ تمہارا رجوع بے فائدہ ہے۔ بعض صوفیوں نے مشورہ دیا ہے کہ میں عجز کے ساتھ اللہ سے دعا کروں۔ آپ فرمائیں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ الاسلام نے فرمایا: مذہب کے تین حصے کر لیجئے۔ پہلی قسم جس میں حق واضح ہو اور کتاب وسنت سے توافق ظاہر ہو۔ شرح صدر سے اسکے مطابق فتوے دو۔ دوسری قسم مرجوح ہو اور دلائل اس کے خلاف ہوں اسکے مطابق نہ فتویٰ دو نہ کوئی حکم کرو۔ اسے ذہن سے اتار دو۔ تیسری قسم جس میں دلائل کی کشش دونوں طرف موجود ہو، اس میں جسطرح طبیعت چاہے فتوے دو یا اسے نظر انداز کر دو۔ وہ حنفی عالم شیخ کے جواب پر مطمئن ہوئے اور فرمایا۔ جزاک اللہ (اعلام الموقعین منیریہ ج ۴ ص ۲۰۶)

آپ شیخ الاسلام کے ارشاد پر غور فرمائیں۔ وہ ایک حنفی عالم کو مشورہ دیتے ہیں کہ مذہب کا اپریشن کر کے اس کے تین حصے کر دیجئے اور شرح صدر سے صرف اس حصہ کو اختیار کیجئے جو کتاب وسنت کے صراحتاً مطابق ہو۔ آج کے دیوبند کو میں دیکھتا ہوں جس جمود کی یہ حضرات دعوت دے رہے ہیں، اگر شیخ الاسلام کے مشورہ پر عمل کے لیے آپ سے عرض کیا جائے تو اکابر سے اصاغر تک آپ حضرات پر رعشہ طاری ہو جائے۔ حضرت مرحوم و مغفور استاذ الاساتذہ شیخ انور شاہ صاحب کے لخت جگر اپنے مغفور والد کے متعلق جس قسم کا لٹریچر شائع فرما رہے ہیں۔ اولاً تو یہ قطعی غلط ہے۔ اگر یہ کہانیاں

صحیح ہیں تو شاہ صاحب کی رفعتِ مقام محل نظر ہو گی اور ان کا علم و فضل مشکوک!

تقلید یا حنفیت چنداں محلِ نظر نہیں۔ محل نظر آپ کا جمود ہے۔ جو بریلی اور دیوبند کے اکابر اور اصاغر میں یکساں ہے۔ مجھے امید ہے آپ کی اس لفظی نرمی پر بھی وارننگ دی گئی ہو گی یا دی جائے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیے: (ج ۲ ص ۳۸۷)

امام سے دریافت کیا گیا کہ نماز وتر یا بارش میں نماز جمع کرنے کے سلسلہ میں آیا شافعی حنفی کی یا حنفی شافعی کی تقلید کر سکتا ہے شیخ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

الحمد لله نعم يجوز الحنفي وغيره ان يقلد من يجوز الجمع من المطر لاسيما وهو مذهب جمهور العلماء كمالك والشافعي واحمد وقد كان عبد الله بن عمر يجمع مع ولاة الامور بالمدينة اذا جمعوا في المطر وليس على احد من الناس ان يقلد رجلا بعينه في كل ما يامر به وينهى عنه و يستحبه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم وما زال المسلمون يستفتون علماء المسلمين فيقلدون تارة هذا وتارة هذا فاذا كان المقلد يقلد مسئلة يراها اصلح في دينه او القول بها ارجح او نحو ذلك جاز هذا باتفاق جماهير علماء المسلمين لم يحرم ذلك لا ابو حنيفة ولا مالك ولا الشافعي ولا احمد اه

"ہاں حنفی کے لئے درست ہے جمع نماز اور اس قسم کے مسائل میں شافعی کی تقلید کرے کیونکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد

جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ عبد اللہ بن عمر مدینہ منورہ میں امراءُ
کے ساتھ بارش کے وقت نماز جمع کیا کرتے تھے اور کسی آدمی پر
یہ ضروری نہیں کہ تمام اوامر و نواہی میں کسی معیّن آدمی کی تقلید کرے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور مسلمان ہمیشہ اہل علم سے دریافت
فرماتے رہے۔ کبھی اس کی تقلید کرتے کبھی اس کی جسے دینی طور پر پسند
فرماتے یا راجح سمجھتے۔ یہ جمہور ائمہ اسلام کے نزدیک درست ہے
نہ اسے حضرت امام ابوحنیفہ نے حرام کہا نہ مالک اور نہ ہی شافعی
اور احمد نے "۔ اھ

اسی انداز سے امام نے تقلید کا تذکرہ فرمایا۔ فتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷۶ ۔
۳۷۸ ۔ ۳۸۱ ۔ ۳۸۳ وغیرہ مقامات ملاحظہ فرمائیں۔ امام کے مسلک کی وضاحت
جناب کے سامنے آجائے گی۔ اگر آپ حضرات امام ابن تیمیہؒ کی حنبلیت اور
ان کے خیال کے مطابق اس مسئلہ کا فیصلہ فرمائیں تو یقیناً یہ مسئلہ ما بہ النزاع
نہیں رہیگا۔ جس انداز سے ابنائے دیوبند اس مسئلہ کو اچھال رہے ہیں۔ اگر
حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی زندہ ہوں تو یقیناً اسے ناپسند فرمائیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا جو حوالہ آپ نے نقل فرمایا وہ ایک فنی حوالہ ہے
جسے امام نے ایک خاص ضرورت کے ماتحت ذکر فرمایا ہے۔ اس سے ان کی ذاتی
تحقیق معلوم نہیں ہو سکتی۔ ذاتی تحقیق کے لیے متذکرہ مواقع ملاحظہ فرمائیں۔ امام
کا علمی مقام واقعی بہت بلند ہے۔ نیز اس حوالہ میں تقلید مطلق کی بندش کا بھی
کوئی تذکرہ نہیں۔ جناب غور فرمائے تو یہ حوالہ بالکل بے سود ہے اور مقصد کے
لحاظ سے عبث محض۔ اصل مقصد یہی ہے کہ دین اور ائمہ دین کو تلعب اور
ہوا پرستی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔ یہ نیت کا معاملہ ہے اسے نہ تقلید شخصی روک

سکتی ہے نہ ترکِ تقلید اس کا موجب ہو سکتی ہے۔ آپ واقعات پر غور فرمائیں تقلید شخصی کا عام رواج بقول شاہ ولی اللہؒ اور حافظ ابن القیمؒ چوتھی صدی کے بعد ہوا۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں سارا افتاء ترک تقلید یا بقول مولانا تقلید مطلق پر رہا۔ یہی وہ دور ہے جس میں اہل اللہ، ائمہ اجتہاد، ائمہ محدثین صلحاء اور اتقیاء کی کثرت ہے اور جب سے آپکے اس نسخہ کا استعمال شروع ہوا یہی وقت حسب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور فتن کا دور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے فواحش اور فتن کا دور فرماتے ہیں اور جناب اس پر رحمتوں کے مینہ برسنے کے آرزومند ہیں۔ بظاہر ارشادِ نبویؐ کے خلاف امید نہیں کی جا سکتی کہ دعا قبول ہو اور نسخہ حضرت سے تو ظاہر ہے خواہش پرستی نہیں رُک سکتی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور تقلید:

مولانا نے صفحہ ۱۹ میں فرمایا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے وقت تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل رہا تھا (یعنی بقول جناب ورنہ حقیقت اسکے خلاف ہے) "بعد میں جب یہ زبردست خطرہ سامنے آیا تو تقلید کو تقلید شخصی ہی میں محصور کر دیا گیا الخ"۔ اس کے بعد جناب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقتباسات درج فرمائے ہیں جن میں کہیں تقلید کو جائز فرمایا کہیں واجب!

واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں۔ شاہ صاحب کا سیال قلم ان تمام ادوار میں اپنا کام کرتا رہا۔ ہر وقت کے تاثرات شاہ صاحب کے قلم سے ظاہر ہوتے رہے۔ شاہ صاحب کا جو حصہ تصوف کے متعلق ہے اس میں

ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے۔ بریلوی حضرات کو شاہ صاحب اور ان کے خاندان پر اعتماد نہیں۔ ورنہ شفاء العلیل وغیرہ سے بدعی خیالات کی خاصی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اہل حدیث اور حضرات دیوبند تو شاہ صاحب کے عقیدتمند ہیں۔ جہاں تک اہل حدیث کا تعلق ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ شاہ صاحب کا رجحان احنافؒ کی طرف بعض جگہ نمایاں ہے۔ ان کے ہاں شاہ صاحب کے احترام اور ان سے عقیدتؒ میں فرق نہیں آیا۔ شاہ صاحب جمود کے سخت مخالف ہیں، آج جو بیداری اور حریت فکر ملک میں موجود ہے۔ اس کی ابتدا حضرت مجدد الف ثانی سے ہوئی۔ لیکن اسے کھُل کر نمایاں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ اسی بیداری کی تحریک نے شاہ اسماعیل شہید اور ان کے مخلص رفقاء میں ترکِ تقلید کی صورت اختیار کر لی جسے مولانا سید نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ نے پروان چڑھایا۔ جس سے اس وقت لاکھوں آدمی متاثر ہیں جو ملک میں حریت فکر اور طریقۂ سلف کی تلقین فرما رہے ہیں۔

مولانا نے شاہ صاحب سے تین اقتباس درج فرمائے ہیں۔ دو رسالہ انصافؒ سے ایک حجۃ اللہ سے۔ مگر شاہ صاحب نے انصاف کے دونوں اقتباسات میں تقلید کو وقتی طور پر واجب فرمایا۔ شرعی واجب نہیں فرمایا جس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت ان حالات میں تقلید ضروری ہے۔ فرماتے ہیں :

"پہلی دوسری صدی میں لوگ معین انسان کی تقلید پر جمع نہ تھے دوسری صدی کے بعد اثر بڑھنے لگا : وکان ھو الواجب فی ھذا الزمان۔" (اس وقت یہی واجب تھا) فرمائیے کیا واجبات شرعیہ کا وجوب وقتی ہوتا ہے ؟

دوسرے اقتباس میں صرف ونحو کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ یہ پہلے واجب نہ تھا:
ثم صار فی یومنا ھذا امعرفتہا واجبۃ۔ لیکن آج کل صرف نحو پڑھنا واجب ہے
گویا تقلید شخصی کا وجوب صرف نحو کے وجوب کی طرح وقتی ہے اور ضرورت کے لئے۔
حضرت مولانا اور دانش مند حضرات غور فرمائیں۔ وجوب شرعی کا یہی حال ہے اور ایسے وقتی
وجوب کا اگر کوئی انکار کرے یا اسے یقین ہو کہ اب حالات کے تقاضے بدل چکے ہیں۔ تو
شرعاً وہ کہاں تک مجرم ہے۔ اس کے ساتھ ہی واقعات آپ کو یقین دلائیں گے کہ
ترک تقلید کے متعلق اس وقت جو خطرات تھے۔ بحمداللہ آج وہ بالکل بدل چکے ہیں جناب
کے لب ولہجہ کی یہ تبدیلی اسی حقیقت کی غماز ہے کہ اب وہ حالات نہیں رہے وقت
اور اس کے مقتضیات اصحاب عزائم کی مساعی کی وجہ سے بالکل یا زیادہ تر بدل چکے ہیں
حجۃ اللہ کے اقتباس میں تو شاہ صاحب نے اسے تعبیر ہی جواز سے فرمایا ہے۔ اگر
مولانا اور آپ کے رفقاء شاہ صاحب کے ارشاد کو اس کی اصل روح میں سمجھیں تو
یہ وجوب تقلید کی کھلی مخالفت ہے: ان فی ذٰلک لذکرٰی لمن کان لہ قلب او
القی السمع وھو شہید

میں ان اقتباسات کو ترکِ تقلید کی تائید سمجھتا ہوں اس لئے انکے سیاق
وسیاق پر مفصل بحث کی ضرورت خیال نہیں کرتا۔

اب شاہ صاحب کا ایک ارشاد عرض کر رہا ہوں جو جناب کے اس ارشاد
کی پوری نقیض ہے کہ "تقلید کو تقلید شخصی میں محصور کر دیا گیا"۔ شاہ صاحب
شعرانی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

ثم نقل عن جماعۃ عظیمۃ من علماء المذاھب انھم کانوا
یعملون ویفتون بالمذاھب من غیر التزام مذھب
معین عن زمن اصحاب المذاھب الی زمانہ علی وجہ

یقتضی کلامہ ان ذالک امر لم یزل العلماء علیہ قدیما
وحدیثا حتے صار بمنزلۃ المتفق علیہ فصار سبیل
المومنین الذی لا یصح خلافہ الخ (عقد الجید طبع مصر ص۵۲)

اہلِ علم کی عظیم جماعت مذہب معین کے بغیر فتوٰے دیتی رہی اور ان پر عمل فرماتی رہی اور یہ سلسلہ ائمہ مذاہب سے لیکر شعرانی کے وقت تک جاری رہا۔ شعرانی کا منشاء یہ ہے کہ علماء کی یہ روش ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہی ہے، اور طریقہ متفقہ اور اجماعی ہو گیا جس سے اختلاف طریق مومنین سے اختلاف کے مترادف ہے۔"

اسی کے قریب قریب عقد الجید ص۲۸ میں فرمایا۔ پھر اسی طرح عز بن عبدالسلام سے نقل فرمایا (صفحہ ۴۰ عقد الجید)

مَیں نے ابھی عرض کیا ہے کہ شاہ صاحب کا مطلب وجوب تقلید سے وجوب شرعی نہیں بلکہ ان کا مطلب وقتی ضرورت ہے۔ اس کے لئے شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشاد پر غور فرمایئے :۔

واشہد للہ و باللہ انہ کفر باللہ ان یعتقد فی رجل الامۃ
فمن یخطئ و یصیب ان اللہ کتب علی اتباعہ حتما وان
الواجب علی ہو الذی یوجبہ ھذا الرجل علی ولکن الشریعۃ
الحقۃ قد ثبت ھذا الرجل بزمان الخ (تفہیمات ج ۱ ص۲۱۱)

میں یہ عقیدہ رکھنا کفر سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا آدمی جس سے خطا اور صواب دونوں سرزد ہو سکتے ہیں۔ وہ جو مجھ پر واجب کرے وہ واقعی واجب ہو گا۔ شریعتِ حقہ تو اس بزرگ سے مدتوں پہلے علماء کے حافظوں اور فقہا کے ذہنوں میں موجود ہے۔

شاہ صاحبؒ نے آگے چل کر تقلید کی جائز صورت کا تذکرہ فرمایا، لیکن یہ شرعی وجوب نہیں۔ یہی گذارش اس اقتباس سے مقصود ہے۔

شاہ صاحب جس قسم کی تقلید پسند فرماتے ہیں، اسکی وضاحت وہ خود بھی فرماتے ہیں:

ونشأ فی قلبی داعیۃ من الملاء الاعلی تفصیلہا ان مذہبی ابی حنیفۃ والشافعی ہما مشہوران فی الامۃ المرحومۃ الی ان قال وان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلی الیوم ان یجعلا کمذہب احد یعرضان علی الکتب المدونۃ فی رسول اللہ (تفہیمات ج ۱ ص ۲۱۱)

یعنی ملاء اعلیٰ سے میرے دل میں ایک داعیہ ڈالا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شافعی اور حنفی دو مذہب اُمت میں مشہور ہیں۔ ملاء اعلیٰ میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان دونوں کو ایک کر کے کتاب و سنت کی کتب مدونہ پر پیش کیا جائے۔

گذارشات کی طوالت کا خطرہ نہ ہو تو شاہ صاحب کے اس قسم کے ارشادات میں کئی اوراق جمع ہو سکتے ہیں۔ شاہ صاحب اس تقلید کو قطعاً ناپسند فرماتے ہیں جس کی دعوت آج کل دیوبندی کیمپ سے دی جارہی ہے اور شاہ صاحب اسی لفظ کا استعمال بھی مختلف معانی میں فرماتے ہیں ـــ وہ اس کے اصطلاحی معانی کے پابند نہیں ہیں۔ حجۃ اللہ۔ انصاف۔ عقد الجید۔ بدور بازغہ۔ خیر کثیر۔ تفہیمات اول و ثانی۔ انتباہ۔ الوصیت وغیرہ پر مکرر نظر فرمائیں۔ آپ یقین فرمائیں گے کہ شاہ صاحب کا موقف کس قدر صاف اور وہ مروج تقلید سے کسقدر بیزار ہیں۔

"عزیزاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ "سلطان جہاں" باما است امروز"

تقلید پر شبہات

حضرت مولانا نے اس عنوان کے نیچے ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے جو بعض حلقوں کی طرف سے وجوبِ تقلید پر کیے گئے ہیں یا ان دلائل کا جواب دینے کی سعی فرمائی ہے۔

پہلی آیت :

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ

جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا اسکی اطاعت کرو، وہ کہتے ہیں ہم تو اس چیز کی اطاعت کریں گے جس پر ہم نے بزرگوں کو پایا۔ گو ان کے بزرگ اس کے فہم سے نا آشنا ہوں نہ ہی وہ سیدھی راہ کو پا سکے ہوں۔"

مولانا فرماتے ہیں یہ باپ دادوں کا ذکر ہے جو احکامِ الٰہی کا برملا رد کرتے ہوں۔ دوسرے وہ باپ دادے جو عقل اور ہدایت سے کورے تھے۔ آخر میں مولانا فرماتے ہیں :

"اس سے کوئی اہلِ حق انکار نہیں کر سکتا کہ جن ائمہ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے اس سے کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ ہو مگر ہر اعتبار

سے ان کی جلالتِ قدر ہر ایک کو مسلّم ہے اس لیے اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا بڑا ظلم ہے "

جواباً گذارش ہے کہ مجھے مولانا سے پورا اتفاق ہے کہ موجودہ تقلید سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمۂ مجتہدین کی جلالتِ قدر ہر لحاظ سے مسلم ہے۔ ان کا علم، زہد، تقویٰ، شبہات سے بالا ہے۔ ان کی ذات علم و ایمان کے لحاظ سے قطعاً زیر بحث نہیں، بلکہ ان کے علمی احسانات اُمت پر اس قدر ہیں کہ ان کے متعلق سوءِ ظن بے ادبی ہی نہیں بلکہ نمک حرامی ہے لیکن اب زیر بحث چند چیزیں ہیں۔

۱- آیا قرآن وسنت میں کوئی نام بطور مجتہد یا امام صراحۃً مرقوم ہے ؟

۲- پھر ان تمام بزرگوں کا علم یکساں تھا یا حسب ارشاد قرآن عزیز وفوق کل ذی علم علیم ان کے علمی درجات میں تفاوت ہے ؟

۳- پھر ان پاکباز بزرگوں کے سامنے آیا۔ احادیث کے جو ذخائر مختلف ممالک میں موجود تھے یکجا شائع ہو چکے تھے یا کچھ مخفی تھے۔

۴- پھر آیا یہ سارے بزرگ اجتہادی مسائل میں متفق ہیں۔ ان کی تفقہات میں باہم کوئی اختلاف نہیں ؟

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالیہ گذارشات کا جواب نفی میں ہے نہ شارع نے ان کا نام بطور امام لیا ہے نہ ہی ان کا علم یکساں ہے۔ نہ ہی سنت کے تمام ذخائر اس وقت موجود تھے۔ نہ ہی ان کے اجتہادات اختلاف سے خالی ہیں۔ پھر ایک عامی فقدان علم یا کم علمی کی وجہ سے ان تمام اجتہادات کو قبول کرے گا جو ان میں سے کسی ایک بزرگ نے فرمائے۔ جس کو اس نے امام یا مقتدیٰ تصور کیا۔ دوسرے امام کے تمام اجتہادات کو نظر انداز کرے گا جن میں اس نے اس کے

امام سے اختلاف کیا ہو۔ آپ نے پہلے فرمایا: تقلید مطلق کو اس لئے روک دیا گیا کہ اس سے خواہش پرستی کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا اور ممکن ہے کہ حلال و حرام کا امتیاز اٹھ جائے۔ (فاران ۷ ار مئی ۱۹۶۵ء)

آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اجتہادات اور فقہیات میں ایسا مواد موجود ہے جس سے نفس پرستی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ گو یہ درست ہے کہ مروجہ تقلید، بت پرستی کی تقلید سے مختلف ہے۔ لیکن اس میں یہ خطرہ موجود ہوگا کہ نفس پرستی میں ملوث ہو کر مقلد حلال و حرام کے امتیاز کو کھو بیٹھے۔ اس میں یہ خطرہ بھی ہوگا کہ عامی کسی صریح نص کی مخالفت کر بیٹھے۔ جس کا معتقد فیہ امام کو علم نہیں ہو سکا اور وہ اس سے مخفی رہی۔ اگر اسے مختلف علماء سے مل کر تحقیق کی اجازت دی جائے۔ جناب کے حسب الارشاد تقلید مطلق بلکہ بلا تخصیص علماء کیطرف مراجعت کو خارج البلد نہ کیا جائے تو عوام اور خواص ان خطرات سے بچ سکتے ہیں۔

بنا بریں عموم الفاظ کی بنا پر آیت مرقومۃ الصدر (بل نتبع ما الفینا اٰباءنا)، اس تقلید کو بھی شامل ہوگی۔ حکم اور مرتبہ میں فرق ہوگا۔ شیخ صالح بن محمد بن نوح فلانی تقلید کی مذمت میں اس مضمون کی بہت آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ومثل هذا فی القرآن كثير من ذم تقليد الآباء والرؤسا وقد احتج العلماء بهذه الايات فی ابطال التقليد ولم يمنعهم كفر اولئك من الاحتجاج بها لان التشبيه لم يقع من جهة كفر احدهما و ايمان الآخر وانما وقع التشبيه بين التقليدين بغير حجة للمقلد كما لو قلد رجل فكفر وقلد

اخرفاذنب وقلد اخرفی مسئلة دیناہ فاخطاء وجهھا کان کل واحد ما وما على التقلید بغیر حجة لان کل ذالك تقلید یشبه بعضه بعضاء ان اختلفت الاثام فیه اھ (ایقاظ الھمم للفلانی ص۳۵)

یعنی ان آیات سے تقلید کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ علماء نے ان آیات سے تقلید کا باطل ہونا ثابت کیا ہے، ان آیات کا کفار کے متعلق ہونا استدلال سے مانع نہیں ہوا۔ کیونکہ یہاں کفر و اسلام میں تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ اس میں ہے کہ کوئی بات بلا دلیل قبول کی گئی ہے۔ کوئی تقلید کی وجہ سے کافر ہوا، کوئی گنہ گار ہوا، کسی نے دنیوی معاملات میں تقلید کر کے خطا کی۔ سب قابلِ ملامت اس لئے ہوں گے کہ بلا دلیل کسی کی بات قبول کر لی۔

سوال کفر و اسلام کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جہاں تحقیق کی ضرورت تھی اور اپنے مقام کے لحاظ سے ممکن بھی تھی۔ عامی، امام کا مذہب دریافت کرنے کی بجائے قرآن و سنت سے کیوں روشنی حاصل نہ کرے اور شریعت کا مسئلہ کیوں نہ پوچھے سائل کے جواب میں یا اس کے فہم اور راہ شناسی میں کہیں بھی شبہ پیدا ہو — لا یعقلون اور لا یہتدون کی علت پائی جائے گی جس سے تقلید کا مذموم پہلو واضح ہو جائے گا۔ حافظ عبدالبر نے بھی اس مقام کی وضاحت اسی انداز سے فرمائی —
(دیکھئے جامع بیان العلم ص۱۱۵ — ص۱۱۸ ج ۲)

دوسری دلیل:

تقلید کے خلاف دوسری دلیل آیت: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ بیان کی جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: "ہم انہیں شارح سمجھتے ہیں شارع نہیں"۔ لیکن ادبا گذارش ہے کہ ہم اس آیت میں عدی بن

حاتم کی دوانیت سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے - آپ خدا را سنجیدگی سے غور فرمائیں - مناظرانہ انداز اختیار نہ کریں - صورتِ حال میں سرِ مُو فرق نہیں -

ہمارے ہاں متون فقہ بالکل نصوص کے ہم پایہ سمجھے جاتے ہیں - ہمارے مقلد علماء تاویل جب کریں گے نصوص کی کریں گے - امام کا قول ظاہر پر محمول ہوگا — یعنی ہاتھ کی صفائی کا تجربہ نصوص پر ہوگا

شوافع بنتِ زنا سے نکاح کو جائز فرمائیں گے حالانکہ اس کی شناعت ظاہر ہے اور احناف نے شراب کی حد کے متعلق جس وسعتِ ظرف کا ثبوت دیا ہے - ندامت سے سر جھک جاتا ہے - اس میں بالذات یا بالواسطہ کی آڑ بریلوی حضرات سے مستعار لی گئی ہے - حقیقت یہی ہے کہ ائمہ اجتہاد کے ساتھ عقیدت کے غلو کی وجہ سے سوچنے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہو سکی -

خُطبہ جُمعہ

معلوم ہے کہ احناف کرام جمعہ کے خطبہ کا ترجمہ جائز نہیں سمجھتے - ہندوستان میں جب بعض دوسرے مسالک نے خطبہ اپنی زبان میں کہنا شروع کیا تو احناف کرام کو نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی - بات سیدھی تھی - مصالح کے ماتحت ترجمہ شروع کر دیتے یا پھر نقصان گوارا فرما کر بدستور خطبہ عربی میں کہتے - ہوا یہ کہ حضرات دیوبند نے جمعہ کے تین خطبات بنا دیئے - ایک خطبہ اپنی زبان میں دو عربی میں آئندہ نسلیں اسے شاید بدعتِ حسنہ کہا کریں گی - یہ محض اکابر کی رائے کے احترام میں غلو کا نتیجہ ہے - ادھر ایجاد بندہ کے انداز سے ایک سادہ آدمی سوچے گا: کہ تقلید کہاں ہے؟ ائمہ کی محبت میں غلو نے بدعت کی ایجاد پر مجبور کر دیا -

قیامِ رمضان

بداھتہً معلوم ہے قیام رمضان مع وتر ۹-۱۱-۱۳ کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ بیس یا اس سے زیادہ کا تذکرہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں نہیں آیا۔ بعض صحابہ، تابعین بیس، اڑتیس، اکتالیس رکعت تک پڑھتے رہے۔ نوافل کی کثرت مستحسن ہے، زیادہ کو کسی نے بُرا نہیں کہا۔ ابن ہمامؒ کی تطبیق کہ آٹھ سنت نبوی اور باقی نوافل مناسب تطبیق ہے جس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ متاخرین نے سنت نبوی پر عمل کی بجائے ایمہ کے عمل کو سنت پر ترجیح دینے میں غلو سے کام لیا۔ کبھی تہجد اور قیام رمضان کو الگ الگ فرمایا گیا۔ کبھی آٹھ رکعت کو بدعت اور غیر ثابت کہنے کی جسارت فرمائی گئی۔ بعض نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا کہ نماز تو ایک ہی ہے۔ رمضان میں تراویح سے الگ تہجد ثابت نہیں لیکن سنت صحابہ بیس ہے ـــ (مولانا سید انور شاہ صاحب)

اس غلو اور پریشان خیالی میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے لے کر آج کے نو آموز طلبہ تک مبتلا ہیں۔ اکابر پرستی کے سوا، اس کی کوئی وجہ نہیں بات واضح تھی جس طرح بیس نوافل پر کوئی اعتراض نہ تھا آٹھ یا دس پر بھی اعتراض نہ کیا جاتا، کل یعمل علی شاکلتہ۔

اس کے باوجود حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کے ساتھ کچھ اور رفقا ایسے ہوں گے جو اکابر پرستی کے اس غلو کو طبعاً ناپسند فرماتے ہوں تو وہ یقیناً عموم آیت سے مستثنٰی ہوں گے لیکن اس سے غالی حضرات کی نفی نہیں کی جا سکتی ـــ عز بن عبد السلام فرماتے ہیں :

ومن العجيب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذالك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والاقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة و يتاولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده الخ (حجة الله ص۱۲۴)

یعنی یہ عجیب بات ہے فقہا مقلدین اپنے امام کے ماخذ کو ضعف سمجھتے ہیں اور کوئی اس کا صحیح دفاع نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے باوجود اس کی تقلید کرتا ہے اور کتاب و سنت اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتا ہے۔ تقلید پر جمود کی وجہ سے اور ظاہر کتاب و سنت کو ترک کرنے کے لئے حل تلاش کرتا ہے اور امام کی حمایت میں دور از کار تاویلات کرتا ہے۔" اھ

آیت کا مصداق ارباب تقلید میں موجود ہے۔ اگر آپ محفوظ ہیں تو اللہ تعالےٰ آپ کو مزید بچنے کی توفیق دے۔ مگر جس جامد نظریہ کی جناب حمایت فرما رہے ہیں یا دعوت دے رہے ہیں۔ قدماء احناف نے اس کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ نہ ہی تقلید شخصی کے لیئے اس پابندی کو پسند فرمایا جس کا تذکرہ جناب نے ان ارشادات گرامی میں کیا۔ امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) حنفیت کے بہت مؤید ہیں۔ ان کا ارشاد میری گذارش کی تائید میں ہے۔ امام طحاوی، قاضی کے آداب میں امام محمد کا ارشاد گرامی ذکر فرماتے ہیں :-

وان کان انما قضی به بتقلید الفقیه بعینه ثم تبین له ان غیره من اقوال الفقهاء اولیٰ مما قضی به نقضه وقضی بما

يراه فيه وبه ناخذ ولا ينبغي له ان ينقض قضاء من تقدمه من القضاة اذا كان مما يختلف فيه الفقهاء اھ (مختصر الطحاوی ص ۳۲۷)

"اگر قاضی نے کسی معین فقیہ کی تقلید میں فیصلہ کیا۔ پھر اُسے معلوم ہُوا کسی دوسرے فقیہہ کا قول اس سے بہتر ہے تو اسے چاہیئے کہ پہلا فیصلہ توڑ کر صحیح فیصلہ کرے۔ طحاوی فرماتے ہیں ہمارا بھی یہی خیال ہے لیکن وہ متقدمین فقہا کے اس فیصلہ کو نہیں توڑ سکتا جس میں فقہا کا اختلاف ہو"

دیکھئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس جامد تقلید شخصی کی جناب نے دعوت دی ہے۔ قدماء احناف بھی اس سے آشنا نہ تھے۔ مختصر الطحاوی کا صفحہ ۳۲۶ پ قابل ملاحظہ ہے۔ مَیں نے طول سے بچنے کے لیے نقل نہیں کیا۔

اور پھر جناب نے جس شدت اور وثوق سے تقلید شخصی کی تبلیغ فرمائی ہے اس میں انتہائی خطرات ہیں۔ عصبیت اور باہم بغض و عداوت کی آبیاری ہوگی۔ اس روش پر غور فرمائیے۔

فاحفظ وقيت فتحت قدمك هوة

كم قد هوى فيها من الانسان

اقوال ائمہ تقلید کے ردّ میں

ائمہ اجتہاد تقلید کے رد میں متفق ہیں اور انھوں نے صراحۃً اپنی اور غیر کی تقلید سے تاکیداً روکا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: یہ حکم ان لوگوں کے لئے نہیں، جو صلاحیت اجتہاد سے محروم ہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جن میں اجتہاد کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ ارشاد گرامی موجب تعجب ہے۔ مجتہد تو تقلید کا مکلف ہے نہیں اسے روکنا عبث ہے۔ دراصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو مقام اجتہاد

کو نہیں پہنچے لیکن وہ دین کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں جیسے جناب یا اس قسم کے دوسرے علماء عامی کا تو یوں ہی کوئی مذہب نہیں۔ وہ بے چارہ ایمہ اجتہاد سے کہیں زیادہ محلے کی مسجد کے امام کا مقلد ہوتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کیا فرماتے ہیں۔

اس کی زندہ مثال ہمارے عوام ہیں اور بریلوی علماء عوام ان مزخرفات کو حنفی مذہب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان پریشان خیالیوں کی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ اب صورت حال یوں ہے کہ مجتہد کو تقلید کی ضرورت ہے نہیں آپ اور ہم ایسے لوگوں کو خود ایمہ نے روک دیا۔ عامی بے چارے کا کوئی مذہب ہی نہیں وہ تو ان علماء کا مقلد ہے جن کو تقلید سے حکماً روک دیا گیا ہے۔ فاین التقلید ؟

چوتھے شبہ میں آپ نے شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ دیا ہے۔ ہم بھی شاہ صاحب کے مسلک کی وضاحت اوپر کر آئے ہیں

پانچویں شبہ کے جواب میں مولانا نے فرمایا ہے کہ تذکیر کی آیات آسان ہیں، اور احکام کی آیات مشکل۔ یہ بڑا پرانا مغالطہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور سنت میں علے الاطلاق مشکل مقامات بھی ہیں اور آسان بھی۔ لیکن یہ بالکل بے معنیٰ ہے کہ اسے مجتہد کے سوا سمجھنا ممکن نہیں۔ آپ حضرات مدارس میں پڑھاتے ہیں۔ کتابوں پر شروح اور حواشی لکھتے ہیں۔ آپ کے مخالفین بھی اپنی بساط کے مطابق یہی کچھ کرتے ہیں۔ ان کے لیے ایمہ اجتہاد نے فرمایا ہے۔ اپنی سمجھ کے مطابق کتاب و سنت پر عمل کرو اور ہماری تقلید سے بچو: خذوا الاحکام من حیث اخذ (احکام کو قرآن وسنت سے سمجھو) ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا مسئلہ مشکل ہو یا آسان مواخذہ استعداد اور نیت کے مطابق ہوگا۔

آخر میں قرآن کے مشکل ہونے کے متعلق مولانا نے شرح السنۃ سے ایک

روایت نقل فرمائی ہے:

انزل القرآن علی سبعۃ احرف لکل آیۃ منھا ظھر وبطن ولکل حد مطلع (مشکوٰۃ)

صاحب مشکوٰۃ نے اسے شرح السنۃ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ اصحاب تخریج نے کبیر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ اصل غیر مطبوع ہیں۔ مفسر ابن جریر نے اسکی دو اسانید ذکر فرمائی ہیں۔ دونو بیکار، ضعیف اور مقطوع ہیں۔ سبعہ احرف کا حصہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ وہ آپ کے لئے مفید نہیں اور ظاہر و باطن کا حصہ مخدوش ہے۔

تقلید میں اعتدال یا جمود

مولانا نے جامد تقلید کو ناپسند فرمایا ہے اور اعتدال کو پسند! ع

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است!

ہم نے جناب کے ان ارشادات کو بغور پڑھا ہے۔ مولانا تھانوی کے ملفوظات بھی نظر سے گزرے ہیں۔ بڑے ادب سے گذارش ہے کہ تاحال آپکے ارشادات میں اعتدال ناپید ہے۔ جب آپ جمود اور اعتدال کے درمیان کوئی خطِ اعتدال کھینچیں گے۔ ہم انشاء اللہ ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں گے۔ لیکن اس خطِ اعتدال کی سمتوں کا تعین حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق فرمایا گیا تو یقین جانئے کہ بے اعتدالی سے اعتدال کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ آپ کے اس مشورہ سے اتفاق ہے کہ اعتدال ہر معاملہ میں بہتر ہے۔

کیا فقہ خود ساختہ قانون ہے ؟

مولانا نے افسوس کا اظہار فرمایا ہے کہ بعض لوگ تقلید کی مخالفت کرتے ہوئے فقہا کو بُرا بھلا کہنے سے نہیں چُوکتے۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو یہ حرکت انتہائی مذموم ہے۔ اسی طرح بعض حضرات تقلید کی تائید فرماتے ہوئے ائمہ حدیث پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ علمائے کرام امت کی مشترکہ امانت ہیں۔ ان کے متعلق بدگوئی، بدزبانی کسی قیمت پر برداشت نہیں ہونی چاہیئے۔ آج مدرسہ دیوبند کے مولانا انظر غالباً سید انور شاہؒ کے لخت جگر ائمہ حدیث کے مقام کی رفعتوں کو خاک میں ملانے کا شغل فرما رہے ہیں۔ یہ علامہ زاہد کوثری مرحوم کا بویا ہوا بیج ہے جسے پالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کافی عرصہ سے دیوبند کے اکابر دا صاغر مشق ستم میں مشغول ہیں۔ جس کا نتیجہ منکرین حدیث کی تائید کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے ہاں پاکستان کے بعض نو آموز مصنفین اسی بدزبانی کی سنت کا احیاء کر رہے ہیں۔ حوالوں میں قطع و برید اور بدزبانی یہی ان کے خصائص ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان حضرات کو اصلاح کی توفیق بخشے۔

اس کے بعد مولانا نے چند مسائل کا ذکر فرمایا ہے۔ بہتر تھا مولانا اصول تک محدود رہتے اور فرعی مسائل کا ذکر نہ فرماتے۔ یہ فروع غمازی کر رہے ہیں کہ ایں محترم ان دیرینہ مباحث کو زندہ فرمانا چاہتے ہیں جن پر عرصہ تک طبع آزمائی ہوتی رہی ہے

پہلا مسئلہ :

مولانا نے پہلا مسئلہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر فرمایا ہے جس میں ائمہ اجتہاد نے تین راہیں اختیار فرمائی ہیں :

(۱) ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا (اہلحدیث اور شوافع)

(۲) ہاتھ کھلے رکھنا (موالک)

(۳) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا (احناف)

جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ہے: نماز تینوں طرح ہو جاتی ہے — موالک کے عمل کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی۔ خود امام مالکؒ نے موطا میں ہاتھ باندھنے کی حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ موالک میں ہاتھ کھلے رکھنے کا رواج کیسے ہوا۔ میرے علم میں موالک کے اس عمل کو خود ساختہ کبھی نہیں کہا گیا۔

احناف کے اس عمل کو کسی نے خود ساختہ کہا ہو، میرے علم میں نہیں — یہ درست ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کو مسلک اہل حدیث میں راجح سمجھا گیا ہے جس حدیث سے مولانا نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے لئے استدلال فرمایا ہے یہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ مولانا نے بھی اس کے ضعف کو قریباً تسلیم فرمایا ہے یہ حدیث ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے۔ اسی طرح علی صدرہ کی روایت ابوداؤد کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔

تحت السرہ کی روایت گو حکماً مرفوع ہے لیکن وہ بجمیع اسانید ضعیف ہے اس کی تمام اسانید کا انحصار عبدالرحمان بن اسحاق واسطی پر ہے جو بالاتفاق ائمہ رجال ضعیف ہے۔

فوق الصدر کی بعض روایات میں بھی ضعف ہے لیکن دو احادیث اسمیں صحیح ہیں۔

پہلی حدیث:

حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان حدثنا سماک عن

قبیصة بن هلب عن ابیه رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینه وعن یسارہ ورأیته یضع هذہ علی صدرہ ووصف یحیی الیمنیٰ علی الیسریٰ فوق المفصل

(مسند امام احمد ص۲۲۶ ج ۵)

دوسری حدیث :

ابن خزیمہ سے منقول ہے جسکا تذکرہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں فرمایا

عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ رواہ ابن خزیمہ (مع سبل السلام ص۱۵۹ ج ۱)

حافظ ابن خزیمہ سے اس کی تصحیح بھی منقول ہے۔

ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بایاں پر رکھا اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھے۔ مزید بحث عون المعبود (ص ۲۷۶ ج ۱) میں ملاحظہ فرمائیں :

تحقیق یہ ہے کہ یہ احادیث تحت السرۃ کی روایت سے زیادہ صحیح ہیں۔ اس لیے اہلحدیث اس مسلک کو راجح سمجھتے ہیں۔ امام احمد سے فوق السرہ اور تحت السرہ دونوں طرح منقول ہیں۔

واختلف فی موضع الوضع فعنه فوق السرۃ وعنه تحتها وعند ابو طالب سئلت احمد این یضع یدہ اذا کان یصلی علی السرۃ او اسفل وکل ذالک واسع عندہ (بدایع الفوائد ص۹۱ ج ۳)

یعنی دونوں ہاتھ باندھنے کے مقام میں اختلاف ہے۔ ابوطالب امام احمد سے نقل فرماتے ہیں کہ اس میں وسعت ہے، دونوں امر درست ہیں

امام شافعی بھی فوق السرہ ہی کو پسند فرماتے ہیں۔ تحت السرہ کے متعلق، جس قدر آثار ہیں، ان میں کوئی صحیح نہیں ۔۔ تاہم آپ کے مسلک کو خود ساختہ کہنا مناسب نہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بنیاد ضعیف آثار پر ہے اس لیے اہل حدیث مسلک بلحاظ سند راجح ہے۔ لیکن اسی مقام پر بعض حضرات بے حد غلو کرتے ہیں اور یہ غلو دونوں طرف سے ہو رہا ہے جس کی اصلاح ضروری ہے تحت السرہ کے قائلین بعض حضرات ہاتھوں کو اس قدر لٹکا دیتے ہیں کہ تحت السرہ کی بجائے فوق العانہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں یعنی زیر ناف تک پہنچ جاتے ہیں اور فوق السرہ کے قایل تحت العنق یعنی گلے کے قریب باندھتے ہیں، یہ دونوں صورتیں نہایت بدنما اور مکروہ محسوس ہوتی ہیں۔ رہا ادب اور تعظیم وہ تو سینہ پر ہاتھ باندھنے سے ہوتا ہے۔ ہاتھ نیچے لٹکا دینا تو ادب کے خلاف ہے نہیں بلکہ مکروہ معلوم ہوتا ہے، تلاوت کے وقت سلام کے بعد ادب کے لیے عموماً ہاتھ سینے پر ہی رکھے جاتے ہیں، زیر ناف رکھتے آج تک ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔

رفع الیدین عند الرکوع

اس مسئلہ میں واقعی آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ محض تحکم اور سینہ زوری سے کام لیا گیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ مولانا عثمانی انصاف پسندی سے اس کا اقرار کرینگے۔ صفائی سے فرمایئں گے کہ احناف واقعی اس مسئلہ میں تہی دست ہیں لیکن مولانا نے جو طریق گفتگو اختیار فرمایا ہے اس سے انھوں نے اپنے محاسن میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ اہل علم جانتے ہیں۔ صدیوں کے متنازعہ فیہ مسائل جن پر امت کے اعلام بارہا طبع آزمائی فرما چکے ہوں، ایسے بے سہارا تو نہیں ہو سکتے،

کوئی نہ کوئی غلط یا صحیح سہارا تو ضرور ہوگا۔ آپ نے ان سے ایسے مشہور مسائل کا انتخاب فرمایا جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مناسب تھا کہ پرانے نوالے چبانے کی کوشش نہ کی جاتی بلکہ آپ اس میں کوئی نئی تحقیق سامنے لاتے ورنہ ان مسایل میں تو فریقین ایک دوسرے کی انتہاد کو خوب سمجھتے ہیں۔ اب آپ نے طبع آزمائی کے لیے ان مسائل کو انتخاب فرما لیا تھا، اس لیے مجھے بھی اس کے متعلق عرض کرنا ہوگا۔

میں نے عرض کیا ہے اس مسئلہ میں آپ فی الواقعہ تہی دست ہیں اور دلایل کے لحاظ سے کمزور، آپ نے اس وقت دو احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی حدیث کی نقل میں آپ نے اپنے پہلے بعض بزرگوں کی تقلید میں بڑی جسارت سے کام لیا ہے ورنہ اس حدیث میں رفع الیدین عند الرکوع کا بالکل ذکر ہی نہیں۔ اکابر حنفیہ رحمہم اللہ محض سینہ زوری سے اسکا تذکرہ فرماتے ہیں اور آپ حضرات ان پر اعتماد فرما کر جرأت فرما دیتے ہیں۔ ورنہ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس ضمن میں اسکا تذکرہ ہی نہ کیا جائے مگر جناب نے جو فرمانا تھا فرما دیا ہے۔

○

پہلی حدیث :

صحیح مسلم میں اس حدیث کو چار طرق سے روایت فرمایا ہے۔ تحویلات کو میں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

ابوداؤد میں بھی معمولی اختلاف کے ساتھ قریباً یہی اسانید منقول ہیں بعض میں متن مختصر ہیں اور بعض ہیں مفصل۔ حدیث ایک ہے۔ اس کی روایت کے الفاظ واضح ہیں :

عن جابر بن سمرة كنا اذا صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا السلام عليكم ورحمة الله واشار بيده الى الجانبين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم علام تومون تومون بايديكم كانها اذناب خيل شمس انما يكفي احدكم ان يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه وشماله (ص۱۸۱ صحيح مسلم ج ۱)

یعنی جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے تو ہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہتے اور دونوں طرف ہاتھوں سے اشارہ کرتے۔ آپ نے فرمایا: تم یہ اشارے کیوں کرتے ہو جیسے تیز گھوڑے دم ہلاتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ ران پر ہاتھ رکھو پھر اپنے بھائی کو سلام کہو۔

یہ تمام احادیث جابرؓ بن سمرہ ہی سے مروی ہیں۔ تمام کا مضمون ایک ہی قسم کا ہے۔ بیّن طور پر معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ میں کوئی فرق نہیں۔ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ آپ ایسے اصلاح پسند حضرات کو ایسی سطحی بات نہیں فرمانی چاہیئے

امام بخاری فرماتے ہیں: لا یحتج بهذا الا من لا حظ له من العلم (اس حدیث سے وہی استدلال کریگا جسے علم سے کوئی حصہ نہیں ملا)

اگر یہ استدلال صحیح سمجھا جائے تو اس کا اثر تکبیرات عیدین، تکبیر افتتاح، تکبیر قنوت پر بھی پڑے گا۔ ابن حبان فرماتے ہیں:

انما امروا بالسكون في الصلوٰة عند الاشارة بالتسليم دون الرفع الثابت عند الركوع (عون المعبود ص۲۶۳ ج ۱)

یعنی یہ سکون کا حکم سلام کے وقت تھا۔ رفع الیدین عند الرکوع کو اس

سے کوئی تعلق نہیں ۔

امام بخاری فرماتے ہیں :-

فلیحذر امرؤ ان یتقول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تقول اور جھوٹ سے ایسے لوگوں

کو ڈرنا چاہیئے ۔ (عون ص۲۸۲ ج ۱)

مسلم اور ابوداؤد کے اس مقام کو بغور ملاحظہ فرمائیں ۔ معاملہ واضح ہے :

لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید ۔

دوسری حدیث :

دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے ۔ عبداللہ فرماتے ہیں :

فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ (ابوداؤد ص۲۷۲ ج ۱)

آپ نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے ۔

قال ابوداؤد ھذا مختصر من حدیث طویل ولیس ھو بصحیح

علی ھذا اللفظ (ص۲۷۳ ج ۱)

اندریں صورت پہلی حدیث کا موضوع سے تعلق نہیں ۔ دوسری باتفاق آئمہ

حدیث ضعیف ہے ۔

قال ابن مبارک لم یثبت عندی قال ابوحاتم ھذا حدیث خطأ

قال احمد بن حنبل ویحیی بن ادم ھو ضعیف وتابعھما البخاری

علی ذالک قال ابوداؤد ولیس بصحیح قال الدارقطنی لم یثبت

(عون المعبود ص۲۷۲ ج ۱)

ابن مبارک فرماتے ہیں ۔ حدیث ثابت نہیں ۔ ابوحاتم فرماتے ہیں ۔ یہ

حدیث خطا ہے۔ امام احمد یحیےٰ بن آدم اور امام بخاری فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام دار قطنی کہتے ہیں یہ ثابت نہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں اہل کوفہ کے پاس رفع الیدین کے خلاف ایک یہی حدیث ہے — اور یہ فی الحقیقت انتہائی ضعیف ہے

عاصم بن کلیب اور محمد بن جابر کے دونوں طریق باتفاق ائمہ ضعیف ہیں۔ امام ترمذی کی تحسین ان کی خاص اصطلاح ہے جس میں اعتماد اور ثقاہت کا لزوم نہیں کما ھو مبسوط فی کتب المحدثین۔

امام ترمذی اس حدیث کے متعلق صراحت فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث ثابت نہیں: قال عبد اللہ بن المبارك قد ثبت حديث من يرفع وذكر حديث الزهري عن سالم عن ابيه ولم يثبت حديث ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يرفع الا في اول مرة (ترمذی صفحہ ۲۲۰ ج ۱ مع تحفہ)

"یعنی امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ ابن عمر کی حدیث رفع الیدین کے متعلق بواسطہ زہری ثابت ہے اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث کہ آنحضرت نے صرف پہلی دفعہ رفع الیدین کی ثابت نہیں"

محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں:

اجمع علماء الامصار علی مشروعية ذالك الا اهل الكوفة (ص ۲۱۹ تحفة الجوزی ج ۱)

یعنی تمام اسلامی ممالک کے اہل علم نے رفع الیدین کی مشروعیت پر اتفاق فرمایا اہل کوفہ کے سوا۔ اھ

امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں حضرت حسن اور حمید بن ہلال سے ذکر

فرمایا کہ صحابہ رفع الیدین کرتے تھے اور اس سے کسی کو استثناء نہیں کیا۔ رفع الیدین کا ترک کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں اور اسی طرح علماء حجاز، علماء مکہ، علماء عراق شام بصرہ اور یمن اور بہت سے علماء خراسان سے منقول ہے۔ سعید بن جبیر، عطا بن ابی رباح، مجاہد، قاسم، سالم بن عبداللہ، عمر بن عبدالعزیز، النعمان بن ابی عیاش، حسن ابن سیرین، طاؤس، مکحول، عبداللہ بن دینار، نافع مولا عبداللہ بن عمر، حسن بن مسلم اور قیس بن سعد اور بہت سے علماء کا یہ معمول تھا۔ اسی طرح امام درداء سے بھی رفع الیدین مروی ہے۔ اس وقت نہ اس مسئلہ کا استیعاب مطلوب ہے کہ کس کس نے اس پر عمل کیا نہ مناظرہ مقصود ہے۔ بلکہ جناب ایسے منصف مزاج عالم کو توجہ دلانا مطلوب ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء عراق کا مدار دلایل سے زیادہ تقلید پر ہے۔ بدنصیبی سے یہ حدیث علماء عراق میں قبول کا مقام نہیں حاصل کر سکی۔ متقدمین، اللہ ان پر رحم فرمائے ممکن ہے ان دلایل کی اہمیت معلوم نہ فرما سکے ہوں۔ آپ ایسے انصاف پسند، معاملہ فہم بزرگوں کو بحث میں یہ انداز نہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ متاخرین فقہاء عراق نے از راہِ انصاف متقدمین کے کئی مسائل کا انکار فرمایا۔ اس مسئلہ کو بھی اسی قسم میں شامل فرمانا چاہتے ہیں یہ ساری تفصیل جزء رفع الیدین للبخاری اور عون المعبود و تحفہ اور دیگر شروح حدیث میں مرقوم ہے۔

اسی طرح براء بن عازب کی حدیث جو بروایت یزید بن ابی زیاد مروی ہے۔ اس میں لم یرفع یدیہ الا اول مرۃ ثابت نہیں۔

خلاصہ :

جو روایات معلوم ہیں ان کی حالت تو یہی ہے جو مرقوم ہوئی۔ معلوم نہیں وہ سات آٹھ روایات کہاں ہیں جن کا جناب نے ذکر فرمایا۔ آپ رفع الیدین نہ کریں

آپ کو اختیار ہے ۔ ہم بھی اسے فرض نہیں سمجھتے ۔ لیکن اگر آپ یہ فرمائیں کہ یہ ترک کسی مستند حدیث سے ثابت ہے تو علم و روایت پر ظلم ہوگا ۔ یا یہ فرمائیں کہ ترکِ رفع بھی سُنّت ہے ۔ یہ بڑی بے انصافی ہوگی ۔ ایسا ترک جس کے پیچھے دلایل ناپید ہوں قطعاً سُنّت نہیں ہو سکتا ۔ اوّل تو متروک کو سُنّت کہنا ہی محلِ نظر ہے ۔ ایک ہی فعل پر عمل اور ترک دونوں سُنّت ہوں مضحکہ خیز ہے ۔ جہاں ایک طرف دلایل کے انبار ہوں اس کے بالمقابل ترک کو سنت کہنا قطعاً معقول نہیں ۔ اکابر دیوبند سے بعض مستند علماء نے دونوں کو سنت فرمایا ہے ۔ ہمیں ان کی اس روش پر تعجب ہے ۔ عفا اللہ عنہم ۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد بھی یہی ہے کہ دونوں سُنّت ہیں ۔ لیکن آخر میں فرماتے ہیں :

والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت (حجۃ اللہ البالغہ)

مجھے رفع الیدین کرنے والا نہ کرنے والے سے زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ رفع الیدین کی احادیث زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی اھ

جلسۂ استراحت :

جلسۂ استراحت استحبابی امر ہے ۔ تاہم اگر احباب انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو کم از کم جلسۂ استراحت کے ترک کو ترجیح نہ دیتے ۔ انصاف پسندی کا تقاضا یہ تھا کہ جناب دونوں احادیث کے مفہوم اور اسناد پر نگاہ ڈالتے ۔ جلسہ کی تائید میں مالک بن حویرث کی حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے :

اذا کان فی وتر من صلوٰته لم ینھض حتی یستوی جالسا

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ کر کھڑے ہوتے ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں :

حدیث مالک بن حویرث حدیث حسن صحیح (ترمذی ج ا ص۲۳)

فقر بھی صاف ہے حدیث بھی صحیح ہے ۔

ابوہریرہؓ کی حدیث جس سے آپ نے جلسۂ استراحت کے ترک پر استدلال فرمایا ہے معنیٰ میں واضح نہیں ۔ قدموں کے صدور پر کھڑا ہونے میں قیام کی ہیئت واضح فرمائی ہے ۔ جلسۂ استراحت کی نفی نہیں تطبیق ہو سکتی ہے ۔ جب جلسۂ استراحت سے اٹھتے تو قدموں کے صدر پر بوجھ ڈال کر اٹھتے ۔ اس سے جلسۂ استراحت کی نفی نہیں ہوتی ۔ صرف قیام کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے ۔

علاوہ ازیں یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں خالد بن ایاس ہے کے متعلق ترمذی فرماتے ہیں :

خالد بن ایاس ضعیف عند اھل الحدیث (ترمذی ص۲۳ ج ا)

"خالد بن ایاس ائمہ حدیث کی نظر میں ضعیف ہے ۔"

اس قسم کے دلائل تقلید ہی کے دامن میں پناہ لے سکتے ہیں ۔ تحقیق پسند آدمی ایسی احادیث پر اعتماد نہیں کر سکتا ۔ آپ نے صحیح بخاری کا بھی حوالہ دیا ہے ۔ اگر کوئی واضح اور صحیح حدیث ہو تو اس کا صحیح حوالہ دیں ۔ جہاں تک میرا ناقص علم ہے صحیح بخاری میں ترک جلسۂ استراحت کے متعلق کوئی حدیث نہیں ۔ متعصب علماءؒ کی طرح سینہ زوری ہو سکتی ہے ۔ ویسے جلسہ استراحت کے متعلق احادیث میں جس طرح صراحت موجود ہے اس کے خلاف کوئی صراحت نہیں :

عن مالک بن الحویرث اللیثی انه رای رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یصلی فکان اذا کان فی وتر من صلوٰتہ لم ینھض حتی یستوی جالسا قال ابو عیسٰی مالک بن الحویرث حدیث حسن صحیح (جامع ترمذی ص۳۸ ج۱)

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب طاق رکعتوں سے اٹھتے تو اطمینان سے بیٹھ کر کھڑے ہوتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

آپ نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں اجمال ہے۔ مالک بن حویرث کی حدیث جلسہ استراحت واضح اور مفصل ہے!

آخری قعدہ میں تورک

یہ درست ہے اہل حدیث، شوافع، حنابلہ وغیرہ ائمہ سُنّت آخری قعدہ میں تورک کو پسند فرماتے ہیں، یعنی بایاں پاؤں بچھا دیا جائے اور ران پر بوجھ ڈال دیا جائے اور دایاں پاؤں کھڑا رہے۔ ابو حمید ساعدی کی حدیث میں اسکی صراحت موجود ہے:

افترش رجلہ الیسری واقبل بصدر الیمنی علی قبلتہ الخ

(ترمذی ص۴۱ ج۱) باب وصف الصلوٰۃ

ین ابو حمید کی حدیث مفصل ذکر فرمائی۔ اس کے الفاظ زیادہ صاف ہیں:

حتی اذا کانت الرکعۃ التی تنقضی فیھا صلوٰتہ اخرج رجلہ الیسری وقعد علی شقۃ متورکا ثم سلم (ص۲۷۹ ج۱)

"آخری رکعت پر جب نماز ختم فرماتے تو بائیں پاؤں کو ایک طرف نکال کر ران پر بیٹھ جاتے اور سلام کہہ دیتے" اھ

ان واضح احادیث کی بناء پر اہل حدیث تورک کو ترجیح دیتے ہیں لیکن تورک

نہ کرنے کی وجہ سے نماز کو فاسد نہیں کہتے۔ ممکن ہے کراچی میں کسی اہل حدیث، طالب علم نے آپ سے یہ کہہ دیا ہو۔ جہاں تک علماء اور سنجیدہ حضرات کا تعلق ہے اس وجہ سے نماز فاسد نہیں کہتے۔ البتہ آپ نے جس حدیث سے استدلال فرمایا ہے وہ مجمل ہے اور ابوحمید کی روایات مفصّل اور واضح ہیں والمفصل یقضی علی المجمل۔

قرأت فاتحہ خلف الامام

یقیناً اہلحدیث کے نزدیک راجح یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ امام مقتدی سب پر فرض ہے۔ اس مسئلہ میں دیرینہ اختلاف ہے اس لیے فقہائے عراق نے اس پر کافی طبع آزمائی فرمائی ہے لیکن یہ سارے مباحث سلبی قسم کے الزامات ہیں۔ ایجابی طور پر جو احادیث محل نزاع میں صریح ہیں وہ صحیح نہیں جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں۔ یعنی مطلق قرأت کے متعلق ہیں ان میں فاتحہ کا ذکر نہیں۔ محترم مغفور سید انور شاہ صاحب نے ان سلبی اور الزامی راہوں کی کافی نشان دہی فرمائی ہے۔ لیکن اصل موضوع ہنوز تشنہ ہے۔ واقعی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کے متعلق سب سے پختہ دلیل علمائے عراق کی تقلید ہے۔ آپ خود غور فرمائیں۔ آپ نے حضرت جابر کا اثر ذکر فرمایا۔ آپ کو کوئی مرفوع روایت نہیں ملی۔ امام طحاوی وغیرہ نے اس کا رفعاً ذکر فرمایا ہے لیکن کوئی طریقہ صحیح نہیں غیظ و غضب کی کوئی بات نہیں۔ اظہار واقعہ کو آپ غیظ و غضب سمجھتے ہیں۔ آپ مختار ہیں۔ اہل حدیث نے آپ کو بعض کمزور مقامات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ رد یا قبول آپ کے اختیار میں ہے۔ غیظ و غضب کا کسی کو حق نہیں۔ ویسے اس مسئلہ میں رفع الیدین سے آپ کی پوزیشن کسی قدر اچھی ہے اس موضوع

پر طرفین نے بہت کچھ لکھا ہے اس لیے طول اور تفصیل کی ضرورت نہیں۔

آخری دو رکعتیں :

حضرت مولانا انصاف پسندی کے دعوے کے باوجود بعض مقامات پر عریاں ہو گئے ہیں۔ طبیعت پر ضبط نہیں فرما سکے۔ مولانا نے یہ تو قبول فرما لیا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں خاموش رہنا حدیث سے تو ثابت نہیں لیکن اسکے خلاف بھی کوئی صریح حدیث نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فاقرءوا ما تیسر من القرآن سے استنباط فرمایا۔ حضرت امام کے استنباط کی وضاحت مولانا نے مناسب نہیں سمجھی، اس لیے اس کے متعلق گذارش کرنا مشکل ہے البتہ احادیث میں صراحت موجود ہے کہ فاتحہ سب رکعات میں ضروری ہے امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں مسیئ الصلوٰۃ کی حدیث کو کئی طریق سے روایت فرمایا ہے۔ اس میں فاتحہ کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں صراحت فرمائی ہے ۔ کذالک افعل فی صلوٰتک کلھا (ص۱۲) پوری نماز اسی طرح ادا کر! (یعنی مع سورہ فاتحہ)

آپ نے ترمذی (ص۴۲ ج ۱) سے جو اثر حضرت جابر کا نقل فرمایا ہے اس میں بھی یہ الفاظ مرقوم ہیں :

> یقول من صلی رکعۃ لم یقرء فیھا بام القرآن۔
>
> "جو شخص ایک رکعت بھی اُم القرآن کے بغیر پڑھے تو اس کی رکعت نہیں ہو گی مگر امام کے پیچھے"

اس میں رکعت کی صراحت سے ظاہر ہوا کہ قراۃ ہر رکعت میں ہے۔ آپ کو اپنے حلقوں میں اس پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ امام شافعی کا علم نصوص پر مبنی ہے۔

واقعی کوئی رکعت قرأت سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔

زبان سے نیّت

جہاں تک خیال ہے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ نیت دل کا فعل ہے۔ اس کا زبان سے کوئی تعلق نہیں۔ ایمہ اربعہ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں جس التزام سے یہ فعل کیا جاتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ عوام کو اس غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ یہ عجیب ہے کہ جناب جہلاء کے فعل اور عمل کی خواہ مخواہ ذمہ داری اُٹھاتے بلکہ وکالت فرماتے ہیں۔ ان انسانی دھندوں کا معاملہ سوز بانی نیّت اور جہر بالقرأۃ وغیرہ میں بھی اس سے مخلصی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے آپ ایک بدعت کی اجازت دے رہے ہیں۔ اس سے پرہیز فرمائیے اور عوام کو ترغیب دیجئے: وہ سنت پر عمل کریں۔ زبان کے لحاظ سے نیّت کا تعلق جوارح سے نہیں۔

خصت النیۃ فی غالب الاستعمال بعزم القلب علی امر من الامور (مصباح المنیر ص۶۰۳ ج ۲) نیت کا لفظ عموماً دل کے عزم پر بولا جاتا ہے۔ نویت نیۃ ونواۃ عزمت (تہذیب الصحاح ص۶۰۳ ج ۲)

اوپر کے علمی حلقوں سے عوام کی وکالت پر تعجب ہوتا ہے۔ اس قسم کی وکالت عموماً بریلوی حضرات فرمایا کرتے تھے۔ آپ حضرات اسی سطح پر آگئے حافظوا علی نیاتکم میں انما الاعمال بالنیات سے کوئی خاص زیادت نہیں نیت بہرحال عمل کے لیے ضروری ہے۔ اس وقت بھی عوام اسے نماز کے واجبات سے سمجھتے ہیں۔ ابنِ قیم کی نیابت آج بھی ضروری ہے!

قربانی نماز سے پہلے

حضرت العلام نے یہ مسئلہ اس انداز سے لکھا ہے گویا حضرت مولانا معترضین کے موقف سے قطعی بے خبر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلحدیث گاؤں اور شہر دونوں میں عید واجب سمجھتے ہیں۔ انہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مقام پر بھی اختلاف ہے۔ بلکہ قربانی کا اختلاف اسکی فرع ہے حدیث

من ضحی قبل الصلوٰۃ فانما ذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ (مسلم) یعنی جس نے نماز عید کے پہلے قربانی کی اس نے اپنی ذات کے لیے قربانی کی جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی درست ہے۔"

اس حدیث کے مخاطب اہل حدیث کے نزدیک شہری اور دیہاتی سب لوگ ہیں۔ اس میں احناف کے ہاں حضرت علیؓ کے اثر سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ وھو کما تری لا تقوم بہ حجۃ والتفصیل فی سر من رای فی بحث الجمعۃ فی القری۔ للعلامۃ بقا غازی پوری۔

مفقود الخبر کی بیوی

مفقود الخبر کے مسئلہ میں قدماء کو حنابلہ اور ابن حزم ایسے ظاہری حضرات کی حمایت بھی حاصل ہے۔ یہ حضرات بھی قریباً وہی فرماتے ہیں جو قدماء احناف نے فرمایا۔ اس میں قابل غور مسئلہ عورت کے حقوق اور جذبات ہیں۔ قرآن کا ارشاد ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔ نیز ایلاء میں چار ماہ سے زیادہ مرد

کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن عزیز نے عورت کے حقوق ——— اور جذبات کا پورا خیال رکھا ہے محض علماء کی فقہی موشگافیوں کے پیش نظر اس بچاری کو صبر کی تلقین کر کے اسے امتحان میں ڈالا گیا ہے۔ اگر تقلید میں جمود نہ ہوتا تو یقیناً یہ بے انصافی کبھی گوارا نہ کی جاتی۔ جناب نے جو آثار اپنے مذہب کی حمایت میں پیش فرمائے ہیں وہ اس اصول کے خلاف ہیں جس کی رہنمائی قرآن عزیز نے فرمائی۔

پھر اس نوے سال کی تحدید کے لیے کوئی مرفوع صحیح روایت بھی سنت کے دفتروں میں موجود نہیں صرف اکابر کی آراء ہیں۔

الحیلۃ الناجزہ میں مولانا تھانوی اور ان کے رفقاء نے بڑا کرم فرمایا کہ پرانے جمود کو توڑ کر شوافع، موالک اور حنابلہ کی فقہیات سے بعض جزئیات کو قبول فرما لیا۔ حالانکہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ سخت قسم کے جامد تھے۔ اللہ نے ان سے یہ کام لیا جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اتباع سنت اور ترک تقلید کی دعوت کا اس سے زیادہ کوئی مطلب نہیں کہ یہ جمود ترک کر دیا جائے اور انسانی مصالح کو تقلیدی مصالح پر مقدم رکھا جائے الحیلۃ الناجزہ میں ان فتووں کے حاصل کرنے میں جو طریق اختیار فرمایا گیا یعنی قرآن اور سنت کی نصوص کے مفہوم کو جسے مولانا تھانوی اور ان کے رفقاء کار خود بھی صحیح سمجھتے تھے اسے شوافع اور موالک کی تصدیق سے قبول کیا گیا۔ یہ جمود کی ناپسندیدہ مثال ہے

ہم نے بھی درس نظامی مشہور اساتذہ سے پڑھا ہے۔ قرآن و حدیث اتنا مشکل نہیں جس قدر آپ حضرات اسے سمجھ رہے ہیں، اس لیے مسائل کے اظہار میں حیل کو چھوڑیئے اور ائمہ اربعہ کے ساتھ مساوی محبت رکھیے۔ متاخرین فقہا

نے مفقود کے مسئلہ میں اپنی رائے بدل لی۔ متقدمین احناف نے قرآن، حدیث، فقہ کی تعلیم پر اجرت کے متعلق بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہر زمانہ میں ضرورتاً ایسی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آج معلوم نہیں یہ جمود کیوں ضروری سمجھا جا رہا ہے۔

الحیلۃ الناجزہ میں دوسرے مذاہب سے استفادہ فرمایا گیا — اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مقلد بننے کے لیے کتنے مسائل میں تحقیق اور دوسرے مذاہب سے استفادہ ضروری ہے۔ اگر مولانا کا یہ ارشاد درست ہے کہ فقہاؒ نے فقہی مسائل اور نئے اجتہادات کا پوری دیانت داری سے جائزہ لیا تو یقیناً ائمہ حدیث اور فقہاء محدثین نے بھی فقہ الحدیث کا استنباط پوری دیانتداری سے کیا ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق بھی زبان درازی معیوب ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے مفقود الخبر کے باب میں حدیث لقطہ کا ذکر فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت داعی اور حالات کا تقاضا ہو تو ایک سال کے بعد بھی اسے عدت موت کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا عمل میں آ جائے تو امید ہے محترم مولانا اور مدیر فاران اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

مضمون کے آغاز اور آخر میں مولانا نے جس صلح پسندانہ اور مخلصانہ جذبات کا اظہار فرمایا ہم اس کے لیے ان کے شکر گزار ہیں۔ اسی طرح مدیر فاران کی اصلاح کوشی کو بھی ہم عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

لیکن گزارش ہے کہ ان خیالات کا تذکرہ دروس، مجالس وعظ، جمعہ کے خطبات اور عمومی خطابات میں ہونا چاہیئے۔ تاکہ عوامی ذہن صاف ہو اور ان اختلافات کو محض دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اگر کوئی آدمی دیانتاً دوسرے کے خیالات سے متاثر ہو کر انہیں قبول کرے تو اسے نہ مستحق تعزیر سمجھا جائے نہ اس سے نفرت کی جائے جہاں تک واقعات کا تعلق ہے اب تک عصبیت آپ حضرات ہی کی طرف سے

آئی ہے - ایک مثال ملاحظہ فرمائیے :

وقف علی اصحاب الحدیث لا یدخل فیہ الشافعی اذا لم یکن فی طلب الحدیث ویدخل الحنفی کان فی طلبہ اولا اھ (الدر المختار ص۶۹۵، طبع مصر) - یعنی اگر کسی شخص نے اصحاب الحدیث کے لیے کوئی چیز وقف کی ہو تو شافعی اگر حدیث کا طالب علم نہ ہو تو اس وقف میں شامل ہو جائے گا -

اس کی دلیل یہ بتائی ہے :

لکونہ یعمل بالمرسل و یقدم خبر الواحد علی القیاس (حوالہ مذکور)

"اس لیے کہ مرسل پر عمل کرتے ہیں اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں"

اس دلیل کی قدر و قیمت اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ مرسل کی قیمت بلحاظ حدیث کیا ہے اور خبر واحد کے ساتھ علماء اصول فقہ نے جو سلوک کیا ہے معلوم ہے حالانکہ مسلک اہلحدیث، احناف اور شوافع دونوں سے مختلف ہے - علامہ شامی فرماتے ہیں

ذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالھم ویکفرون الصحابۃ حکمھم عند جمھور الفقھاء و اھل الحدیث حکم البغاۃ و ذھب بعض اھل الحدیث الی انھم مرتدون قال ابن المنذر لا اعلم احدا وافق اھل الحدیث علی تکفیرھم اھ (شامی ص۴۵۲ ج۳)

"یعنی ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ خوارج جو مسلمانوں کا قتل جائز سمجھیں اور صحابہ کو گالی دیں - جمہور فقہا اور اہلحدیث کے نزدیک وہ باغی ہیں - بعض اہل حدیث نے انہیں مرتد کہا ہے - ابن منذر کہتے ہیں - باقی فقہا اہلحدیث سے متفق نہیں ہیں "

شامی کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث ایک مستقبل مکتب فکر ہے۔ کیا یہ تعصب نہیں کہ شوافع کو وقف سے الگ کر دیا گیا۔ حالانکہ شوافع کا شغف سنت کے ساتھ احناف سے زیادہ ہے۔

تعصب کی ایک اور بدبودار مثال ملاحظہ فرمائیے:

شرح العقاید النسفیہ کے حاشیہ نظم الفراید میں محشی مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی نے ائمہ سنت کے عقیدہ تفویض کا تذکرہ بواسطہ امام شوکانی فرمایا ــ پھر شدت غضب کی وجہ سے بدزبانی پر اتر آئے اور ائمہ تفویض کے متعلق بے حد غلیظ لہجہ اختیار فرمایا۔ آخر میں فرماتے ہیں:

وخلفاء هذه الملة اربعة ابن تيميه ابن القيم والشوكانی فيقولون ثلثة رابعهم كلبهم واذا انضم اليهم ابن حزم و داود الظاهر يان صار واستة ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب وخاتم المحكلبين مثله كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث يشنع على اهل الحق فی التنزيه الخ (ص۱۰۲)

یہاں ابن تیمیہ، ابن قیم، شوکانی، ابن حزم، داؤد ظاہری، نواب صدیق حسن خاں کے متعلق جس طرح بدزبانی کی ہے اسکے ترجمہ کا بھی حوصلہ نہیں۔ یہ کوثری زبان آپ حضرات کی طرف سے آئی ہے۔ اس سے آگے صفحہ ۱۰۴ کے حاشیہ میں اس سے بھی زیادہ بدزبانی کی گئی ہے۔ میرا تو تجربہ ہے جب تک دنیا میں تقلید شخصی موجود ہے اہل علم کی آبرو محفوظ نہیں رہ سکتی۔ آپ حافظ ابن العربی کی احکام القرآن ملاحظہ فرمائیے۔ خود مالکی ہیں لیکن امام شافعی کا تذکرہ کس حقارت سے فرماتے ہیں کتب اصول میں امام شافعی اور داؤد ظاہری کو جہل کی طرف منسوب کرنے میں تامل نہیں کیا گیا (نورالانوار ص۲۹۸) تقلید میں محبت کا افراط اور غلو ضروری ہے اور اس

کا اثر مخالف پر جو ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

حضرات غربا اہل حدیث کا تشدد اور غلو اور مصنف تلاش حق کے بعض غیر متوازن اور مبالغہ آمیز فقرات کی تلخی ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے لیکن اسکا پس منظر بھی اکثریت کا تشدد آمیز رویہ ہے۔ ورنہ کون نہیں جانتا۔ حضرت شیخ مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ مدت العمر جمعہ احناف کی اقتداء میں ادا فرماتے رہے۔ اس وقت علماء احناف سے ان کے مراسم بڑے اچھے تھے لیکن جب سید صاحب محترم حج کے لیے تشریف لے گئے تو حاجی امداداللہ صاحب مرحوم — مولانا رحمۃ اللہ مرحوم اور مولانا خیر الدین مرحوم نے حرم بیت اللہ میں ان سے کیا معاملہ کیا۔ جامع الشواھد ایسی کتاب کے اتہامات مرحوم پر تھوپ کر گرفتار کرایا پھر تحقیق کے بعد مرحوم جب بری ثابت ہوئے تو معافی کا شاخسانہ کھڑا کر دیا۔ لدھیانہ کا ایک ذہین خاندان اس ہیزم کشی میں شریک رہا۔ مولانا عبد العزیز، مولانا عبد القادر، مولانا محمد، یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، ان مظالم میں شریک تھے۔

آج بھی بریلوی حضرات کی غلط کاریوں سے اتنا شکوہ نہیں جس قدر ابنائے دیوبند سے ہے۔ پاکستان میں دیوبندی علماء سے ایک نوجوان اور نو آموز گروہ اور خود دیوبند سے جو لٹریچر شائع کیا جا رہا ہے۔ نہ اکابر دیوبند کی عزت میں اس سے اضافہ ہوتا ہے۔ نہ ہی اسے علم و دیانت کے معیار پر پرکھا جا سکتا ہے ائمہ حدیث کے ساتھ انتہائی بغض کی بو اس لٹریچر سے آتی ہے۔ ائمہ حدیث اور فقہا مذاہب کا اختلاف فہم کا اختلاف ہے۔ اس کو نفرت کا رنگ دینا پھر اسے عوامی مجالس میں اس طرح رکھنا ہے کہ اس کا فیصلہ عوام کریں، نہ ہی یہ فعل مستحسن ہے، نہ ہی اس کوشش سے کوئی مفید نتیجہ برآمد ہوگا۔

مدیر فاران کا یہ خیال درست ہے حنفی ہو یا اہلحدیث کوئی ان میں سے اسلام سے خارج نہیں، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ جو راہ میں نے اختیار کی ہے اقرب الی السنتہ ہے۔ ان مباحث میں زیادہ سے زیادہ یہی سکون قلب حاصل ہو سکتا ہے۔

اہلحدیث کی اقتدار

ابو الخیرات

جناب محمود احمد صاحب رضوی بریلوی رضاخانی

کے جواب میں:

اہلحدیث کی اقتداء

رضوان لاہور مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء کے نماز نمبر میں بعض اختلافی مسایل کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں گل و خار کے عنوان سے کیا گیا۔ سنجیدہ مزاح بری چیز نہیں لیکن دینی مسایل میں یہ طریق کیوں اختیار کیا ہے۔ "رضوان" رضاخانی احناف کا ترجمان ہے۔ یہ حضرات فہم مسایل میں فقہ حنفیہ سے کہیں زیادہ اعتماد مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے طریق فکر پر رکھتے ہیں۔ فقہ حنفیہ کے ساتھ ان کا تعلق محض عوام کے ساتھ رابطہ کی بنا پر ہے۔ ورنہ حضرت امام والا مقام کے علم و تفقہ سے انہیں چنداں دلچسپی نہیں۔ جہاں اجتہاد کی طغیانی کا یہ عالم ہو کہ عقاید کے اثبات میں قیاس سے کام لیا جاتا ہو بلکہ نصوص قطعیہ کو نظر انداز کرنے میں بھی پرہیز نہ ہو۔ وہاں حضرت امام کے طریق فکر کی کیا وقعت ہے اور جہاں اثبات عقاید میں ظنیات سے لبریز اور اخبار احاد ایسی واجب التعمیل نصوص میں بھی احتیاط کا دامن چھوٹنے نہ پایا ہو، رحمہ اللہ و رضی اللہ عنہ وعن سائر الایمۃ المجتہدین والفقہاء والمحدثین الذین ہم قادۃ الدین وہاں مقایس اور ادہام کی اس بے اعتدالی اور طغیانی کا پیوند کیونکر لگ سکتا ہے؟

اکل حلال میں جہاں اسقدر پابندی ہو کہ مقروض کی دیوار کے سایہ سے استفادہ کرنے میں احتیاط پیش نظر رہی ہو وہاں اس حنفیت کا جوڑ کیونکر لگے گا جس سے

حجرات کی صبح ہی سے مسجد کے در و دیوار پر ٹکٹکی بندھ جائے کہ حلال و حرام سے پیٹ کا دوزخ بھر لیا جائے۔ جہاں بھینس اور اس کی کٹیا کی بیماری پر عرس و میلاد کی نذریں ماننے کی تلقین ہوتی ہو۔ پیٹ پہنائی شب ہجرے میلوں دراز ہو امام ابو حنیفہ ایسے بے شمع آدمی سے ان کا تعلق کہاں تک قائم رہ سکتا ہے کہاں جیل کی صبر آزما موت، کہاں قوالیوں کے ٹوٹ۔ لیکن چونکہ اہل حق پر طعن کے لیے فقہ حنفی کی آڑلی گئی ہے اور فقہی فروغ کو بہانہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اسلیے ارباب توحید ہمیں اس طریق گفتگو میں معذور تصور فرمائیں۔ مقصود اسی طریق فکر کی وضاحت ہے جسے اہلحدیث اور دوسرے آئمہ سلف نے ترجیح دی ہے لیکن ادارہ رضوان نے اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی ہے کسی پر طعن مقصود ہے نہ تنقیص ؎

گفتگوئے عاشقاں در باب رب
جذبۂ عشق است نے ترک ادب

وہابی :

مدیر رضوان نے اہل حدیث کے لیے وہابی کا لقب اہل حق کے لیے استعمال کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس سب وشتم کا پورا دھارا خود بخود ہی کسی اور طرف پھر گیا ہے اور اہل حق اس بے ہودہ گوئی سے محفوظ ہو گئے۔ کما قال علیہ السلام والصلوٰۃ

کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش یسبون مذمما وانا محمد

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا ؎
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است

یہاں بحمد اللہ نہ کوئی وہابی ہے نہ نجدی نہ حنفی ہے نہ سہروردی۔ ان وقتی اور اختراعی نسبتوں سے نہ محبت ہے نہ نفرت نہ کسی سے عشق ہے نہ بغض حقیقت

اسی قدر ہے کہ کتاب اللہ اور سنت سے وابستگی ہے۔ وہ بھی اس انداز سے کہ اس کے ردّ و قبول میں کسی غیر نبی کی کوئی معیاری اہلیت حاصل نہیں ہے۔ کوئی طریق فکر ذہن پر محیط نہیں جس کی پابندی کتاب و سنت کے فہم میں حائل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ارشادات گرامی سے تعلق کی نوعیت ایسی ہے کہ اس میں کسی ایسے واسطہ کی گنجائش نہیں جسے فسق و تقویٰ یا کفر و اسلام کا معیار قرار دیا جائے فکر و نظر، استنباط و استدلال کے لحاظ سے تمام ائمہ ھدیٰ اور اسلافِ اُمت سے استفادہ خدا تعالیٰ کی نعمت ہے جس کا کبھی انکار نہیں ہوا۔ آج جسقدر علوم و معارف موجود ہیں۔ تمام ائمہ فقہ و حدیث کا فیضان ہے جس کا شکریہ ہم پر فرض ہے اور ہر وقت دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پاکباز اور مقدس بزرگوں کی قبروں کو رحمت سے بھر دے۔ مدیر رضوان نے بڑا کرم فرمایا کہ جس قدر کفر کا ذخیرہ ان کے دل میں موجود تھا اُسے ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اہلسنت والحدیث کی اقتدار سے روکنے پر کفایت فرمائی اللہ تعالیٰ انہیں اس کتمانِ کفر کی جزا عنایت فرمائے۔ لیکن یہاں ان کے کفر سے گھبراہٹ نہیں بلکہ ان کے مصنوعی ایمان سے ہے۔ کیونکہ بریلوی اور رضائی ایمان سے کفر شاید حقیقت ایمان ہے۔

مدیر رضوان کی حنفیت کا آغاز قریباً مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے ہوا، اور ہمارے ایمان کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی سے ہوا۔ اگر ایسے حضرات ہماری مساجد میں تشریف نہ لائیں تو ہمیں کوئی شکایت نہ ہوگی، اور ہم سے حلفِ مؤکد لیجئے کہ ہم آپ کو اپنی اقتدار کے لئے کبھی دعوت نہیں دیں گے اور شاید گذشتہ سالوں میں بھی کبھی نہ دی ہوگی۔ ہماری مساجد بحمد اللہ اس گئے گذرے دور میں بھی آپ کی اکثر مساجد سے زیادہ آباد ہیں۔ یہاں اہل توحید کی بحمد اللہ اتنی کثرت ہے کہ حضرات اہل بدعت اور عباد القبور کی ضرورت ہی نہیں۔ یوں

بھی اہلِ سُنّت جس طمانیت سے نماز ادا فرماتے ہیں آپ کو اُن کی اقتدا ویسے ہی گراں پڑے گی۔ اس لئے ہماری یہ رائے ہی نہیں بلکہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ کسی اہلِ سُنّت کی اقتدا نہ فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

لایقبل اللہ لصاحب بدعۃ صرفاً ولا عدلا۔

یعنی بدعتی کے فرض اور نفل دونوں اللہ تعالیٰ منظور نہیں فرماتا۔

آپ ہی فرمائیے — ایک غیر مقبول نماز کی امامت سے نہیں کیا حاصل ہے اسلیے آپ اگر اہلِ توحید کی اقتداء نہیں فرماتے تو اطمینان رکھیے یہاں سے بھی کوئی پیغام بھیجنے کی کوشش نہیں کی جائے گی ع

پیش آں کس برو کہ خریدار تست

دلایل

البتہ ان دلائل کے متعلق گذارش کرنا جن سے عوام کو مغالطہ ہو سکتا ہے — ہمارا فرض ہے۔ محترم رضوانی صاحب نے اہلحدیث کی اقتداء کے ناجائز ہونے میں پانچ مسایل کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت مجدد الوقت مجتہد العصر مولانا الشیخ سید نواب صدیق حسن خان صاحب کی کتاب "الروضۃ الندیہ" کے کسی اُردو ترجمہ سے استفادہ کیا گیا ہے — ارشاد ہوتا ہے: "پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا — جب تک رنگ یا مزہ یا بُو بدلے۔"

فتوے سُنیے: سوچیے، یہ لوگ ایک لوٹے پانی میں ایک قطرہ پیشاب

گر جائے تو اس کو پاک کہتے ہیں اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں بتائیے ہماری نماز ایسے پانی سے وضو کے ساتھ ہو سکتی ہے !

اب ہماری گزارشات سنیئے :

۱۔ درر بہیہ کے نام سے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کی کوئی کتاب نہیں ۔ البتہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس نام کی ایک کتاب ہے جس کی نواب صاحب مرحوم نے شرح لکھی ہے ۔

۲۔ ائمہ متفق ہیں کہ رنگ ، بو ، مزا ، اگر نجاست کی وجہ سے بدلے تو پانی پلید ہو جائے گا ۔ پانی کم ہو یا زیادہ ۔ بہرحال ایسا پانی پلید ہو جائے گا ۔۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر پانی قلتین ہو یا اس سے زیادہ اس میں اگر نجاست گرے تو جب تک اوصاف ثلاثہ رنگ ، بو ، مزہ نہ بدلے پانی پاک ہوگا ۔ کیونکہ یہ کثیر پانی ہے نجاست کے اثر کو قبول نہیں کرتا ۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر عشر در عشر ہو یعنی دہ در دہ ۔ وہ ماء جاری ہے یا ماء کثیر کے حکم میں ہے ۔ اس میں نجاست کا اثر نہیں ہوگا ۔ پانی پاک رہے گا ۔ جب تک نجاست ، رنگ ، بو ، مزہ کو نہ بدل دے ۔

امام مالک فرماتے ہیں : تھوڑے یا زیادہ پانی کی کوئی قید نہیں ۔ اصل چیز اوصاف کا تغیر ہے جب تک رنگ ، بو اور مزہ نہ بدلے پانی کم ہو یا زیادہ اس پر نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوگا ۔

قال محی السنۃ التقدیر لعشر فی العشر لا یرجع الی اصل شرعی یعتمد علیہ (شرح الوقایہ جلد ۱ صفحہ ۸۷)

محی السنت فرماتے ہیں وہ دہ در دہ کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے ۔

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

والتقدیر الذی ذکرہ الحنفیہ فی عدم سرایۃ النجاسۃ الی العشر فی العشر لیس له اصل شرعی بخلاف تقدیر الشافعیہ بالقلتین فانہ ثابت بالحدیث الصحیح وکذا تقدیر المالکیۃ بالتغییر۔ (عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۸۰)

حنفیہ نے جو دہ در دہ کا اندازہ ماء کثیر کے لیے فرمایا ہے۔ اس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں لیکن شافعیہ نے جو قلتین کا اندازہ فرمایا ہے وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح موالک کا اندازہ تغیر اوصاف ثلاثہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔"

مولانا رضوی "وہابیوں" پر اس لیے ناراض ہیں کہ وہ پیشاب کے ایک قطرہ سے پیالہ کو پلید نہیں سمجھتے، ایسے پانی سے اگر وضو کیا جائے تو رضائی حنفیوں کی نماز کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

ادباً یہ گذارش ہے کہ اگر دو مٹکوں میں ایک پیالہ پیشاب گر جائے تو جناب کی نماز کو تکلیف نہ ہوگی اور اقتداء گوارا فرمائی جائے گی یعنی قلتین کی تحدید جناب کو منظور ہے تو پھر "وہابیوں" سے مصالحت کے لئے ایک مجلس بلائی جائے۔

۳۔ اگر کوئی مالکی اپنے مذہب کے موافق پاک پانی سے وضو کرے تو رضائی نماز ہوگی یا نہیں۔ اگر آپ ان کی نماز نہ ہونے پر بضد ہوں تو چاروں اماموں کی حقانیت کا کیا مطلب ہوگا۔

۴۔ جواز اقتداء میں کوئی عقیدہ تو حایل نہیں صرف پانی ہی کی دقت ہے، تو اس کا ایک اور بھی حل ہو سکتا ہے۔ آپ کی مسجد کے حوض یا سبیل سے وضو کر کے اگر وہابی امام بنے تو اس پر تو کوئی اعتراض نہیں۔ جناب کے اس ارشاد کا مطلب میں تو یہی سمجھتا ہوں۔

۵۔ جناب نے سنا ہوگا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے ایک حمام سے وضو فرمایا جس میں چوہا مرچکا تھا۔ آپ نے نماز پڑھ لی اور فرمایا کہ ہم اپنے حجازی بھائیوں کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ کیا امام ابو یوسف وہابی تو نہیں تھے؟

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ نے حدیث قلتین کو صحیح فرمایا ہے۔ حالانکہ اس کے اسناد میں جو بحث ہے وہ اہل علمؒ سے مخفی نہیں۔ احناف نے اس حدیث کے متعلق جو معنوی الجھن پیدا کی ہے۔ وہ بھی معلوم ہے۔ پھر بھی مولانا عبدالحی مرحوم اسے صحیح فرماتے ہیں۔ اس لیے میں انتظار کروں گا کہ اس اضطراب کو آپ ہی دور کریں۔

امام شوکانی اور سید صدیق حسن خاں رحمہما اللہ تعالےٰ کا رجحان واقعی حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی طرف ہے۔ وہ پانی کی مقدار کو نجاست اور طہارت میں اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اس کا انحصار کیفیت پر ہی فرماتے ہیں۔ پانی کم ہو یا زیادہ رنگ، بو، مزہ بدل جائے تو اسے پلید سمجھتے ہیں، ورنہ ان کی نظر میں وہ پانی پاک ہے اور ان کی دلیل نص حدیث ہے۔

الماء طہور لا ینجسہ شئی الا ما غلب علی طعمہ او ریحہ او لونہ۔

الا کے بعد جو زیادۃ ہے باتفاق محدثین ضعیف ہے لیکن اسکی تائید اجماع ائمہ سے ہے: اس لیے امام مالکؒ۔ امام شوکانی رح اور نواب صدیق حسن خاں کی تائید میں نص صریح صحیح بھی اور اجماع بھی ہے۔ پانی کی طہارت صریح اور صحیح نص سے ثابت ہے اور زیادۃ کی تائید اجماع سے۔ رضائی حضرات شاید نہ جانتے ہوں

۶۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ حدیث الماء طہور لا ینجسہ شئی بروایت

ابوسعید خدری، ابوداؤد، احمد، ترمذی میں موجود ہے۔ امام ترمذی اسے حسن فرماتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام احمد کی روایت میں ہے:

انه یستقی لك من بیر بضاعة : یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بیر بضاعہ کا پانی استعمال فرماتے تھے۔

شافعی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے اسے صحیح فرمایا۔ یحیی بن معین، ابن حزم اور حاکم نے بھی اس کی تصحیح فرمائی۔ ابن قطان نے اس کے بعض طرق پر کلام کرنے کے بعد فرمایا:

وله طریق احسن من هٰذا : یہ حدیث احسن طریق سے بھی مروی ہے"

ابن مندہ فرماتے ہیں۔ اس کی سند مشہور ہے۔ ابوسعید خدری کے علاوہ، یہ حدیث حضرت جابر ابن عباس، سہل بن سعد، حضرت عائشہ اور حضرت ثوبان سے بھی مروی ہے۔ اگر نواب صدیق حسن خاں نے صحیح حدیث اور اجماع کی بناء پر یہ مسلک اختیار فرمایا ہے تو آپ نے اقتدار ہی کی نفی فرما دی۔ اگر اب بریلوی حضرات نے نواب صاحب کی اقتدار چھوڑ دی —— تو بے چارے نواب صاحب کیا کریں۔

۷۔ اور یہ قصہ صرف نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور وہابیوں پر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ ائمہ سلف کی ایک مقتدر جماعت کا یہی مسلک ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

والحدیث یدل علی ان الماء لا یتنجس بوقوع شیئ فیه سواء کان قلیلاً اوکثیرا ولو تغیرت اوصافه او بعضها لکنه قام الاجماع علی ان الماء اذا تغیر احد اوصافه

بالنجاسة خرج من الطهورية فكان الاحتجاج به لا
بالزيادة كما سلف فلا ينجس الماء بما لاقاه ولو
كان قليلا الا اذا تغير وقد ذهب الى ذالك ابن عباس
وابو هريرة والحسن البصري وابن المسيب وعكرمه
وابن ابي ليلى والثوري وداؤد الظاهري والنخعي وجابر بن
زيد ومالك والغزالي (نيل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۶)

حدیث سے ظاہر ہے کہ پانی کم ہو یا زیادہ کسی چیز کے گرنے سے پلید نہیں ہوتا۔ گو اسکے اوصاف بھی بدل جائیں لیکن اجماع سے ثابت ہے کہ تمام یا بعض صفات کے بدلنے سے پانی پلید ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی پلید چیز گرے۔ پس یہ استدلال اجماع سے ہے۔ حدیث کی زیادت سے نہیں پس پانی پلید نہیں ہوگا۔ جب تک اسکی یہ تین اوصاف نہ بدل جائیں حضرت ابوہریرہ، حسن بصری، ابن مسیبؒ، عکرمہ، عبدالرحمٰن ابن ابی لیلےٰ، امام سفیان ثوری، داؤد ظاہری، امام نخعی، جابر بن زید، امام مالک اور امام غزالی کا بھی یہی مذہب ہے۔

محترم رضوی صاحب کو اگر فاتحہ، میلاد شریف یا عرس اور دیگر اسباب شکم پروری سے کبھی فرصت ملے تو غور فرمائیں۔ حدیث صحیح، اجماع امت اور اہل سنت کی ایک بڑی تعداد نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ اور وہابیوں کے ساتھ ہے۔ فرمایئے: ان بزرگوں کی اقتدا بھی درست ہے یا نہیں۔

۸۔ محترم رضوی صاحب! اجتہادی مسائل میں کسی کے مسلک کا اختیار کرنا یا ترجیح دوسری چیز ہے اور مخالف مسلک کی تکفیر یا اقتدار کا عدم جواز بالکل دوسری چیز ہے۔ یقیناً تھوڑے پانی کی نجاست کے بھی بہت سے امیر

قایل ہیں۔ پھر مار قلیل کی تحدید میں بھی بہت زیادہ اختلاف ہے۔ جس میں فیصلہ کرنا تقلید کی بناء پر تو شاید ممکن ہو جائے مگر دلیل کی بناء پر سخت مشکل ہے وللناس فی تقدیر القلیل والکثیر اقوال لیس علیھا اثارۃ من العلم (نیل ۳۷/۱۹) قلیل اور کثیر پانی کی مقدار میں لوگوں کے بہت اقوال ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔

جب ان تحدیدات کی تائید کتاب و سنت کی کسی نص صریح سے نہیں ہوتی تو پھر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے۔ آپ سوچیں نجس پانی کا استعمال حرام ہوگا کسی پانی کو پلید ثابت کرنے کے لیے آپ کو ایسے دلایل کی ضرورت ہوگی جو حرمت و حلت کے اثبات میں کامیاب ہو سکیں۔ ایسے ادلہ جو ائمہ اجتہاد میں محل اختلاف ہیں۔ ان کے مفہوم میں اختلاف۔ طریق ثبوت میں اختلاف۔ تعیین مقاصد میں اختلاف — ان مظنون فرقہ دارانہ دلایل کی بناء پر آپ حرمت اقتداء کا فتویٰ کس جرأت سے دے رہے ہیں۔ یہ نہ علم کی شان ہے نہ دیانت کا تقاضا۔ اس کی غایت صرف اسی قدر ہو سکتی ہے کہ جس پانی کو آپ پلید سمجھتے ہیں اسے مت استعمال فرمایئے پوری احتیاط سے اپنے مسلک کی پابندی فرمایئے لیکن نہ آپ کسی دوسرے کو مجبور فرما سکتے ہیں نہ اس پر کوئی فتوے لگا سکتے ہیں۔ شوافع، موالک اور حنابلہ کا مقام اپنے ایمہ کے ساتھ احناف سے کم نہیں۔ عقیدہ، طریقِ فکر، صحت مسلک کے متعلق یقین بالکل مساوی ہے۔ اگر وہ بھی یہی روش اختیار کریں جو آپ نے اختیار فرمائی ہے تو ملت میں تفریق کی ایسی راہ کھلے گی کہ غیر مقلد آپ کا مضحکہ اڑائیں گے — عقل و دانش کی محفلوں میں آپ کے لیے کوئی مقام نہ ہوگا۔ پہلے ہی سے آپ کا فرقہ، تنگیٔ نظر اور فقدان نظر میں ضرب المثل ہے۔ پابندی رسوم، حلوے اور چائے کی تلاش میں کافی بدنام ہے۔ مزید تفریق بین المومنین کی ذمہ داری لینے سے پرہیز

فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فہم صحیح کی توفیق دے۔

۹- مناسب ہوگا کہ آپ کے مسلک کی بھی چھان پھٹک کر لی جائے۔ دوسرے پر حملہ کرنے سے پہلے آپ کے شیش محل کا امتحان ہو جائے کہ وہ کہاں تک مضبوط ہے۔ جسکے سہارے پر دوسروں کی اقتدا، حرام فرمائی جا رہی ہے وہ سہارا سہارا ہے بھی یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ احناف کا مسلک پانی کے متعلق نہ روایتہً درست ہے نہ درایتہً ۔ نہ نصوص اس کی مؤید ہیں نہ عقل یہ مسلک محض عوام کی عقیدت مندانہ حمایت سے چل رہا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ آپ حضرات کو اپنے مخالفین پر فتویٰ دینے کی جرأت کیسے ہوتی ہے۔

○

ماء کثیر کی تعیین عشر فی العشر یعنی دہ در دہ کا اندازہ بالکل بے ثبوت ہے — متاخرین حنفیہ نے یہ اندازہ گھڑ لیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ شارح وقایہ نے اسے ثابت کرنے میں جسقدر زور صرف کیا ہے۔ اس کا اصل مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر جناب نے اسے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی تو تفصیلاً عرض کیا جائے گا — محی السنۃ کا قول پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ صاحب در المختار ص۱۲۶ بھی امام محی السنۃ سے اس باب میں متفق ہیں کہ یہ تحدید ثابت نہیں۔ بلکہ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں۔ ماء کثیر، ماء جاری۔ غدیر وغیرہ کے متعلق ائمہ احناف میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا۔ جاری پانی وہ ہے جو تنکوں کو بہا کر لے جائے۔ بعض نے فرمایا۔ جس میں تکرار نہ ہو اسی طرح غدیر (تالاب) کے متعلق ارشاد ہے۔ جس کو ایک طرف سے اگر حرکت دی جائے تو دوسری طرف سے نہ ہلے۔ لیکن حرکت غسل سے ہو یا ہاتھ سے یا وضو سے

اس میں حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف سے مختلف روایات ہیں جس سے ظاہر ہے کہ مسئلہ منصوص نہیں بلکہ اجتہاد و تفقہ کی پیداوار ہے اسی طرح دہ دردہ کا مسئلہ بھی متاخرین نے پیدا کر دیا۔ مولوی رضوی خود ہی سوچیں کہ اس قسم کے فقہی اختلافات کی بنا پر اقتدا سے روکنے کا فتویٰ دانشمندی نہیں بلکہ جسطرح ائمہ نے ان مسایل میں اختلاف کا حق دیا ہے اور شریعت میں اپنے اجتہادات کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ اب بھی تنگی نہ فرمائی جائے بلکہ اپنے مسلک اور تحقیق کی پابندی کے بعد دوسرے فقہی اختلافات میں رواداری برتی جائے۔ بریلوی حضرات تو سارے ہی تقریباً کم ظرف ہیں۔ دیوبندی حضرات میں اس قسم کی کم ظرفی مولانا تھانوی اور مولانا انور شاہ رحمہما اللہ کے حصہ میں آئی تھی۔ عبدالحی لکھنوی کا مسلک اس باب میں زیادہ صاف اور واضح ہے رحمہ اللہ ورضی عنہ

غالباً آپ حضرات اس کی تو اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ اگر کوئی شخص امام ابو یوسف یا امام محمد کے مسلک کی پابندی کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اقتدا ء بھی درست ہی ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی، امام مالک یا امام احمد بھی طہارت میں اپنے مسلک کے مطابق نماز ادا کریں یا امامت فرمائیں، تو ان کی نمازوں کو بھی آپ آسمان تک پہنچانے کی فرشتوں کو اجازت دینگے اگر آپ اتنی لچک پیدا کریں تو وہابیوں کی فکر مت کریں۔ وہ آپ کے ان وسایل سے بے نیاز ہیں۔ ان کا معاملہ براہِ راست خدا تعالےٰ کی رحمت سے ہوگا۔ اور ان کا امام شفاعت کے وقت ان کو انشاء اللہ نہیں بھولے گا۔

اللّٰھم صل علی محمد وبارك وسلم

(۱۰) طہارت کے مسئلہ میں کوئیں اور تالاب کا فرق بھی عجیب ہے ۔ گویا

یہاں پہنچکر پانی کی مقدار سے ظرف کی ہیئت کو پاکیزگی اور نجاست میں زیادہ دخل ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک کنوئیں میں اتنا پانی ہے۔ جس سے کئی تالاب دہ در دہ بھر سکتے ہیں لیکن جب یہ پانی تالاب میں ہو تو کوئی پلیدی اس میں اثر نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ تمام اور اس سے کئی زیادہ پانی کسی گہرے اور وسیع کوئیں میں آجائے تو وہ چند تولے نجاست کا بھی متحمل نہ ہوگا۔ گویا گول برتن یا مستطیل برتن سے جلدی پلید ہو سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومسایل الیبر مبنیۃ علی اتباع الآثار دون القیاس

(ھدایہ اولین، صفحہ ۲۰) "کوئیں کی نجاست میں قیاس کو دخل نہیں۔ یہ مسایل سماعی ہیں"

پاک اور پلید کا مسئلہ حلال وحرام کے قریب قریب آیا اس میں محض آثار صحابہ کفایت کر سکتے ہیں اور ان کی بنا پر حرمت اقتدار کا فتوے دیا جا سکتا ہے۔ آیا یہ ممکن ہے کہ ان اہم مسایل کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی مروی نہ ہو۔ سارا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا جائے جو حسب عقیدہ اہل سنت معصوم نہیں ہیں اور پھر آپ ہیں کہ بے سوچے سمجھے فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں ع

ماھکذا یا سعد تورد الابل

پھر ان آثار کی اسانید پر بھی کبھی آپ نے غور فرمایا: شاید ہی ان میں کوئی سند صحیح طور پر صاحب روایت تک پہنچ سکے۔ بشرط صحت ان آثار کا مفاد زیادہ سے زیادہ تنزیہہ ہو سکتا ہے۔ ان کی بنا پر کوئی تشریعی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن آپ کے ہاں اکفار وتکفیر اور اقتدار پر پابندیاں ایک دل لگی

ہے اور دل خوش کن مشغلہ ہے

والکفر عندکم رخیص سعرہٗ　　حصوا بلا کیل ولا میزان

میری گذارش اس قدر ہے کہ یہ فتویٰ بازی ان دلایل کی بناء پر دیانتہً بھی مناسب نہیں اور آپ کی پارٹی علمی طور پر بھی اس کی اہل نہیں کہ ایسے اہم اور ذمہ دار مسایل میں جسارت کر سکے۔ آپ حضرات کے لیے اعراس موالید اسقاط، ختم، ساتواں، چالیسواں، جمعرات ایسے مفید مشاغل کیا کم ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ایک علمی ذمہ داری کے لیے میدان میں تشریف لے آتے ہیں۔

(۱۱) کوئیں کی پاکیزگی، ڈولوں کی مقدار اور تعداد میں جو تفاوت رکھا گیا ہے وہ بھی محض آثار ہی ہیں۔ کتاب اللہ یا سنت صحیحہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ایک کنوئیں میں چڑیا یا چوہا یا ممولا وغیرہ گر جائیں تو آپ کے ہاں بیس ڈول نکالنے سے کنواں پاک ہوگا۔ خاموشی سے تقلیداً مان لینا تو اور بات ہے، ذرا سوچیے انیس ڈول نکلنے تک تو کنواں بالکل ناپاک ہوگا۔ بیسواں ڈول ساری پلیدی لے کر باہر آجائے گا اور آپ یقین کرینگے اور مطمئن ہوں گے کہ اب کنواں بالکل پاک ہے۔ لیکن اس بیسویں ڈول سے جو پلیدی کا بقیہ لے کر آرہا ہے جسقدر قطرے کوئیں میں گریں گے کنواں پھر سے پلید نہ ہوگا۔

دراصل ان تمام آثار کی بنیاد نزاہت اور طبعی کراہت پر ہے۔ آپ نے اسے تشریعی حکم قرار دے کر پانی کے چند قطروں سے پاک اور پلید کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی، چہ عجب!

اتنی کمزور عمارت اور بودے دلایل کے ہوتے ہوئے آپ اہلحدیث اور موالک پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مسلک استدلال کے لحاظ سے کافی

مضبوط ہے۔ یہ مسئلہ کسقدر صاف اور معقول ہے کہ پانی کم ہو یا زیادہ۔ کنوئیں میں ہو یا تالاب میں۔ تالاب دہ دردہ ہو یا چھوٹا اس میں نجاست گرے، اور اس کے بعض یا کل اوصاف یعنی رنگ اور مزہ اور بو کو بدل دے تو پانی پلید ہو جائے گا اور اس میں اگر مزید اتنا پانی داخل کیا جائے جس سے یہ اوصاف درست ہو جائیں گے یعنی رنگ، بو اور مزہ درست ہو جائے یا اس نجاست کی مقدار کو اتنا کم کیا جائے کہ اس کا بظاہر کوئی اثر نہ رہے تو پانی پاک ہو گا اتنے صاف مسئلہ پر آپ ان اوچھے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوتے ہیں۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یوں برادرانہ طور پر صلح صفائی سے مساجد کی امامت کا محکمہ آپ کے سپرد کر دیا جائے۔ مردہ شوئی، فاتحہ خوانی، اسقاط، چالیسواں وغیرہ کا ٹھیکہ آپ لے لیں تو یہ دوسری بات ہے مگر آپ اپنے دل کی تقدیس کے متعلق یقین دلا دیں کہ اس میں شرک و بدعت کی نجاست نہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم لوگ انشاء اللہ امامت آپ کے سپرد کر دیں گے۔ لیکن آپ یقین فرمائیں کہ ان حالات میں یہ امامت پیٹ پوجا کا ذریعہ نہیں بن سکے گی۔

پانی کے مسئلہ میں میں نے مختصراً چند گذارشات کر دی ہیں۔ ومن استزاد فلدینا مزید

شراب کی طہارت!

مولانا رضوی، مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم پر اس لیے ناراض ہیں کہ نواب صاحب مغفور شراب کی نجاست کے قایل ہیں۔ یہ دوسری دلیل ہے جسے اہل حدیث کی اقتداء کے ناجائز ہونے کے متعلق پیش کیا گیا ہے میرا ذاتی رجحان بھی اسی طرف ہے کہ شراب نجس ہے اور حنابلہ اور احناف کا مسلک اس میں صحیح ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مسئلہ قیاسی نہیں ہے اس کیلئے نص کی ضرورت ہے۔ نواب صاحب مرحوم کو اس پر اصرار نہیں وہ بھی بیّن دلیل چاہتے ہیں جو بوقت تعارض ترجیح کا موجب بن سکے، فرماتے ہیں:

وبالجملة فالواجب على المنصف ان يقوم مقام المنع ولا يتزحزح عن هذا المقام الا بحجة شرعية (الروضة صفحہ ۱۲)

"منصف مزاج آدمی کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مسایل میں حجت شرعی کے سوا اپنے موقف سے نہ ہٹے۔"

اس لیے بہتر ہوگا کہ رضوی صاحب شراب کی نجاست پر کوئی نص لائیں جیسے کہ شراب کی حرمت پر نص موجود ہے۔ مناسب ہوگا کہ فتووں پر زور ڈالنے سے زیادہ زور دلایل پر دیا جائے۔ ہمارے بریلوی دوستوں میں یہ بنیادی کمزوری ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ جذبات سے خطاب فرماتے ہیں اور فتووں پر زیادہ زور ڈالتے ہیں ——— اور معقول آدمی کے لئے یہ دونوں حربے بے کار ہیں۔

نواب صاحب مرحوم شراب کو پاک نہیں سمجھتے بلکہ وہ آپ کے ساتھ

متفق ہیں کہ شراب نجس ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

انما الخمر والمیسر والانصاب رجس من عمل
الشیطان — شراب، جوا۔ اور بُت سب پلید ہیں
اور شیطانی عمل۔

آلات قمار اور انصاب پلید ہونے کے باوجود ان کے چھونے سے نہ جسم پلید ہوتا ہے نہ کپڑے بلکہ ان کی نجاست حکمی ہے حسی نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام۔
مشرک نجس ہیں اس لیے (وہ بلا اجازت) مسجد حرام میں نہ آئیں

قرآن مجید کا یہ حکم تمام مشرکین کے لیے عام ہے کہ وہ نجس اور پلید ہیں۔ ہند کے مشرک ہوں یا پاکستان کے۔ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ لیکن معلوم ہے کہ ان کے چھونے سے نہ کپڑے پلید ہوتے ہیں نہ جسم۔ نواب صاحب مرحوم فرماتے ہیں

وھذا یدل علی ان تلک النجاسۃ حکمیۃ لاحسیۃ و
التعبد انما ھو بالنجاسۃ الحکمیۃ (الروضہ ص۱۲)
یہ حکمی نجاست ہے حسی نہیں اور عبادت میں پرہیز حسی نجاست
سے ہے"

وفد ثقیف مسجد نبوی میں آیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد دھونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بیت اللہ میں مشرک آتے جاتے رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاوٹ نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ نجاست حکمی تھی حسی نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا پانی استعمال فرمایا۔ قرآن حکیم میں محرمات النکاح کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ لیکن ان رشتوں میں کوئی بھی پلید نہیں

حرمت دوسری چیز ہے اور نجاست دوسری چیز۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ میری وجدانی کیفیت یہ ہے کہ میں اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کو صحیح سمجھوں لیکن نواب صاحب مرحوم اور امام شوکانیؒ کی گرفت بھی معمولی نہیں فتفکر و لا تکن من الغافلین۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ان چیزوں کو حسی نجس ثابت کرنے کے لیے دلیل لائیے۔

سونا، چاندی، ریشم مردوں پر حرام ہیں۔ لیکن ان کے چھونے سے جسم پلید نہیں ہوتا نہ نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ تمام زہر کچلہ، سم الفار وغیرہ حرام ہیں نجس نہیں — اسی طرح مخدرات حرام ہیں پلید نہیں۔ نواب صاحب شراب کو حرام بھی سمجھتے ہیں اور پلید بھی لیکن اسکی نجاست کو حسی نہیں سمجھتے۔ یہ ایسا جرم نہیں جس پر آپ حضرات خفگی فرمائیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی فرما سکتے ہیں کہ مرحوم نے ٹھیک نہیں سمجھا اور یہ بھی اس وقت جب بیّن دلیل مل جائے۔

مولانا! نواب صاحب کا یہ حال ہے کہ نہ وہ شراب کے ساتھ علاج جائز سمجھتے ہیں اور نہ شراب میں گوشت پکانا ان کے ہاں درست ہے — لیکن حنفیہ رحمہم اللہ کے ہاں چار قسم کی شراب حرام ہے اور چار قسم کی حلال:

والحلال منها اربعة انواع (۱) نبيذ التمر والزبيب ان طبخ ادنى طبخة يحل شربه وان اشتد وهذا اذا شرب منه بلا لهو وطرب مالم يسكر والثانی الخليطان والثالثة نبيذ العسل والتين والبر والشعيرة طبخ اولا والرابع المثلث (الدر المختار ص۳۶۴ نول کشور)

"چار قسم کی شراب حلال ہے۔ کھجور اور منقیٰ کا نبیذ جب اُسے تھوڑا سا پکایا جائے۔ دوسرا مخلوط نبیذ۔ تیسرا شہد، اور

انجیر وغیرہ کا نبیذ اور چوتھا مثلث انگور کا شیرہ جس کا دو تہائی
جل چکا ہوں۔ یہ سب قسمیں حلال ہیں بشرطیکہ قوت کی نیت
سے استعمال کی جائیں، لہو و لعب کا ارادہ نہ ہو۔"

جب حنفی مذہب میں اتنی وسعت ہے کہ نیک نیتی سے بقدر ضرورت
پی بھی جائے تو حرج نہ ہو اور وہابیوں پر صرف طہارت مع الحرمت کی بنا پر
اتنا سنگین فتویٰ دینا کچھ بھلا معلوم نہیں ہوتا فرمن المطر وقر تحت
المیزاب کا معاملہ ہوگا ۔

اے رحمت تمام میری ہر خطا معاف
تیرے عفو کی امید پر بھرا کے پی گیا

میرا مقصد ان گزارشات سے نہ الزام ہے نہ عیب چینی۔ مقصد یہ ہے
کہ فقہیات میں ایسی جزئیات آ سکتی ہیں جن کی وجوہات بھی اہل علم کے پاس
ہوتی ہیں غلط ہوں یا صحیح۔ فریق مخالف اسے قبول کرے یا نہ کرے، لیکن
ان جزئیات سے جذباتی طور پر عوام کو انگیخت کرنا علم کی شان نہیں!

کون نہیں جانتا کہ شراب کے استعمال میں جسقدر وسعت احناف کے
مسلک میں ہے، دوسرے ائمہ کے مسلک میں نہیں۔ سنن نسائی کے آخری
ابواب پڑھیے اور سوچیے کہ اہل علم نے اس ام الخبائث کے استعمال میں کس
قدر کمزوریاں دکھائی ہیں جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمائی ہے اور سب سے زیادہ محتاط مسلک اس میں اہلسنت و لحدیث کا
ہے۔ پھر صرف طہارت پر طعن بازی کیوں کی جائے۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نواب صاحب اور امام شوکانی کی تحقیق تمام
اہلحدیث کے نزدیک مسلم ہو۔ آپ کے ہاں جو مقام حضرات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

اور ان کی فقہیات کو حاصل ہے ۔ ہمارے ہاں نواب صاحب اور ... ان کی تصانیف کو وہ مقام حاصل نہیں ۔ ہم نواب صاحب اور امام شوکانی سے کئی مسایل میں اختلاف رکھتے ہیں، اس لیے ادباً گذارش ہے کہ اسے جماعتی سوال نہ بنایا جائے ۔

شراب کے مسئلہ میں غالباً لفظ نبیذ کی وضاحت میں وقت ضائع نہیں فرمایا جائے گا ۔ غلیان اور اشتداد کے بعد خمار عقل تو ضرور ہو گا ۔ آپ اسے نبیذ محرم فرمائیے مجھے خمر النبیذ کہنے کی اجازت دیجئے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یسمونہ بغیر اسمہ (نسائی) تو درست اور حق ہے الفاظ کی ہیرا پھیری کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ علماء نے اسے شراب ہی سے تعبیر فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو طبقات الحنابلہ لابی یعلی صہ ۱۱۳ ۔ امام خلف بن ہشام بن تغلب ۳۲۹ھ اعدت صلوٰۃ اربعین سنۃ کنت اتناول فیھا الشراب علی مذھب الکوفیین اھ ۔ "میں نے چالیس سال کی نماز کا اعادہ کیا کیونکہ میں اصحاب کوفہ کے مسلک کے مطابق شراب پیتا رہا ۔"

جمہور صحابہ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ ہر مست کرنے والی چیز تھوڑی ہو یا زیادہ حرام ہے ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اس کی موید ہے ۔ امام محمد اور مشائخ سے ایک گروہ نے بھی یہی مسلک پسند فرمایا ہے ۔ امام شعبی، نخعی اور امام ابوحنیفہ سے ایک دوسرے مسلک بھی منقول ہے کہ انگور اور کھجور کے سوا از گیہوں شراب درست ہے بشرطیکہ حد سکر کو نہ پہنچے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کل مسکر خمر: "جو مست کرے وہ خمر ہے"

ما اسکر کثیرہ وقلیلہ حرام "مسکر چیز کم ہو یا زیادہ حرام ہے"

اس لئے پہلا مسلک صحیح ہے اور دوسرا مسلک اجتہادی غلطی پر مبنی ہے جب احناف میں شراب کے متعلق اتنا نرم رویہ اختیار فرمایا گیا ہے تو نواب صاحب اور بے چارے اہل حدیثوں پر صرف پاک اور حرام کہنے پر کیوں خفگی فرمائی جارہی ہے۔

قصہ پارینہ نوکِ قلم پر آگیا ہے۔ اجازت دیجئے کہ مبحث اور نکھر جائے تاکہ جناب سنجیدگی سے غور فرما سکیں اور نواب صاحب اور اہل حدیث کی قرارداد جرم بھی منظر عام پر آجائے تاکہ ارباب دانش سوچ سکیں کہ معاملہ کہاں تک سنگین ہے کچھ حقیقت بھی ہے یا صرف "شیر آیا" تک ہی ساری داستان ختم ہو جاتی ہے۔

قاضی خاں فرماتے ہیں: ص۱۱ ج (۱)

ذکر الناطفی عن محمد اذا صلی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوتہ الخ

امام محمد فرماتے ہیں اگر کتا یا بھیڑ ذبح کی جائے تو اس کے چمڑے پر نماز جائز ہے۔"

اما اذا ذبح بالتسمیۃ وصلی مع لحمہ او جلدہ قبل الدباغۃ یجوز

جب کتا وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ اس کے گوشت

اس کے چمڑے پر نماز پڑھی جائے۔ رنگنے سے پہلے تو یہ جائز ہے " (منیۃ المصلی)

معلوم ہے درندے حرام ہیں۔ حرمت کے باوجود یہ بسم اللہ کے ساتھ ذبح کئے جائیں تو ان کا گوشت اپنے پاس رکھ کر ان کے چمڑے پر نماز ہو جائے گی۔

مولانا یہ بالکل وہی چیز ہے جو نواب صاحب فرما رہے ہیں شراب حرام ہے لیکن پاک۔ یہاں گوشت اور چمڑا دونوں حرام ہیں۔ مگر ذبح سے پاک ہو گئے ہیں۔ فرمائیے آپ میں اور نواب صاحب میں۔ کیا فرق ہے ـــ نواب صاحب بے چارے صرف پاک کہہ رہے ہیں لیکن جناب کے ہاں نبیذ مسکر پی کر کتے کا گوشت جیب میں رکھ کر اور اس کے چمڑے کا مصلیٰ (دباغت سے پہلے) پاؤں کے نیچے بچھا کر نماز پڑھنی جائز ہے ـــ مگر پھر بھی کافر وہابی ہی ہیں۔ اناللہ!

جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ عادت کے خلاف ہے۔ میں ان اجتہادی لغزشوں کی نمائش کا عادی نہیں۔ مگر آپ کا فتویٰ بے حد دلخراش تھا ـــ اس لیے بادلِ نخواستہ حقیقتِ حال سے پردہ اٹھانا پڑا ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

آپ غور فرمائیں: اصولاً آپ میں اور نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی فرق نہیں۔ صرف کتے اور شراب کا فرق ہے۔ اصولی اتحاد کے بعد، جزوی اختلاف کی بنا پر اس قدر تیزی اہلِ علم کے لیے مناسب نہیں۔

پھر جو کچھ نواب صاحب نے فرمایا: یہ پوری جماعت اہلحدیث کا مسلک نہیں

جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو شراب کو احناف اور حنابلہ کی طرح نجاست مغلظہ سمجھتے ہیں۔ صریح دلایل کے فقدان کے باوجود میرا ذاتی رُجحان اسی طرف ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ بوقتِ ضرورت وہابی امام سے دریافت فرمالیں کہ وہ ام الخبائث کو پاک تو نہیں سمجھتے۔ اور وہ بھی اگر آپ کی طرح متعصب ہو تو دریافت کرے کہ جناب نے کچھ زیادہ تو نہیں پی اور مصلےّ ابھی ذبیحہ محرم سے نہیں بنوایا گیا۔

ہمارا مسلک آپ سے بالکل الگ ہے۔ ہم ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ حنفی ہو یا اہلحدیث اور غیر مسلم حنفی کی اقتداد کے لیے تیار نہیں — یہ دونو قسمیں آج کل عام ہیں۔ اہلحدیث اور حنفی کے لیے تو بحث کرتے ہیں لیکن عملاً بلکہ عقیدۃً وہ غیر مسلم ہوتے ہیں۔ جھوٹ۔ بد دیانتی سب کچھ کرتے ہیں لیکن حنفیت اور وہابیت کے لئے خوب لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ کوئی نام رکھیں: ان کی نماز، اقتدار سب مشتبہ ہے اور افسوس ہے کہ غیر مسلم حنفیوں کی آجکل کثرت ہے

پگڑی پر مسح :

سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ احناف اس سے چوتھائی سر مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں مسح علی ناصیتہ صراحۃً آیا ہے اور ناصیہ سے مراد ان کے ہاں ربع سر ہے۔ شوافع کا خیال ہے کہ سر کی طرف سے کم از کم چند بالوں کا مسح ہو جائے موالک پورے سر کا مسح ضروری سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں مسح کی تین صورتیں مروی ہیں:

(۱) پورے سر کا مسح

(۲) سر کے بعض حصے پر اور کچھ پگڑی پر — اور

(۳) پوری پگڑی پر

احناف کا معمول احادیث میں بصراحت موجود نہیں ۔ صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مختصر ہے اور صحیح مسلم میں دونوں روایتیں موجود ہیں ۔ قرآن کے اطلاق پر صرف موالک کا عمل ہے ۔ ایک توضیح احناف نے کی اور پورے سر کو چوتھائی کرایا اور شوافع نے چند بال سے اس کی تفسیر کی ۔ یہ چیزیں نوگوارا ہیں ۔ آپ بھی حق پر، شوافع بھی حق پر اور موالک بھی حق پر ۔ اور اہل حدیث اگر سنت صریح کے مطابق پگڑی پر مسح کریں تو معتوب ۔ اب حدیث سنیے :

عن عمرو بن امية الضمری قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی عمامته وخفیه (صحیح بخاری مع کرمانی پ۳ ص۵۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا۔"

امام نووی فرماتے ہیں ۔

وذهب احمد بن حنبل الی جواز الاقتصار علی العمامة ووافقه علیه جماعة من السلف (مسلم مع نووی ص ۱۳۴ ج ۱) امام احمد بن حنبل صرف پگڑی پر مسح جائز سمجھتے ہیں اور سلف سے ایک جماعت ان کے ساتھ متفق ہے۔

حدیث مسح علی العمامہ حضرت بلال، مغیرہ بن شعبہ، حضرت سلیمان اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے ۔ اب آپ سوچ لیں کہ وہابیوں کے ساتھ کون کون بزرگ محروم الاقتدار تصور کرتے ہیں ۔ ع

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مولانا! معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ فداہ ابی وامی سخت قسم کے وہابی تھے بریلی اور لاہور کے ارباب فکر سوچ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں "نماز کا بیڑا غرق" کا فتویٰ صادر فرما سکیں تو اپنے بزرگ کی وراثت میں دارالندوہ کی چابیاں آپ حضرات کے حوالہ کر دی جائیں گی اور حقدار کو حق مل جانے پر ہمیں بھی مسرت ہوگی۔

وجوبِ غسل

زن و شوی کے تعلقات میں اگر کسی فتور کی وجہ سے مادہ منویہ نکلنے کی نوبت نہ آئے تو جمہور کا مذہب ہے کہ غسل واجب ہے۔ احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری اور بعض دوسرے ائمہ سلف کا مذہب ہے کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کرے۔ (بخاری)

دونوں مسلک کی تائید احادیث سے ہوتی ہے چونکہ تاریخ معلوم نہیں اس لئے نسخ کا دعویٰ تو صحیح نہیں جو مسلک راجح ہو اس پر عمل ہوسکتا ہے اقتداء کے جواز یا عدم پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ صحیح بخاری۔ فتح الباری۔ نیل الاوطار فتاویٰ ابن تیمیہ میں تفصیل ملے گی۔

پاؤں پر مسح

یہ مولانا رضوی کی آخری دلیل ہے کہ اہل حدیث پاؤں پر مسح جائز سمجھتے ہیں یہ فتاویٰ ابراہیمیہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ معلوم نہیں یہ مولوی ابراہیم کون سے بزرگ ہیں اور فتاویٰ ابراہیمیہ کیا بلا ہے۔ ہم صراحتہً یہ گذارش کرتے ہیں کہ اہلحدیث کا یہ مسلک نہیں اور غالباً شیعوں کے سوا، ائمہ سنت سے کسی

کا بھی یہ مسلک نہیں!

آخری گذارش!

ہم "رضوان" اور اسکے ادارہ کے محترم ارکان کو نظر انداز کر رہے تھے۔ خیال نہ تھا کہ ان بزرگوں کو خواہ نخواہ تکلیف دی جائے۔ یہ پہلی دفعہ جوابی گذارشات کی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ بھی اسی غلطی کا اعادہ ہو۔ اس لیے مولانا رضوی اور ان کے رفقاء ایک بات سمجھ لیں کہ اہلحدیث علماء اور بزرگوں کے فقہی اقوال ہمارے ہاں اساس مذہب نہیں۔ نہ ہی ہم انہیں ائمہ اجتہاد کی طرح امام مانتے ہیں نہ ان کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ چیزیں بطور الزام نہ لکھی جائیں، واجب التعمیل ہمارے لیے صرف کتاب و سنت اور آثار سلف کے سوا کچھ نہیں آثار سلف میں اجماعی مسائل کی پابندی ہوگی باقی مسائل میں جہاں سلف مختلف ہوں ہم کسی کے پابند نہیں۔ مناسب ہوگا کہ لکھتے وقت یہ اصل پیش نظر رہے۔ اس سے بحث میں طول نہیں ہوگا اور شاید ہم ایک دوسرے کے کچھ قریب بھی ہو سکیں۔

ایک
مقدس تحریک
جو
مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی

اہلِ بدعت کی نشانی یہ ہے کہ
وہ
اہلحدیث کو بُرا بھلا کہتے ہیں

(امام اہلسنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مادی حکومتوں میں جس طرح توڑ پھوڑ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح دینی تحریکات اور فروعی اور اصولی نظریات میں بھی کسر اور انکسار کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ مقدمہ ابن خلدون اور مقریزی کی المواعظ میں ان حوادثات کا تسلسل نظر آتا ہے۔ مسائل میں اختلاف اہلِ علم کی باہمی رقابتیں — اور شکر رنجیاں تاریخ مذاہب میں مدّوجزر کی کیفیت پیدا کر رہی ہیں۔ اس کے مادی ذرائع پر بحث تاریخ کا ایک خاص موضوع ہے۔ تاریخ اور طبقات ملل و نحل کی کتابوں میں اس کی خاصی تفصیل ملتی ہے۔

فارس کے علاقوں میں ایران اور ماوراء النہر میں جس طرح مذہبی انقلابات آئے، ایک گروہ نے دوسرے پر یورش کی۔ اسے ختم کیا۔ اس قسم کا مواد تاریخ عالم میں کافی ملتا ہے۔ ائمہ حدیث اور علمائے سُنّت کی کثرت، پھر ائمہ شوافع کا زور اس کے بعد علمائے احناف کی یورش پھر تشیع کا غلبہ — یہ سب حوادثات تھوڑی سی مدت میں رونما ہو گئے۔

آج بھی ایران اور عراق میں سُنّی بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں لیکن شیعی

حکومت کے استبداد نے سب کی زبانیں بند کر رکھی ہیں۔

روسی ترکستان، ازبکستان تاشقند فرقہ پرستی کی تنگ نظری اور فقہی استبداد نے لادینی اور کمیونزم کے لیے راہ ہموار کر دی۔ یہاں عملاً اسلام ہی کو خارج البلد کر دیا گیا ہے۔ نکتہ ور۔ دور اندیش طبائع کے لیے اسی میں درس عبرت ہے۔

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔ (القرآن)

مصر اور سوڈان کے علاقوں میں اہل علم اور ائمہ سنت کا طوطی بولتا تھا۔ قرآن وسنت اور سلف کا طریق عام تھا۔ حضرت امام شافعی ۱۹۸ھ میں تشریف لائے اور اپنے علمی فیوض سے سرزمین مصر کو سیراب فرمایا۔ ربیع بن سلیمان، امام اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی، حافظ یوسف بن یحییٰ بویطی وغیرہم کی وجہ سے شافعیت مصر میں عام ہو گئی۔ (الخطط صفحہ ۱۴۵ ج ۴)

اس کے بعد فاطمیوں کے عروج نے ساری صورت حال بدل کر رکھ دی۔ ۳۵۸ھ میں مصر پر تشیع اور رفض چھا گیا۔ فاطمی اور دوسرے روافض جو دھاندلیاں کر سکتے تھے کرتے رہے۔ مصر کے در و دیوار پر صحابہ اور ائمہ سلف پر تبرا کے بورڈ آویزاں تھے۔ ۵۶۴ھ کے پس و پیش سلطان نور الدین محمود بن زنگی کی فوجوں نے اس دور کا خاتمہ کیا۔ فقہائے موالک اور شوافع کے دور کا پھر آغاز ہوا، اور رفض و تشیع کا اس سرزمین سے خاتمہ ہو گیا۔ مقریزی نے خطط جلد ۴ میں اس مد و جزر اور عروج و زوال کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے۔ مقریزی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ مذاہب اربعہ میں مناقشات جاری رہے۔ عہدۂ قضا کی وجہ سے اکھاڑ پچھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ اہل علم کی کمزوری تھی کہ مسلمان اور سُنی سمجھنے کے باوجود مدارات اور باہم خوشدلی سے گذر نہ کر سکے۔ افتاء اور قضاء نے کاروباری

انداز اختیار کرلیا۔ وقت کی حکومت بھی ان حضرات کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتی اور اپنے سیاسی مفاد حاصل کرتی رہی۔

ابتداءً ائمہ اسلام ان درباروں کی حاضری سے پرہیز کرتے رہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو عباسی اور اموی دونوں درباروں نے عہدۂ قضا کی پیش کش کی امام موصوف مدت العمر اس سے انکار فرماتے رہے اور قریباً دونوں درباروں کے معتوب رہے۔ لیکن امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے یہ عہدے قبول کر لیے مصالح بدلتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے کوئی نقصان بھی ہوا ہو۔ مگر بظاہر تو امام ابویوسفؒ کو دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہوئے۔ فقہ حنفیہ کی اشاعت میں ان کے اس تعلق سے بہت مدد ملی اور مذاہب اربعہ کا جہاں بھی نفوذ ہے وہاں دلایل سے زیادہ اسی قسم کے موثرات کا نتیجہ ہے۔ الخطط للمقریزی، مقدمہ ابن خلدون، البدایہ والنہایہ وغیرہ کتب تاریخ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اگر حضرات امام ابویوسفؒ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روش کی پابندی فرماتے تو قرین قیاس ہے کہ حنفی مسلک کی اس قدر کثرت نہ ہوتی لوگوں نے حضرات امام ابویوسفؒ کی اس روش پر تنقید کی ہے — کچھ جھوٹی سچی کہانیاں بھی تاریخ الخلفاء سیوطی اور بعض دوسری کتب میں مرقوم ہیں۔ صورت حال کوئی بھی ہو مگر مسلک کی اشاعت میں یقیناً اس سے بڑی مدد ملی۔ اسی طرح افریقہ، حجاز، مصر اور نجد میں حکومتوں نے جس مسالک کی اعانت حکومت کی سطح پر کی ان علاقوں میں ان مسالک کو بڑی ترقی ہوئی اور خوب پھیلے۔

مسلک اہل حدیث کو یہ مواقع کم ملے۔ یہ بےچارے یوں ہی درباروں کی زندگی سے بھاگتے رہے اس لیے تاریخ نے انہیں نسیان وخمول کی دبیز تہوں میں دبا دیا۔ اچھے پڑھے لکھے حلقوں میں اب بھی یہ علی الاعلان کہا جارہا ہے: یہ کوئی مکتب فکر

ہی نہ تھا۔ یہ محض حفاظ حدیث کی جماعت تھی جس میں تفقہ اور درایت ناپید تھی وہ اجتہاد اور استنباط کی راہوں سے ناآشنا تھے، حالانکہ تمام مسالک جن کا تعلق سُنّت سے ہے یا بدعت سے وہ اپنی اور مسلک کی صحت اور درستگی کے لیے اسی مسلک کو معیار اور کسوٹی سمجھتے تھے اور یہ حضرات بھی علم کلام اور فلسفہ سے لے کر فقہ، اصول فقہ، تجوید، نحو، معانی، بیان، ادب و تاریخ میں مجتہدانہ افکار رکھتے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: (نقض المنطق ص ۱۶)

حدیث اور سُنّت کی عظمت تمام فرقوں کا اجماع ہے اور ان کی متفقہ شہادت ہے کہ حق ائمہ سنت میں ہے اسی لئے جو لوگ ائمہ حدیث کے زیادہ موافق ہوں وہ ان فرقوں میں دوسرے کی نسبت زیادہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ خود امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری چونکہ امام احمد اور دوسرے ائمہ سُنّت سے زیادہ قریب تھے، اس لیے وہ اپنے اتباع میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی کا بھی یہی حال ہے ان کی عزت ائمہ حدیث کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ امام الحرمین ابوالمعالی جوینی ۴۷۸ھ اور امام غزالی ۵۰۵ھ اشعری کے بعض اصولوں کی مخالفت کے باوجود، ان کی عزت حدیث اور سنت کی موافقت ہی کی وجہ سے ہے۔ فقہی فروع میں امام شافعی کے اتباع کی وجہ سے ان کو حدیث سے تعلق ہُوا اور علم کلام میں بھی سنت کی موافقت یا مخالفت کے تناسب ہی سے ان کا احترام کیا گیا ہے۔ معیار حق حدیث اور ائمہ حدیث ہی قرار پائے ہیں۔

یہ عجیب ہے کہ وہ فقہ و درایت سے خالی لیکن حق و باطل کا معیار بھی ٹھہریں۔

تقلید اور جمود کے اثرات!

مروجہ تقلید اور جمود نے صرف ائمہ حدیث ہی کو ایذا نہیں دی بلکہ اپنے مسلک پر جمود کی وجہ سے دوسرے ایمہ کو حق پر سمجھنے کے باوجود وہ اُنکے اتباع سے انصاف نہیں فرما سکے — آپ اس سلسلہ میں اقتداء بالمخالف ہی کو لے لیجئے۔ یہ مسلمہ ہے کہ ائمہ اربعہ حق پر ہیں۔ یہ چاروں نہریں ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ یہ پانی ایک ہی منبع سے تقسیم ہوا ہے اور منبع کی طہارت پر پوری اُمت کا اتفاق ہے۔ میزان شعرانی ملاحظہ فرمایئے وہاں حوض کوثر کی تقسیم اور میزان اعمال کے وقت حضرات ایمہ کرام بڑی توجہ سے میزان کے کام کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ پل صراط کے پاس بھی اپنے اتباع کی رفتار کا بڑا غائر مطالعہ فرما رہے ہیں۔ قیامت کے محاسبہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعرانی رحمہ اللہ کی نگاہ میں ان حضرات کا موقف بھی انبیاء علیہم السلام کے قریب قریب ہے اس احترام اور حق کے ساتھ اس وابستگی کے باوجود جب اقتداء بالمخالف کا سوال سامنے آیا تو متاخرین فقہا بڑی احتیاط سے ایک دوسرے کا عمیق محاسبہ فرمانے لگے اور ایک دوسرے کا اس طرح محاسبہ شروع فرمایا جیسے ایک مسلم، غیر مسلم کا محاسبہ کرتا ہے حالانکہ ان فروعی اختلافات کے باوجود معاملہ میں کوئی دقت نہیں تھی۔ شرح صدر سے کہا جاتا — کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی

بلا تامل ایک دوسرے کی اقتداء کر سکتے ہیں۔ چاروں کو حق پر کہنے کے بعد نہ مقتدی کے خیالات پیش نظر ہونے چاہئیں نہ امام کے — ان اختلافات کی موجودگی میں ہم نے ان سب کو حق پر تسلیم کیا ہے لیکن اس میں احتیاط کا پہلو ملاحظہ فرمائیے۔ قاضی خاں ۵۹۲، علامہ حسن بن منصور اور برجندی جو اصحاب ترجیح تسلیم کئے گئے ہیں۔ (ص۶۰ ج ۱)

اما الاقتداء بشافعی المذهب قالوا لا باس به اذا لم یکن متعصبا ولا شاکا فی ایمانه ولا منحرفا تحریفا فاحشا عن القبلة ولا شك انه اذا جاوز المغارب کان فاحشا وان یکون متوضئا من الخارج النجس من غیر سبیلین ولا یتوضا بالماء القلیل الذی وقعت فیه النجاسة۔ اھ

شافعی امام کی اقتداء ان شروط کے ساتھ درست ہے:

(۱) متعصب نہ ہو (۲) اپنے ایمان کے متعلق ان شاء اللہ نہ کہتا ہو۔

(۳) قبلہ سے انحراف نہ کرے۔

(۴) اگر سبیلین کے سوا اس کے بدن پر نجاست کا اثر ہو تو اس سے وضو کرے۔

(۵) تھوڑے پانی میں اگر نجاست گری ہو تو اس سے وضو نہ کرے

ان شرائط کی عدم پابندی کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شافعی رہ کر احناف کا امام نہیں بن سکتا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ رد المحتار ص۵۶۳ ج (۱) شرح حنفیہ سے نقل فرماتے ہیں:-

اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما یعلم منه

مایفسد الصلوٰۃ علی اعتقاد المقتدی (شرح منیہ)
شافعی وغیرہ مخالفین کی اقتداء اس وقت درست سمجھتے ہیں جب امام مقتدی کے خیال اور مذہب کے مطابق کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے اھ (۱۰۱۴ھ)

پھر اسی صفحہ پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے رسالہ الاھتداء فی الاقتداء سے نقل فرماتے ہیں ا صفحہ ۵۸۰ ج ۱ :

ذھب عامۃ مشائخنا الی الجواز اذ کان یحتاط فی مواضع الخلاف والا فلا والمعنی انہ یجوز فی المراعی بلا کراھۃ وفی غیرہ معہا ثم المواضع المھمۃ المراعاۃ ان یتوضأ من الفصد والحجامۃ والقی والرعاف ونحو ذلک ۔

عام مشائخ حنفیہ شافعی امام کی اقتداء جائز سمجھتے ہیں۔ جب وہ اختلافات کے مقامات میں احتیاط کرے (ورنہ نہیں) احتیاط سے مراد یہ ہے کہ فصد، سنگی اور قے اور نکسیر وغیرہ کے بعد وضو کرے اھ (شامی)

علامہ خیر الدین آملی فرماتے ہیں :

الذی یمیل الیہ خاطری القول بعدم الکراھۃ اذا لم یتحقق منہ مفسدۃ (اھ)

"میرا دلی رجحان یہ ہے کہ اگر شافعی امام سے کوئی مفسدہ ظاہر نہ ہو تو اس کی اقتداء درست ہے"

علامہ بیری اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ شافعی امام کی اقتداء سے اکیلے پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ وہ نماز میں ایسے کام کرے گا جن سے نماز لوٹانا یا ضروری ہوگا

یا مستحب ہوگا ۔ اھ

خیرالدین رملی شافعی سے منقول ہے کہ اگر اپنا ہم مذہب مل جائے تو پھر دوسرے کی اقتداء مکروہ ہے ۔ البتہ اکیلے پڑھنے سے اقتداء کرنا افضل ہے ۔ یہی فتوائے رملی کبیر اسنوی اور سبکی سے بھی منقول ہے ۔

شیخ خیرالدین فرماتے ہیں :

والحاصل ان عندھم فی ذالك اختلافا وکل ما کان لنا

لھم علة فی الاقتداء بنا صحة وفسادا افضلیة کان لنا

مثله علیھم اھ (شامی ص ۵۸۸ ج ۱)

حاصل یہ ہے کہ شافعی ہماری اقتداء کے متعلق صحۃ فساداً یا افضلیۃ کے متعلق جو راہ اختیار کریں ہم بھی وہی کہیں گے ۔

مندرجہ بالا ارشادات سے ظاہر ہے کہ دین کی بجائے حضرات فقہائے کرام کی باہمی رقابت کارفرما ہے ۔

اس کے بعد علامہ شامی نے ایسے مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں مخالف اور موافق حضرات کی متعدد جماعتیں ہوتی ہوں ۔ بعض نے فرمایا اگر پہلی نماز شوافع کی ہو تو اس میں شامل ہوجانا چاہیئے ۔ یہی افضل ہے لیکن علامہ ابراہیم بیری فرماتے ہیں اگر اپنے مذہب کی جماعت نہ ملے تو اکیلے پڑھنا افضل ہے شافعی کی اقتداء نہ کرے ۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ امام ابن الھمام کے شاگرد ہیں کہ شافعی اگر رعایت بھی کرے تو بھی بہتر ہے کہ اکیلا پڑھے اور اقتداء نہ کرے ۔ اسکے بعد علامہ علی قاری کی رائے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر اپنی جماعت مل سکے پہلے ہو یا پیچھے پھر مخالفت کی اقتداء نہیں کرنی چاہیئے ۔ غرض علامہ شامی نے اقتداء کے متعلق فقہا و مذاہب کی آراء کا تذکرہ بڑی تفصیل سے فرمایا ہے اور حرمین کے تعامل

کے پیش نظر اجازت دی ہے کہ اگر اپنے مذہب کا امام مل سکے تو شوافع کی نماز میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔

اس کے بالمقابل بدعتی اور فاسق کی امامت کو مکروہ تنزیہی فرمایا ہے — در المختار ص ۵۸۴ جلد ا میں ہے ویکرہ تنزیہا الخ - اور قاضی خاں میں فرماتے ہیں :

ویصح الاقتداء باھل الھواء الا الجھمیۃ والقدریۃ و الرافضی الغالی ومن یقول بخلق القرآن (شامی ص ۶۷ ج ۱ مطبوعہ مصر) — جہمیہ، قدریہ، غالی روافض اور قائلین خلق کے علاوہ باقی اہل ہوا فرقوں کی اقتداء صحیح ہے۔

صفحہ ۷۷ جلد (۱) میں فرماتے ہیں :

اذا صلی الرجل خلف فاسق او مبتدع یکون محرز اثواب الجماعۃ اھ — اگر فاسق اور بدعتی کی اقتداء کرے تو اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔"

شامی صفحہ ۵۸۸ جلد ۱، اور طحطاوی ۲۴۲ جلد ا میں بعینہٖ مکفرہ نہ ہو تو اقتدا درست ہوگی ورنہ نہیں - علامہ کاسانی نے البدائع والصنائع میں بدعت کے متعلق زیادہ وضاحت سے لکھا ہے - فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف بدعتی کے پیچھے علے الاطلاق نماز ناپسند فرماتے ہیں لیکن کاسانی اس کی بھی یہی توجیہہ فرماتے ہیں - ص ۱۵۷ ج ۱

والصحیح انھا کان ھوی یکفرہ لا تجوز وان کان لا یکفرہ تجوز۔ "صحیح یہی ہے کہ اگر بدعت مکفرہ نہ ہو تو اقتداء درست ہے۔"

فقہائے کرام کے ان گرامی قدر ارشادات سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے۔ اہلِ بدعت اور ہوا کے متعلق وہ پیش بندی اور احتیاط نہیں برتی گئی جو سُنّی مخالفین خصوص ولا شاکافی ایمانہ کہہ کر ایمہ شوافع پر ــــ اور اہلحدیث پر جو تعریض کی گئی ہے بڑی نامناسب اور بے انصافی پر مبنی ہے اگر واقعی امام شافعی اور ان کے اتباع کا ایمان مشکوک ہے ان کو اپنے ایمان میں شبہ ہے تو کسی طرح بھی ان کی اقتدار درست نہیں واقعہ یہ ہے کہ تمام ایمہ حدیث اور ایمہ سنت ایمان میں استثناء کے قایل ہیں جسے شاکافی ایمانہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شوافع کا قیام :

حالانکہ امام شافعیؒ اور ان کے اتباع سچے سنی ہیں۔ ان کے مسلک کی حقانیت کا اعتراف علمائے احناف نے بھی فرمایا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فهذه المذاهب المختلفة للائمة ومجتهدي الامة كلها تتصل بانهار الصحابة وهي متصلة بمنبعها و هو حضرة الرسالة فكلهم على هدى من اقتدى بايها اهتدى ومن توهم ان واحدا منها على هدى و سائرها في ضلالة فقد وقع في حضرة الضلالة (الفوائد البهيه ص۹) ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا تعلق صحابہ سے ہے اور وہ نبوت کے منبع سے بہرہ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کو حق پر کہنا اور باقی کو گمراہ سمجھنا خود گمراہی ہے اھ۔

اس توثیق کے بعد شوافع کے متعلق یہ احتیاط اور اقتداء تو یہ شرائط بالکل بے محل ہیں اور انصاف سے براحل دور، حالانکہ معلوم ہے کہ اعتزال و تجہم سے نہ احناف بچ سکے نہ موالک اور شوافع! بلکہ ان حضرات نے عقاید میں ان ایمہ اجتہاد کی راہ ہی ترک فرمادی - وہاں کے امام اور مجتہد اشعری ماتریدی قرار پائے ۔ طحطاوی فرماتے ہیں:

ولاخصوصية لمذاهب الشافعي بل اذا صلى حنفي خلف اى مخالف لمذهبه كذالك (ص ۲۸۱ ج ۱)

اس تفصیل میں شافعی کی کوئی تخصیص نہیں ۔کسی مخالف کے پیچھے بھی کوئی حنفی نماز ادا کرنا چاہے اسکی تفصیل اسی طرح ہے۔"

ہدایہ اور اس کی شرح کفایہ مطبوعہ بمبئی میں سابقہ تفصیل کسی قدر اختصار سے مرقوم ہے مگر مقصد میں کوئی فرق نہیں ۔

گفتگو کے لئے دوسرا محاذ

شوافع اور دوسرے ائمہ سنت کے ساتھ اقتداء میں یہ احتیاط اور تنگ نظری طبعاً اچھی معلوم نہیں ہوتی تھی ۔ اس لیے گفتگو کے لیے ایک اور محاذ بنا لیا گیا کہ اس صورت میں جب امام اور مقتدی میں فرعی اختلاف ہو تو اقتداء میں ایثار امام کو کرنا چاہیئے یا مقتدی کو اور رعایت کی ذمہ داری امام پر ہے یا مقتدی از رہ شفقت درگذر کرے ۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

هذا بناء على ان العبرة لراى المقتدى وهو الاصح وقيل لراى الامام وعليه جماعة (رد المحتار ص۵۵ ج ۱)

یہ احتیاط کا حکم اس بنیاد پر ہے کہ اقتداء میں مقتدی کی رائے کا

اعتبار یا امام کی رائے کا صحیح یہ ہے کہ مقتدی کی رائے ہی معتبر۔ ایک جماعت کا خیال ہے امام کی رائے پر اعتماد ہوگا۔

علامہ بدرالدین عینی اور صاحب ہدایہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن عابدین فرماتے ہیں کہ صحیح پہلی بات ہے یعنی امام کو مقتدی کی رعایت کرنی چاہیئے ۔ گفت گو کا محاذ ضرور بدل گیا۔ ائمہ کی بجائے موضوع بحث امام اور مقتدی ہو گئے، لیکن شناعت اور بڑھ گئی یعنی امام کو مقتدی کے تابع فرما دیا گیا یعنی تانگہ گھوڑے کے آگے باندھ دیا گیا۔ یہ تعصب کی کارفرمائیاں ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فتاوی جلد ثالث میں دونو مسالک کا ذکر کر کے خاموش ہو گئے صد ۵۳ ما انداز ہوتا ہے۔ ان کا رحجان یہ ہے کہ امام کو مقتدی کے تابع نہیں ہونا چاہیئے۔ ھدایہ کے حاشیہ میں مولانا نے اس کی وضاحت فرمائی ہے قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی شرائط اور ان کی مراعات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قلت ھذا یرجع الی ان یصیر حنفیا (ھدایہ صد ۱۴۹)

اس رعایت کا مطلب تو یہ ہوگا کہ امام حنفی ہو جائے۔

اس کے بعد ان ساری مراعات شرائط کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے، آخر میں فرمایا ہے:

واما اشتراط مراعات مواضع الخلاف کما اختارہ اکثر اصحابنا فغیر موجه اذا مراعات ذالک مستحب لیس بواجب عند احد فلو لم یراع وفعل ما فعل علی طبق مذھبه لم یقدح فی ذالک قادح فای مانع فی جواز الاقتداء به فافھم ھذا بنظر الانصاف (ہدایہ اولین صد ۱۱۹ ج ۱)

مواقع خلاف میں رعایت کی شرط ہمارے اکثر مشائخ نے لگائی ہے ــــ یہ

نامناسب ہے کیونکہ یہ رعایت کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں۔ اگر وہ تمام کام اپنے مذہب کے مطابق کرے تو اس میں کون سی برائی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک مستحب کا ترک ہوگا۔ اس سے اقتداء کے عدم جواز کی کون سی وجہ ہوگی اسے سمجھو اور انصاف سے غور کرو۔ اھ

بات بالکل صاف ہے لیکن شامی کے عند اکثر المشائخ اور علی الاصح کا کیا کیا جائے بہرکیف یہ محاذ بھی معقول معلوم نہیں ہوتا۔

ایک اور محاذ

اقتداء بالمخالف کے متعلق متقدمین فقہا کے چھ قسم کے خیالات منقول ہیں۔ جنکا تذکرہ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے حواشی ھدایہ میں فرمایا ہے (ص ۱۲۶ ج ۱) اور مطلقاً جواز کو راجح فرمایا ہے۔ ہمارے ملک میں شوافع کی جگہ اہلحدیث کو ملی ہے۔ گو ہمارے ہاں احناف اور شوافع کا احترام برابر ہے تو اس لیے یہاں بھی اقتدار بالمخالف کا اثر اہل حدیث پر پڑا ہے بلکہ ہمارے بزرگ کچھ زیادہ ہی تیز ہو جاتے ہیں۔ بریلوی حضرات تو "لامساس" کے قایل ہیں وہ کسی موحد کی اقتداء نہیں فرماتے۔ اہلحدیث ہو یا حنفی۔ ان کے ہاں مذہب چند رسوم اور نعروں کا نام ہے اور بس۔ پھر ان کا انداز گفتگو علم و استدلال پر مبنی نہیں، بلکہ محض جذباتی ہے۔ ہمارے دیوبندی حضرات بعض ان مسائل کی آڑ لیتے ہیں جنکی رعایت کی امید شوافع سے کی گئی ہے۔ لیکن وہ اختلافات اب کچھ موزوں نہیں معلوم نہیں ہوتے۔ اس لیے ایک نیا محاذ کھولا گیا۔ ہمارے یہ دوست فرماتے ہیں کہ اہلحدیث کی اقتدا اس لیے درست نہیں کہ یہ استنجا میں ڈھیلا استعمال نہیں کرتے، ان کی طہارت درست نہیں۔ یہ عذر بے حد کمزور بھی ہے اور غلط بھی

یہ تو معلوم ہے کہ طہارت کے بغیر نماز کو کوئی بھی درست نہیں سمجھتا۔ طہارت اہل حدیث کے نزدیک بھی اتنی ہی ضروری ہے جس قدر احناف کے نزدیک فرق صرف طہارت کے طریقہ میں ہے۔ صرف پانی سے ہو گئی یا صرف مٹی سے یا پانی اور مٹی دونوں سے۔ تمام ایمہ متفق ہیں کہ طہارت تینوں طرح ہو جاتی ہے اگر کوئی مٹی اور پانی دونوں استعمال کرے تو بہتر ہے۔ مطلق طہارت کے سوا ان طریقوں سے کوئی طریقہ امامت اور اقتداء کے لیے شرط نہیں۔ اب مٹی کے استعمال کو ضروری قرار دینا تعجب ہے۔ یہ ذہنی بغض اور عصبیت کی ترجمانی تو کر سکتا ہے۔ ایمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قایل نہیں یہ ہمارے ملک کی پیداوار ہے۔

فن طہارت یا وہم

۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں علمائے کرام کی طہارت اور اسکی مختلف اقسام اور اس پر اصرار کا تجربہ ہوا۔ بعض حضرات پیشاب سے فارغ ہو کر ازار بند منہ میں تھام لیتے اور کافی دیر ٹہلتے رہتے اور بائیں ہاتھ سے ڈھیلا استعمال کرتے اور اس میں خاص قسم کی حرکات فرماتے، بیس منٹ آدھ گھنٹہ تک یہ کھیل جاری رہتا پھر یقین ہوتا کہ اب طہارت ہوئی۔ ان کا خیال تھا ۔۔۔ کہ جب تک یہ پورا ڈرامہ نہ کیا جائے طہارت مکمل نہیں ہوتی۔ بعض حضرات مٹی کے ساتھ دونوں رانوں سے بھی طہارت میں کافی مدد لیتے وہ بائیں ہاتھ سے مسلنا کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بعض حضرات اس اثنا میں کئی کئی دفعہ ازار بند کے اندر جھانکتے مٹی کو ملاحظہ فرماتے وہ اسی مشق میں مٹی کا خشک ہونا بھی ضروری خیال فرماتے۔ بعض حضرات بڑے اہتمام سے ڈھیلے بناتے اور خاص ترکیب سے بناتے کئی کئی دن خشک ہونے کے لیے دھوپ میں رکھے رہتے

اور تحفہ کے طور پر یہ ڈھیلے اس قسم کے وہمی اتقیا میں تقسیم فرماتے اور وہ بھی اسے لے کر بہت ممنون ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب وہم پرستی ہے۔ اس میں کوئی چیز نہ حنفی مذہب میں ضروری ہے نہ باقی ائمہ میں یہ وہم کا مرض ہے جو اس میں مبتلا ہو وہ تسکین قلب کے لیے مجبور ہے جو چاہے کرے۔ لیکن دوسرے کو اس وہم پرستی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ عموماً یہ مرض کیمبل پور، ہزارہ راولپنڈی کے لوگوں میں ہوتا تھا یا پھر یو۔ پی۔ سی۔ پی کے حضرات میں خصوصاً وہ لوگ جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہلحدیث کی اقتداء ان حضرات کے نزدیک اس وقت درست ہو سکتی ہے۔ جب وہ طہارت کے ان فنون میں مہارت پیدا کریں۔ پھر شاید اس کی سند حاصل کریں اور اس وہم میں بھی مبتلا ہوں۔ ہمارے اہل حدیث حضرات میں بھی بعض حضرات پانچ پانچ چھ چھ لوٹے استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کو حافظ ابن القیم، اغاثۃ اللہفان کے ابتدائی ابواب اور نقد العلم والعلماء ابن جوزی اور شوکانی کے رسالہ ذم الموسوسین کا مطالعہ فرمانا چاہیئے۔ شاید ان کو فائدہ ہو، اہل حدیث تو نہ امامت کے شائق ہیں نہ اس مشق کے لیے تیار — در اصل یہ سب امراض اس دور کے ہیں جب ملک میں پانی کی قلت تھی۔ ورنہ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ وہم اور قلت علم کی پیداوار ہے اور عوام کے ذہنوں میں عصبیت اور نفرت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ جہاں اتباع ائمہ میں تقلید کے باوجود اس قدر سختی برتی گئی ہو اور جمہور علماء ایک دوسرے کے خلاف اس قدر غلو فرماتے ہوں وہاں بچارے اہل حدیث ان حضرات سے کس وسعت ظرف کی امید کر سکتے ہیں اور یہ بزرگ کب اجازت دے سکتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور مسلک بھی دنیا میں زندہ رہے۔ اسی عصبیت کا نتیجہ ہے کہ اچھے پڑھے لکھے حضرات فرماتے ہیں کہ اہلحدیث کوئی مکتب فکر نہیں — یہ

وہ مدار استناد تو تھے لیکن تقلید کا اس وقت شائبہ تک نہ تھا۔ اس وقت کی شافعیت اور حنفیت محض اساتذہ کے جزوی تاثرات تھے۔ اہلحدیث کا مقصد بھی یہی تھا۔ اس لیے اسلامی قلمرو کے تمام گوشوں میں یہی یہی مسلک پایا جاتا تھا جسے آج ہم اہل حدیث کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قدماء احناف کی کتابوں میں اسی مکتبِ فکر کا تذکرہ عام ملتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن احمد بخاری مؤلف کشف الاسرار (۷۸۱ھ) شرح اصول بزدوی میں صحابی کی تعریف کے ذکر میں فرماتے ہیں:

اختلفوا فی تفسیر الصحابی فذھب عامۃ اصحاب الحدیث وبعض اصحاب الشافعی الی ان من صحب النبی صلعم لحظۃ فھو صحابی (کشف الاسرار ص ۷۴ ج ۲)

"ایک لحظہ جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ صحابی ہے۔"

یہاں اصحاب الحدیث کا ذکر ائمہ اصول کے تذکرہ میں آیا ہے۔

اصول بزودی اور کشف الاسرار ص ۲۹۱/۲ میں مرقوم ہے:

ذھب اکثر اصحاب الحدیث الی ان اخبار اللتی حکم اھل الصنعۃ بصحتھا توجب علم الیقین۔ اھ

جن احادیث کو ائمہ فن نے صحیح کہا ہے وہ اہل حدیث کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔

اس کے باوجود ایسے بزرگ دنیا میں موجود رہے جو مروجہ مذاہب سے تعلق اور ائمہ کے احترام کے ساتھ اس عصبیت کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ۹۶۱ھ میں مولانا احمد بن مصطفےٰ تاشکبری زادہ نے مفتاح السعادہ السیادہ میں فقہ اور فقہا کے متعلق بڑا معنی خیز اور پُر از معلومات مقالہ لکھا ہے اس

کے آخر میں فقہاء مذاہب اوران کی فرقہ وارانہ عصبیت کے متعلق بڑا درد مندانہ شکوہ فرمایا ہے۔ آجکل دیوبند کی نوآموز پود اسی ڈگر پر جا رہی ہے۔ جس کی شکایت علامہ نے فرمائی ہے۔ خود دیوبند اوراس کی پاک وہند برانچوں میں تعلیم و تربیت کا انداز اس قدر غلط ہو رہا ہے کہ ان مدارس میں علم اور للہیت کی جگہ تعصب اور فرقہ پرستی پرورش پا رہی ہے۔ مختلف فیہ مسایل پر لکھنے کا انداز اتنا غلط ہو رہا ہے کہ اس پر بد دیانتی اور خیانت کا شبہ ہوتا ہے۔ تقاریر میں تقویٰ اور اور عبادت کی بجائے باہم مناقشات بڑھائے جا رہے ہیں۔ مجالس درس میں طلبہ کی ذہنی تربیت بھی عصبیت کے جراثیم ہی سے کی جا رہی ہے اور نوآموز حضرات کا یہ غلط رویہ اکابر کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ اہل حدیث مدارس میں بھی یہ زہر آلود جراثیم اثر انداز ہو رہے ہیں!

بریلوی حضرات سے یہ شکایت ہی بے سود ہے۔ ان کے ہاں بظاہر کوئی اصلاحی پروگرام ہی نہیں۔ مذہب کے متعلق چند بدعی تصورات اور عوام کی خوشنودی کے سوا، ان کے ہاں مذہب کا کچھ مقصد نہیں۔ علامہ تاشکبری زادہ کا یہ اصلاحی شذرہ دیوبندی اور اہل حدیث مکاتب فکر کے لیے مستقبل کی اصلاح میں بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ عصبیت دراصل علم دریافت کی موت کے مرادف ہے۔ جو شخص حدیث اختلاف امتی رحمۃ کے مفہوم پر غور کرے اور اسے معلوم ہو کہ فرعی مسایل میں اختلاف کی بنیاد ظن پر ہے۔ وہ کسی ایک مجتہد کے حق میں تحکم اور تعصب نہیں رکھ سکتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مذہب کی صحت اور مخالف کی غلطی کا ظن کر سکتا ہے لیکن اپنے مخالف کو مطلقاً خطاکار نہیں کہہ سکتا، کیونکہ کئی مسایل میں ایمہ اربعہ متفق ہیں۔ جب فرعی مسائل ظن ہی کے مقام پر ہیں اسلیے دونوں مخالف فریق صحت اور خطا کا احتمال رکھ سکتے ہیں۔ صحت اور خطا کا

یقین نہیں کیا جا سکتا۔ مقلد اور مجتہد زیادہ سے زیادہ صحت اور خطا کا ظن ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس میں تعصب کا کوئی مقام نہیں۔

ہمارے زمانہ میں بعض مقلد ارباب مذاہب کو تعصب کا دورہ ہوتا ہے اور وہ اُلٹی سیدھی باتیں بنانا شروع کر دیتے ہیں اور یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ ان سے بعض حضرات میں اتنا شدید تعصّب ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی اقتدار کی اجازت نہیں دیتے۔ اسکے علاوہ بھی کئی قبیح اور نامناسب باتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر افسوس ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اگر امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہا اللہ زندہ ہوتے تو ان کی ان حرکات کے خلاف سخت ناپسندیدگی اور ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے ۔ میں نے لاتعداد آدمیوں کو دیکھا ہے۔ وہ آستینیں چڑھا کر امام شافعی کی مخالفت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ بلا تسمیہ ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ احناف پر یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ شرم گاہ کو مس کرتے ہیں اور بے وضو نماز پڑھتے ہیں اور مالکی بسم اللہ کے بغیر نماز پڑھتے ہیں حنبلی زوال سے پہلے جمعہ پڑھتے ہیں۔ اپنا حال یہ ہے کہ وہ ترک نماز کو گوارا کرتے ہیں گھر کے لوگوں کو نماز کے ترک پر سرزنش نہیں کرتے۔ حالانکہ شوافع، موالک حنابلہ بے نماز کے متعلق قتل کا فتوےٰ دیتے ہیں ـــ افسوس ہے کیا یہ لوگ فقیہہ ہیں! ایسے فقیہوں کو خدا تعالےٰ تباہ کرے۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ ان فرعی مسائل پر تو اتنا زور دیتے ہو اور ہزاروں اجماعی محرمات اور ناجائز ٹیکسوں کی پرواہ تک نہیں کرتے اور نہ ہی تمہیں اس پر غیرت محسوس ہوتی ہے۔ تمہاری غیرت کا سارا زور ابو حنیفہ اور شافعی کے اختلافات پر پڑتا ہے۔ جس سے افتراق ہوتا ہے اور جاہل تم پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔ عوام میں تمہاری کرکری ہوتی ہے۔ بیوقوف تمہارے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو تمہارے احترام کے سراسر منافی ہیں اور

ہلاک ہوتے ہیں۔ تمہارا گوشت زہریلا ہے۔ بہر کیف تم اہل علم ہو ان امور کی وجہ سے تباہی کی طرف جا رہے ہو۔ اللہ تمہیں علم اور علماء کے احترام سے نیکی کی توفیق دے اور ہمیں تعصب سے بچائے۔

علامہ تاشکبری زادہ نے اپنے وقت کے متعصب علماء کو کس قدر درد انگیز لہجہ میں تنبیہہ فرمائی اور ترک اقتداء اور اس میں شرائط کو ناپسند فرمایا ہے۔ اب ایک اور پاکباز کا ارشاد سنئے جسے اللہ تعالےٰ نے صاف ذھن مرحمت فرمایا ہے۔ ایمہ کے احترام کے ساتھ شریعت کے مصالح بھی اس کے پیش نظر ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اسم گرامی سے علمی حلقوں سے کون واقف نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک حنفی وتر کی نماز میں یا جمع بین الصلوتین میں شافعی کی اقتداء کر سکتا ہے اور اسے اجازت ہے: کہ ایسے مسائل میں وہ شافعی امام کی تقلید کرے۔ ایسا کرنا حنفی کے لئے درست نہیں۔

جواب: ہاں بارش میں حنفی مقتدی شافعی امام کی تقلید بلا اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ یہ جمع بین الصلوٰۃ جمہور علماء کا مذہب ہے — شافعی مالک رح، احمد رح اسے جائز سمجھتے ہیں، ابن عمر امراء مدینہ کے ساتھ بارش میں نماز جمع فرماتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی خاص آدمی کی تمام مسائل میں تقلید درست نہیں۔ مسلمان ہمیشہ علماء سے مسائل دریافت فرماتے رہے، کبھی ایک سے کبھی دوسرے سے۔ کبھی ایک کی بات مانتے کبھی دوسرے کی۔ کسی معین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ جب مقلد کسی مسئلہ کو راجح اور اصلح سمجھے۔ اس میں ایک کی تقلید کرے اور دوسرے میں دوسرے کی۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک درست ہے۔ اسے ایمہ اربعہ میں سے کسی نے ناجائز

نہیں کہا۔

وتر میں بھی یہی حال ہے۔ مقتدی کے لیے مناسب ہے کہ قنوت میں اور وتروں کے وصل اور انقطاع میں امام کی پوری پوری اقتداء کرے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ امام اگر دو رکعت فصل کرے۔ مقتدی جوڑ لے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص۳۸۶ ج ۲)

ناظرین غور فرمائیں۔ اتحاد بین المسلمین کا سامان ابن عابدین اور طحطاوی کی رائے ہے یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور تاشکبری زادہ کے ارشاد گرامی ہیں

معتزلہ کا خیال ہے کہ پیغمبر کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔ اشاعرہ اور متکلمین نے بھی ان سے اتفاق کیا۔ عام ائمہ اصول کا خیال ہے کہ پیغمبر بوقت ضرورت اجتہاد کرسکتا ہے اور اسے وحی اور اجتہاد دونوں پر عمل کی اجازت ہے: وهو منقول عن ابي يوسف من اصحابنا وهو مذهب مالك والشافعي وعامة اهل الحديث (کشف الاسرار ص۹۲۵ ج ۳)

احناف سے امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک اور عام اہلحدیث کا بھی یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر عمل کرسکتا ہے۔ اھ۔ یہاں اہلحدیث کا ذکر مذاہب اربعہ کے ساتھ علماء اصول میں آیا ہے۔

۴۔ مرسل حدیث کی حجیت کے تذکرہ میں اہلحدیث پر تشنیع کرتے ہیں کہ وہ مرسل کو حجت نہیں سمجھتے۔

وفي رد المرسل تعطيل كثير من السنن فان المراسيل جمعيت فبلغت قريبا من خمسين جزأ وهذا تشنيع عليهم فانهم سموا انفسهم اصحاب الحديث وانتصبوا انفسهم لحيازة الاحاديث اھ (کشف ص۷۲۵ ج ۳)

مرسل کی حجیت کے انکار سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ضائع ہو جائیگا۔
یہ لوگ اہل حدیث کہلا کر حفاظت حدیث کی بجائے حدیث کو
ضائع کر رہے ہیں"۔اھ

اہلحدیث کی یہاں بھی مستقل حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔ مرسل کی حجت کی بحث بالکل الگ مسئلہ ہے۔ جس مرسل کو یہ حضرات حجت فرماتے ہیں وہ در اصل حدیث ہی نہیں اس کے انکار سے حدیث کا انکار لازم نہیں آتا۔

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں بلفظ حنفی میں یائے نسبت کے تذکرہ میں فرماتے ہیں :

ان النسبة الى مذهب ابي حنيفة والى القبيلة وهم بنو حنيفة بلفظ واحد وان جماعة من اهل حديث منهم ابو الفضل محمد بن طاهر المقدسي يفرقون بينهما بزيادة ياء في النسبة الى المذهب اھ (ص۱۶ ج ۱)

عراقی فرماتے ہیں : قبیلہ بنو حنیفہ اور مذہب ابوحنیفہ کی طرف نسبت میں حنفی درست ہے۔ لیکن بعض اہل حدیث کا خیال ہے کہ مذہب کی طرف نسبت میں حنیفی کہنا چاہیئے۔ محمد بن طاہر مقدسی علماء اہلحدیث سے بھی یہی فرماتے ہیں اور اس میں ان کی رائے لغت اور زبان کے ماہر کی حیثیت سے ہے۔ اذان اور اقامت میں لفظ اکبر کے اعراب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

وثانيها مخالفة لما فسرة اهل حديث والفقه اھ (شامی ص۲۸۰ ج۱)

راء پر اعراب اہل حدیث اور فقہا کی تفسیر کے خلاف ہے" اھ

وقف على اصحاب الحديث لا يدخل فيه الشافعي اذا لم

یکن فی طلب الحدیث ویدخل فیہ الحنفی کان فی طلبہ اولا

اھ (شامی ص۶۶۵ ج ۳)

کسی نے اہل حدیث کے لئے کوئی چیز وقف کی تو شافعی اگر حدیث کا طالب علم ہو تو اسی میں شامل ہوگا اور حنفی بہرحال شامل ہوگا حدیث پڑھے یا نہ پڑھے۔

ع "سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی"

خوارج کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالھم ویکفرون الصحابۃ حکمھم عند جمھور الفقھاء و اھل الحدیث حکم البغاۃ وذھب بعض اھل الحدیث الی انھم مرتدون قال ابن المنذر ولا اعلم احدا وافق اھل الحدیث علی تکفیرھم اھ (شامی ص۴۵۳ ج ۱)

جمہور فقہا اور اہل حدیث کے نزدیک خوارج باغی ہیں بعض اہل حدیث انہیں مرتد کہتے ہیں۔ ابن منذر فرماتے ہیں تکفیر میں ان کی کسی نے تائید نہیں کی اھ جمہور فقہاء کے ساتھ ان فقراء کا تذکرہ مکتب فکر کی حیثیت سے ہوا ہے۔

اسی صفحہ میں اہل ہوا کے متعلق محدثین کا تذکرہ اپنی تائید میں فرماتے ہیں:

وکذا نص المحدثون علی قبول روایۃ اھل الھوا - اھ (ص۴۵۳ ج ۳)

"ائمہ اہل حدیث نے اہل ہوا کی روایت کے قبول کے متعلق تصریح فرمائی ہے"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خطب الی رجل من اصحاب

الحدیث ابنته عهد ابی بکر الجوزجانی فابی لاان یترک
مذهبه فیقرء خلف الامام و یرفع یدیه۔

ایک حنفی نے شیخ ابوبکر جوزجانی کے وقت کسی اہلحدیث سے رشتہ
طلب کیا۔ اس نے شرط لگائی کہ اپنا مذہب چھوڑ کر فاتحہ خلف
الامام اور رفع الیدین شروع کرو۔ اس نے ایسا کرلیا۔
شیخ جوزجانی فرماتے ہیں: نکاح تو ہوگیا۔ لیکن خیال ہے نزع کے وقت
اس کا ایمان جاتا رہے۔ اگر دلایل کی بنا پر سابق مذہب کو ترک کر کے اہل
حدیث ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اھ

اس سے اہل حدیث مکتب فکر کا تعین بھی ہوگیا، اور اگر دلایل کی بنا پر
کوئی اسی مسلک کو پسند کرے تو ابوبکر جوزجانی فرماتے ہیں یہ بہتر ہے آج کل
حضرات دیوبند کی اہلحدیث پر ناراضگی کچھ برمحل معلوم ہوتی ہے۔

بحر العلوم مسلم الثبوت کی شرح میں جرح تعدیل کے تعارض کی بحث میں مشاجرات
صحابہ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی شہادت اور مظلومیت کا ذکر فرماتے ہیں
کہ حضرت عثمان کی شہادت میں صحابہ سے کوئی شریک نہ تھا۔

ولم یکن فیهم واحد من الصحابة کما صرح به غیر واحد
من اهل حدیث (ص ۴۴۲ طبع هند)

حضرت عثمان کی شہادت میں صحابہ سے کوئی شریک نہ تھا۔ اہلحدیث نے
اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اھ

یہاں اہل حدیث کے تاریخی موقف کی وضاحت فرمائی ہے۔ ان کی نقل رجال
تاریخ مشاجرات صحابہ میں قطعیت کی حد تک پہنچ چکی ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری (۷۳۰ھ) مؤلف کتاب التحقیق شرح حسامی

نے عبادلہ کی تعیین میں عبداللہؓ ابن مسعود کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :

وعند المحدثین عبداللہ بن الزبیر مقام عبداللہ بن مسعود

(ص ۱۶۳ طبع ہند)

یہاں فقہاء کے بالمقابل محدثین کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے : کہ رجال کی تعیین میں ان کا ایک مقام ہے اور اپنی مستقل رائے

○

پیغمبر کے لیے اجتہاد کی اجازت کا ذکر فرماتے ہوئے شارح بزدوی کی طرح کتاب التحقیق کے مؤلف بھی فرماتے ہیں :

ھو منقول عن ابی یوسف من اصحابنا و ھو مذھب مالك والشافعی وعامة اھل حدیث (کتاب التحقیق ص ۲۰۰)

امام ابویوسف ، مالک ، شافعی اور عام اہلحدیث کا یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر اگر ضرورت ہو تو عمل کر سکتا ہے۔ اھ

مؤرخین و متکلمین کی رائے

ابن خلدون اپنے وقت کے نقاد مؤرخ ہیں۔ جنہوں نے فن تاریخ کو قصص وحکایات کی دلدل سے نکال کر اسے ایک نئی زندگی بخشی اور فن تنقید کے اسالیب کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ ابن خلدون نے مقدمہ میں فقہ فرائض کے تذکرے میں فرمایا ہے:

والقسم الفقه فیھم الی طریقتین طریقة اھل الرأی والقیاس وھم اھل العراق وطریقة اھل الحدیث وھم اھل الحجاز وکان الحدیث فی اھل العراق لما قدمنا فاستکثروا من القیاس

وصهروا فيه فلذلك قيل اهل الرای ومقدم جماعتهم الذی استقر المذهب فیه وفی اصحابه ابو حنیفه (مقدمہ ابن خلدون ص۳۸۹ طبع بهیه مصر)

فقہ کے دو طریق ہو گئے۔ فقہ العراق اور فقہ الحدیث، علمائے عراق میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ذکر ہو چکی ہے۔ اس لیے انہوں نے رائے اور قیاس میں مہارت پیدا کی اور اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے ان کے پیش رو امام ابو حنیفہ ہیں اور اہل حجاز کی فقہ کا نام فقہ الحدیث ٹھہرا۔ اھ

ملا کاتب چلپی (۱۰۶۷ھ) نے اصول فقہ کے تذکرہ میں امام علاؤ الدین حنفی کی کتاب میزان الاصول سے نقل فرمایا ہے:

واکثر التصانیف فی اصول الفقه لاهل الاعتزال المخالفین لنا فی الاصول ولاهل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع ولا اعتماد علی تصانیفهم (کشف الظنون ص۸۹ دار الطباعہ مصر)

اصول فقہ میں معتزلہ اور اہل حدیث کی تصانیف زیادہ ہیں معتزلہ اصول میں ہمارے مخالف ہیں اور اہل حدیث فروع میں اسلئے ان کی تصانیف پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے ابجد العلوم ص۵۶۵/۲ میں کشف الظنون کی عبارت نقل فرمائی ہے اور فقہ العراق اور فقہ الحدیث کا تذکرہ فرمایا۔ پھر تقلید اور عمل بالحدیث پر مختصر تبصرہ فرمایا اور مذاہب ائمہ کی اشاعت اور کتب طبقات کی خصوصیت کا تذکرہ فرمایا۔ وہ خواہ مخواہ ہر آدمی کو ادنیٰ ممارست اور توافق سے اپنے مذہب میں شمار کر لیتے ہیں اور ان اقطار اور بلاد کا ذکر فرمایا

جہاں یہ مذاہب عام اور شائع ہوں اور اہلِ حق کی کتابوں کو کس طرح طاقِ نسیاں کی نذر کیا گیا، فرماتے ہیں :

فلم یبق الا مذهب اهل الرای من العراق و اهل الحدیث من الحجاز (ص۵۶۶ ج ۲) اسی تعصب کی دستبرد کے باوجود اہل الرائے عراق میں اور اہلِ حدیث حجاز میں باقی رہ گئے۔ اھ

تقی الدین احمد بن علی مقریزی (۸۴۵ھ) نے فرمایا۔ جب ملک ظاہر بیبر بندقداری نے ۶۶۲ھ میں مدرسہ ظاہریہ کی بنیاد رکھی اور اس کے مصارف کے لیے بہت بڑا وقف کیا۔ اس میں مختلف مکاتب فکر کی تدریس کے لئے مختلف ایوان بنائے جس کی تفصیل اس طرح ہے :

وجلس اهل الدروس کل طائفة فی ایوان منها الشافعیه بالایوان القبلی و مدرسهم تقی الدین محمد بن حسن بن رزین الحموی والحنفیه بالایوان البحری مدرسهم الصدر محی الدین عبد الرحمان بن الصاحب کمال الدین عمر بن العدیم الحلبی و اهل الحدیث بالایوان الشرقی و مدرسهم الشیخ شرف الدین عبد المومن بن خلف الدمیاطی۔ اھ

(الخطط ص۲۱۷ جلد ۲)

تمام علماء اپنے اپنے ایوان میں درس دینے لگے۔ شافعی سامنے کے ایوان میں تھے۔ ان کے صدر مدرس تقی الدین محمد بن حسن حموی تھے اور حنفی سمندری ایوان میں ان کے صدر مدرس عبد الرحمٰن بن العدیم حلبی تھے اور اہل حدیث مشرقی ایوان میں درس دینے لگے ان کے صدر مدرس شیخ شرف الدین عبد المومن بن خلف دمیاطی تھے۔ اھ

یہ ساتویں صدی ہے اس میں بھی شاہی مدرسہ میں دوسرے مکاتب کے مقابل اہل حدیث کے لیے مستقل ایوان ہے۔ اھ

مقریزی فرماتے ہیں۔ یہ مدرسہ اب بھی موجود ہے کسی قدر فرسودہ ہو چکا ہے حنفی اور شافعی اس کی نظامت کے متعلق دست وگریباں ہوتے رہتے ہیں۔

مقریزی اہل مصر کے مذاہب اور ارباب مذاہب کی تبدیلیوں اور اس کے اسباب کا ذکر فرماتے ہیں:

وکانت افریقیۃ الغالب علیہا السنن والآثار الی ان قدم عبد اللہ بن فروخ ابو محمد الفارسی بمذھب ابی حنیفۃ۔ اھ

(الخطط ص ۱۴۴ ج ۱)

افریقہ میں ابتداء میں سب لوگ سنن وآثار (مسلک اہل حدیث) کے پابند تھے۔ یہاں تک شیخ عبد اللہ بن فروخ حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک لے کر آ گئے۔ اھ

مقریزی افریقہ میں مالکی مذہب کی اشاعت کے متعلق فرماتے ہیں:

وصار القضاء فی اصحاب سحنون دولا یتصادلون علی الدنیا تصادل الفحول علی الشول (ص ۱۴۲ ج ۱)

سحنوی کے رفقاء محکمہ قضا پر اس طرح حملہ آور ہوتے جس طرح نر اونٹ مادہ پر

اس کے بعد آگے حنفی مذہب کی اشاعت کے متعلق لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف کا مرہونِ منت ہے۔ اہل حدیث بچارے اس جنگ میں کہاں کامیاب ہوتے جب انہوں نے کسی حکومت کی سرپرستی ہی قبول نہیں فرمائی۔ شعرانی تمام ائمہ سنت کا احترام کرتے ہیں۔ انہیں سب سے عقیدت ہے اس کے اظہار میں وہ بڑے ہی وسیع الظرف ہیں۔ میزان خضری میں امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں

کان رضی اللہ عنہ یقول اہلحدیث فی کل زمان کالصحابۃ

فی زمانہم واذا رایت صاحب حدیث فکانی رایت احدا من

اصحاب رسول اللہ صلعم وکان یقول ایاکم والاخذ

بالحدیث الذی جاءکم من العراق الا بعد التفتیش (ص۵۷)

" امام شافعی فرماتے تھے۔ اہل حدیث ہر دور میں صحابہ کی طرح ہیں جب

میں کسی اہل حدیث کو دیکھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ میں نے صحابی

کو دیکھا اور فرماتے۔ اہل عراق کی حدیث تفتیش کے بغیر مت قبول کرو"

ابو بکر بن عباس نے فرمایا:

اہل الحدیث فی اہل الاسلام کالاسلام فی سائر الادیان (ص۵۶

خضری) اہل حدیث اسلامی فرقوں میں اس طرح ہیں جیسے اسلام

باقی دینوں میں"

ابو العباس بن سریج فرماتے تھے:

اہل الحدیث اعظم درجۃ من الفقہاء ص۴۲ " اہل حدیث کا

درجہ فقہا سے اونچا ہے"

امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی کی مختلف مذاہب اور فرقوں کے

متعلق بڑی جامع کتاب ہے۔ اہل سنت کے مختلف مسالک کا ذکر فرماتے ہیں

والصنف الثانی منہم ایمۃ الفقہ من فریقی الرای والحدیث من

الذین اعتقدوا فی اصول الدین مذاہب الصفاتیۃ فی اللہ

وصفاتہ الازلیۃ اھ (الفرق بین الفرق ص۳۰۰)

دوسری قسم فقہا کی ہے جن میں اہل الرای اور اہل حدیث دونوں شامل ہیں

وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ کو بلا تاویل مانتے ہیں اور تشبیہ اور تعطیل کے قایل

اہل حدیث اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اقرار ملائکہ اور فرشتوں اور رسولوں کا اقرار اور کتابوں کا اقرار جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور جو ثقہ راویوں نے روایت کیا۔ اس میں وہ کسی چیز کو رد نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا اور بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ الخ

اس کے بعد آگے اہل حدیث کے عقاید کا تذکرہ کئی اوراق میں فرمایا۔ یہ تذکرہ معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے بالمقابل فرمایا جس کا مطلب ظاہر ہے کہ اہل حدیث ائمہ اعتزال اور متکلمین کے مدمقابل ہیں۔

ابن ندیم نے علماء عراق، ائمہ شوافع، موالک، امام داؤد ظاہری فقہائے شیعہ کے مبسوط تذکرہ کے بعد فقہاء المحدثین و اصحاب الحدیث کا تذکرہ فرمایا۔ فن سادس سے تقریباً ۲۴ فقہائے حدیث کا تذکرہ فرمایا: ان میں امام بخاری سفیان ثوری، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، ابن ابی عروبہ، اسماعیل بن عبید، عبداللہ بن مبارک، امام احمد، عثمان بن ابی شیبہ ترمذی، علی بن مدینی یحییٰ بن معین، ابوداؤد، مسلم وغیرہ علماء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے فقہائے حدیث اگر مکتب فکر نہیں پھر انھیں اہل عراق وغیرہ سے الگ عنوان کے ماتحت کیوں ذکر فرمایا۔ حالانکہ امام ابوجعفر طحاوی وغیرہ حفاظ حدیث موجود ہیں۔ لیکن ہر حافظ حدیث اہل حدیث نہیں ہو سکتا۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف النواوی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان الواجب ضربة للوجه والكفين وهو من هب عطاء و مكحول والاوزاعی واحمد اسحاق وابن منذر وعامة اصحاب الحديث اھ (صحیح مسلم مع شرح ص۱۶۱ ج۱)

تیمم میں چہرے اور ہاتھوں کے لیے ایک ضرب ضروری ہے۔ عطاء مکحول اوزاعی احمد اسحاق اور ابن منذر اور ائمہ اہلحدیث کا یہی مذہب ہے"

طلاق الحایض کے متعلق فرماتے ہیں کہ مطلق کو رجوع کے لیے کہنا چاہیئے:۔

هذا مذهبنا وبه قال الاوزاعی وابو حنيفة وساير الكوفيين واحمد وفقهاء المحدثين واخرون۔

ہمارا اور اوزاعی ابوحنیفہ اور تمام ارباب کوفہ احمد اور فقہاء محدثین اور بعض دوسرے علماء کا بھی یہی خیال ہے۔ اھ (صحیح مسلم مع شرح ص ۴۷۵ ج ۱)

ذہبی نے طبقات الحفاظ ابو محمد الفضل بن محمد کے تذکرہ میں فرمایا:

ولقد كان فی هذا العصر وما قاربه من ايمة الحديث النبوی خلق من ايمة اهل الرای والفروع وعدد من اساطين المعتزلة والشيعة واصحاب الكلام الذين مشوا وراء العقول واعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية وظهر فی الفقهاء التقليد وتناقص الاجتهاد۔ اھ (تذکرة الحفاظ ذهبی ص ۱۲۶ ج ۲)

اس زمانہ (۲۸۲ھ) میں ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہاں میں نے ان کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا۔ میں نے ان کا مفصل تذکرہ تاریخ اسلام میں کیا ہے۔ اسی طرح ائمہ رای اور فقہاء فروع اور شیعہ اور معتزلہ سے بھی اہل علم کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ انھوں نے ان لوگوں کے آثار نبویہ اور سلف کی راہ سے اعراض کیا اور فقہاء میں تقلید اور تناقض

اجتہادات کی گرم بازاری ہوئی۔ اھ

ذہبی اس شذرہ کے آخر میں فرماتے ہیں :-

"میرا خیال ہے کہ جب کہیں دقت محسوس ہوئی تم ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر کہنے لگو گے۔ احمد کون ہے علی بن مدینی کیا ہے ابو زرعہ اور ابو داؤد کی حیثیت کیا ہے۔ یہ لوگ صرف محدث ہیں۔ یہ فقہ نہیں جانتے۔ اصول فقہ سے ناواقف ہیں۔ رائے کی حقیقت کو نہیں سمجھتے معانی، بیان، منطق اور علم البرہان سے نا آشنا ہیں۔ خدا کو دلائل سے نہیں مانتے۔ ذہبی فرماتے ہیں یا تو چپ رہو یا علم کی گفتگو کرو علم وہی ہے جو ان لوگوں کی معرفت آئے"

اس مقام پر ائمہ حدیث کا تذکرہ فقہاء مجتہدین کے بالمقابل ذکر فرمایا ہے۔ ان کے تفقہ اور ان کے علم کی حقانیت کا بھی ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مستقبل میں تقلید اور متناقض اجتہادات کا دنیا میں فروغ ہو رہا ہے اور علوم حقہ اور اہل فن پر طعن کی راہیں کھل رہی ہیں۔

بقی بن مخلد کے تذکرہ میں مرقوم ہے :

وقد تعصبوا علی بقی لاظهاره مذهب اهل الاثر فدفع عنه امیر الاندلس محمد بن عبد الرحمن المروانی واستنسخ کتبه وقال لبقی انشر علمک (ص ۱۳۰ ج ۲ تذکرة الحفاظ)

بقی بن مخلد نے اہل حدیث اور آثار کے مسلک کا اظہار کیا، لوگ ان پر تعصب کرنے لگے۔ اندلس کے امیر محمد بن عبد الرحمن مروانی نے ان کو ہٹایا اور ان کی کتابیں نقل کرائیں اور فرمایا تم اپنے علم یعنی آثار اور احادیث کی اشاعت کرو۔ اھ

ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر حمیدی کے تذکرہ میں فرمایا:

كان ورعا ثقة اماما في الحديث وعلله ورواته متحققا في علم التحقيق والاصول على مذهب اصحاب الحديث لموافقة الكتاب والسنة -

حمیدی پرہیزگار، متقی اور امام تھے۔ حدیث اور رواۃ کے علل کو جانتے تھے۔ اہل حدیث کے مذہب کے مطابق اور کتاب و سنت کی روشنی میں انھوں نے اصول وضع فرمائے۔

امام نووی صحیح مسلم کے باب المساقات کی شرح میں فرماتے ہیں:

وبه قال مالك والثوري والليث والشافعي واحمد وجميع فقهاء المحدثين - (ص۱۴ ج ۲)

اسی صفحہ میں مرقوم ہے:

وقال ابن ابي ليلى وابو يوسف ومحمد وساير الكوفيين وفقها المحدثين واحمد وابن خزيمه (ص۱۴ ج ۲)

مساقات اور مزرعہ کے جواز کا فتوے دیا ہے۔ مالک، ثوری، لیث شافعی، احمد اور تمام فقہاء محدثین نے۔ اسی طرح مزارعۃ کے مزارعۃ کے جواز کا فتویٰ دیا ابن ابی لیلیٰ، ابویوسف، محمد اور تمام علماء کوفہ اور فقہا محدثین نے۔ اھ

ابواب شفعہ میں امام نووی نے فرمایا:

وقال الحكم والثوري وابو عبيدة وطائفة من اهل حديث

لیس لہ الاخذ (مسلم ص۳۲ جلد ۲)

مندرجہ ذکر علماء اور اہل حدیث کا خیال ہے کہ ہمسایہ کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔ اھ

پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کے متعلق فرمایا:

والثانی الایجاب وبہ قال احمد و ابوثور واصحاب الحدیث

(مسلم ص۳۲ ج ۱) احمد، ابوثور اور اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ

ہمسایہ کو دیوار پر لکڑی کی اجازت ضروری ہے۔ اھ

ان تمام مواقع میں اہل حدیث کا تذکرہ مکتب فکر کے طور پر فرمایا گیا ہے:

حافظ ابن حجر نے تیمم کے تذکرہ میں فرمایا وجہ اور کفین پر تیمم کے لیے

ایک ضرب جواز کی طرف ذیل کے ایمہ گئے ہیں:

والیہ ذھب احمد و اسحاق و ابن جریر و ابن المنذر و ابن خزیمہ

ونقلہ ابوالجہم وغیرہ عن مالک و نقلہ الخطابی عن اصحاب

الحدیث (فتح الباری ص۳۰۲ ج ۱)

امام احمد، اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن خزیمہ اور امام مالک کا

خیال ہے کہ تیمم منہ اور دونوں کف پر کیا جائے۔ خطابی فرماتے ہیں۔

اصحاب الحدیث کا بھی یہی مذہب ہے۔"

امام نووی رح نے الاسماء واللغات میں امام شافعی رح کا تذکرہ بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے۔ یہ تذکرہ کئی اوراق میں پھیلا ہوا ہے۔ اس مقام پر امام محمد بن الحسن رح کا قول ذکر فرمایا: قال محمد بن الحسن رحمہ اللہ ان تکلم اصحاب الحدیث یوما فبلسان الشافعی ص۵۵ ج ۱۔ اصحاب الحدیث اگر گفتگو کریں تو وہ امام شافعی کی

ہی زبان سے ہوگی۔ یعنی امام شافعی کی کتابیں ان کی رہنمائی کریں گی۔

حسن بن محمد زعفرانی فرماتے ہیں:

کان اصحاب الحدیث رقوداً فایقظهم الشافعی (ص۵ ج ۱)

اہلحدیث سو رہے تھے۔ شافعیؒ نے ان کو جگا دیا۔ امام احمد کے ایک توصیفی ارشاد میں فرمایا ۔

فهذا قول امام اصحاب الحدیث واهله (ص۵ ج ۱)

یہ اہلحدیث کے امام کا قول ہے ۔

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث امام احمد امام شافعی اور امام محمد سے پہلے موجود تھے ۔ یہ ایمہ بھی اہلحدیث تھے ۔ ان کے علوم سے اہلحدیث کو فائدہ پہنچا ۔ ایک مقام پر فرمایا ۔ عام علماء اور فقہا خراسان کی زبان میں امام شافعی کے شاگردوں کا لقب اہل حدیث ہوا ۔

تقلید اور جمود کا دور

تقلید اور جمود کی ان تیرہ صدیوں میں کیا کیفیت رہی ۔ اس کے متعلق صحیح اور قطعی رائے اور اس کے مد و جزر کا جایزہ لینے کے لیے گہرے اور عمیق مطالعے کی ضرورت ہے ۔ ایمہ کی تصریحات اور مذہبی فرقوں کے عروج و زوال کی تاریخ اور مختلف فرق اور ملل و نحل کی کتابوں کے سرسری جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خیر میں تمام علماء مجتہد نہیں تھے لیکن ایمہ اجتہاد کی کافی تعداد پائی جاتی تھی اور ایسے اہل علم جو درجہ اجتہاد کو تو نہیں پہنچے لیکن مسایل اور دلایل پر بقدر ضرورت ان کی نظر تھی ، اور ان کی تعداد بھی کافی تھی ۔ احادیث کے حفظ کے ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ نے تفقہ بھی عطا فرمایا تھا ۔ عوام جو دنیوی مشاغل کی وجہ سے علمی مشغلہ نہ رکھ سکے ، بڑی تعداد میں موجود تھے ۔ ان میں سب بوقت ضرورت اپنے بہتر علماء کی طرف توجہ فرماتے ۔

ایک عام آدمی کے لیے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے پہلے مجتہد کی تلاش کرے وہ بچارا، اتنا عالم ہوتا تو اسے دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوتی - وہ جسے عالم سمجھتے اس سے دریافت کرتے، نہ اجتہاد کا امتحان لیتے نہ مجتہد کا تعین کرتے بلکہ تقلید کی اقسام شخصی اور غیر شخصی سے وہ لوگ ناآشنا تھے - جسے قرآن وسنت اور درس وتدریس میں مشغول دیکھتے اس سے دریافت فرماتے - دینی فطرت کی بنا پر اطمینان ہوجاتا تو عمل کرتے ورنہ دوسرے عالم کی طرف رجوع کرتے - نہ مجتہد کے لیے بیقرار ہوتے نہ کسی ایک عالم کی تعیین فرماتے - یہ بالکل فطری اور طبعی سا طریقہ تھا جس کے وہ پابند تھے - اس روش کی موجودگی میں فرقہ پروری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا — شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر فرمایا:

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذہب واحد بعینہ ۱ھ (حجۃ اللہ ص ۱۴۲ ج ۱)

لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص شخص کی تقلید پر جمع نہیں تھے اسکے بعد ابوطالب مکی کی قوت القلوب ص ۳۶ ج ۲ سے ذکر فرمایا کہ شخصی تقلید اور فقہیات کے مجموعے سب محدث ہیں - اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری صدی کے بعد کسی قدر تخریج مسایل کا رواج ہوا -

چوتھی صدی تک بھی لوگ ایک امام کی تقلید کے پابند نہ تھے - اجماعی مسایل میں وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی پابندی فرماتے - نماز، روزہ، وضو، وغیرہ کے تمام مسایل اپنے شہر کے علماء سے بلاتخصیص دریافت فرما لیتے -

واذا وقعت لھم واقعۃ استفتوا فیھا ای مفت وجدوا من غیر تعیین مذہب وکان من خبر الخاصۃ انہ کان اھل

الحدیث منھم یشتغلون بالحدیث (ص۱۳۳ ج ۱)

اگر کوئی واقعہ ہو جاتا تو بلا تعیین کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے۔ اور خواص کا یہ حال تھا کہ اہلحدیث، حدیث میں مشغول ہوتے۔ احادیث اور آثار صحابہ سے انہیں اتنا ذخیرہ میسر آجاتا جس سے انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہ رہتی نہ ہی وہ اقوال رجال کی طرف رجوع فرماتے۔ اھ

دوسری صدی تک ائمہ حدیث کا اثر غالب تھا۔ عوام اسی مسلک کے پابند تھے تیسری اور چوتھی صدی میں اس کے ساتھ تقلید کی آمیزش ہونے لگی۔ یہ تقلید از قسم جمود نہ تھی۔ اس کا انداز تلمذ اور درس و تدریس کے اثرات سے زیادہ نہ تھا۔ عقیدت بھی مکمل عصبیت نہ تھی۔ علم کم ہو رہا تھا۔ سنّت کے حفظ و ضبط سے عوام گھبراتے تھے اور مشہور ائمہ کی آراء اور اجتہادات پر عمل روز بروز بڑھ رہا تھا۔ چوتھی صدی کے اواخر میں تقلید کی رسم عام ہو گئی۔ جمود اور عصبیت کے آثار پیدا ہو گئے۔ ابن حزمؒ، ابن تیمیؒ، ابوطالب مکی صاحب قوت القلوب، ابو شاد مولف المومل، اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات بھی قریباً اسی طرح ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔

امام ابوجعفر الطحاوی ۳۲۱ کی مختصر اور معانی الآثار ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابن تیمیہ کو ان کی روش پر اعتراض ہے کہ وہ حنفیت کی نامناسب حمایت فرماتے ہیں۔ ائمہ حدیث کی نظر میں وہ متعصب شمار ہوتے ہیں۔ بیہقی نے سنن کبریٰ معلوم ہوتا ہے انہی کے جواب میں لکھی۔ لیکن آپ ان دونوں کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام طحاوی کی روش آج کے دیوبند سے بالکل مختلف ہے۔ وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف فرماتے ہیں۔ کبھی صاحبین کا قول اختیار فرماتے ہیں کبھی ان سے کسی ایک کے ساتھ

اتفاق فرماتے ہیں - بعض مقامات پر امام شافعی کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں چنانچہ امام صاحب اور صاحبین ضب کو حرام سمجھتے ہیں - امام طحاوی فرماتے ہیں :

ونحن لا نری باکلہ باسًا مختصر الطحاوی (ص۲۷۱)

"ہم گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اھ

امام طحاوی اونٹ کے پیشاب اور گھوڑے کو حلال سمجھتے ہیں ص۲۴۲ مختصر الطحاوی - یہ چوتھی صدی کے اس امام کا عمل ہے جسے متعصب سمجھا جاتا تھا۔ آج کے حضرات دیوبند غور فرمائیں کہ وہ کہاں جا رہے ہیں -

غرض پانچویں اور چھٹی صدی میں عصبیت اور جمود کے بادل اور بھی گہرے ہو گئے اور محققین کی شدید قلت محسوس ہونے لگی - نمائشی القاب اور فقہی موشگافیاں مدارِ علم قرار پائیں اور قریباً آٹھویں صدی تک یہ سلسلہ بڑھتا گیا - مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ بحوالہ سخاوی اور شیخ الاسلام کے لفظ کے استعمال کے متعلق فرماتے ہیں -

ثم اشتہر بہا جماعۃ من علماء السلف حتی ابتذلت علی راس المائۃ الثامنۃ فوصف بہا من لا یحصی وصار لقبا لمن ولی القضاء الاکبر و لو عری من العلم والسن فانا للہ وانا الیہ راجعون -

ائمہ سلف کے بعد شیخ الاسلام کا لقب آٹھویں صدی ہجری میں ذلیل ہو گیا اور بیشمار نوجوان لوگوں پر بولا جانے لگا جو علم سے بالکل خالی تھے - اھ

یہ امام سخاوی کی رائے تھی - مولانا عبدالحی فرماتے ہیں :

ثم صارت الان لقبا لمن تولی منصب الفتوی وان عری

عن لباس العلم والتقوىٰ اھ (الفوائد البھیہ ص۱۰۱)

"اب یہ ان لوگوں کا لقب بن گیا جنہیں اتفاقاً فتوے نویسی کا موقع مل گیا۔ علم و تقویٰ سے کلی طور پر خالی ہوں۔"

غرض آٹھویں صدی تک جمود کا مرض چھا گیا۔ اہل حق ضرور موجود تھے۔ لیکن ان کی آواز کو غیر وقیح کر دیا گیا۔ ان کی کاوشیں نہاں خانوں کی نذر ہو گئیں۔ اگر کہیں موقع ملا تو بعض کتابیں نذرِ آتش کر دی گئیں۔ لوگوں کو ان کے مطالعہ سے روکا گیا اور ایسے لوگوں کو شدید سزائیں دی گئیں، قید کیا گیا؛ کوڑے لگائے گئے آٹھویں صدی کے پس و پیش کچھ تیز اور تند آوازیں اس جمود کے خلاف اٹھیں بعض مجددین نے ارباب جمود کے ساتھ وقت کی حکومت کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا جو اپنی سیاسی مصالح کی بنا پر ان غلط نواز حضرات کی ہاں میں ہاں ملا دیتے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، علامہ ابن دقیق العید ان بزرگوں نے اس جامد فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا، اور اصلاح کے ہمہ گیر پروگرام کی طرف متوجہ کر دیا ان حضرات نے پھر سے مسلک اہل حدیث سے پردہ اٹھایا۔ ائمہ حدیث اور فقہا محدثین کی روش سے عوام کو آگاہ کیا۔ ان کی کتابوں میں مسلک اہل حدیث کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں:

ومن اهل السنة مذهب معروف قبل ان يخلق الله ابا حنيفة و مالكا والشافعي واحمد فانه مذهب الصحابة تلقوه عن نبيهم ومن خالف ذالك كان مبتدعا عند اهل السنة والجماعة (ص۴۸۲ ج۲)

اہل سنت کا ایک مسلک ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی پیدائش سے بھی

پہلے دُنیا میں موجود تھا۔ وہ صحابہ کا مذہب تھا جو انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھا جو اس کے خلاف ہو وہ بدعتی ہے اھ

افعال باری کے ذکر میں فرمایا:

وھذا جواب کثیر من الحنفیۃ والحنبلیۃ والصوفیۃ واھل الحدیث ص۱۷۹۔ یہی جواب ہے۔ اکثر احناف، حنابلہ اور صوفیہ اور اہل حدیث کا۔ اھ

چند سطر کے بعد فرمایا:

فان اھل الحدیث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وطلبا لعلمھا وارغب الناس فی اتباعھا۔ (ص۱۷۹ ج ۲) — اہل حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی سب سے زیادہ تلاش کرتے ہیں اور اس کے اتباع کے لیے ان کو بے حد رغبت ہے۔ اھ

فھم (اھل الحدیث) فی اھل الاسلام کاھل الاسلام فی الملل یومنون بکل رسول وبکل کتاب لا یفرقون بین احد من رسل اللہ ولم یکونوا من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا۔ (ص۱۷۹ ج ۲۔ نقض المنطق ص۳۳)

اہل حدیث اسلامی ممالک میں ایسے ہیں جیسے اسلام تمام مذاہب میں ہر رسول اور ہر کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور تفریق نہیں کرتے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

واما اھل الحدیث والسنۃ والجماعۃ فقد اختصموا باتباع الکتاب والسنۃ الثابتۃ عن نبیھم صلی اللہ علیہ وسلم

فی الاصول والفروع (منہاج السنۃ)

اہلحدیث اور اہل سنت والجماعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اصول اور فروع میں کتاب وسنت کا اتباع کرتے ہیں۔

اس کے بعد مختلف گروہوں کے اختلافات کا ذکر فرما کر فرمایا:

ثم بعد ذلک اختلاف اهل الحدیث وهم اقل الفرق اختلافاً فی اصولهم (منہاج) اہلحدیث کا اصول وعقائد میں بہت کم اختلاف ہے۔ اہلحدیث کا تذکرہ علم وعقائد کے ضمن میں آیا ہے کہ ان لوگوں میں اختلاف بہت ہی کم ہے۔

اس موضوع کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے شیخ الاسلام نے لکھا ہے:

فلیس الضلال والبغی فی طائفة من طوائف الامة اکثر منه فی الرافضة کما ان الهدی والرشاد والرحمة لیس فی طائفة من طوائف الامة اکثر منه فی اهل الحدیث (ص ۲۴۲ ج ۲)

سب سے زیادہ بے راہ روی روافض میں ہے اور سب سے زیادہ نیکی اہل حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اھ

منہاج السنۃ میں سرسری نظر سے اہلحدیث کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔ استیعاب سے دیکھا جائے تو پوری کتاب اہلحدیث کے ذکر خیر سے بھرپور ہے۔ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب نقض المنطق کا آغاز اس سوال سے کیا ہے۔ پوری کتاب اس سوال کے جواب میں ہے

سوال:

اعتقادات میں متاخرین اور سلف کے مذہب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ان دونوں سے آپ اپنی نسبت کس کی طرف کرتے ہیں اور مسلک اہلحدیث

کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟ وہ حق پر ہیں یا ان کے مخالف ؟ فرقہ ناجیہ سے کیا مراد ہے ؟ ائمہ اہل حدیث کے بعد کوئی ایسے علوم ہوئے ہیں جسے وہ نہ جانتے ہوں جو لوگ منطق کو فرض کفایہ کہتے ہیں آیا یہ درست ہے ؟

پوری کتاب ۲۱۱ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے یہ اسی سوال کا جواب ہے۔ ابتدا میں شیخ الاسلام نے صفت باری میں تفویض کا ذکر فرمایا۔ تشبیہ و تجسیم اور تعطیل کی نفی فرمائی اور فرمایا: اس باب میں ائمہ اربعہ اور اہل سنت کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کی طرف منسوب ہے۔ اعتزال، تجہم، تعطیل و تشبیہ اور تجسیم کی راہیں بدعت کی ہیں۔ فلاسفہ اور متکلمین کے مدمقابل عقل و نقل ہیں جس جماعت نے ان بدعات کا صدیوں مقابلہ کیا وہ اہل حدیث ہی تھے۔ امام اسماعیل بن عبد الرحمٰن صابونی ۴۴۹ھ کا قول ذکر فرمایا:

ان اصحاب الحديث المتمسكين بالكتاب والسنة يعرفون ربهم تبارك وتعالى بصفاته التى نطق بها كتابه وتنزيله وشهد له بها رسوله على ما وردت به الاخبار الصحاح ونقله العدول الثقات ولا يعتقدون تشبيها الصفاته بصفات خلقه ولا يكيفونها تكيف المشبة ولا يحرفون الكلم عن مواضعه تحريف المعتزله والجهمية (ص۲ نقض المنطق)

اہل حدیث کتاب وسنت سے تمسک کرتے ہیں۔ خدا کی وہی صفات بیان کرتے ہیں جو کتاب وسنت میں آئی ہیں یا صحیح احادیث میں ثقات سے منقول ہیں۔ نہ اس میں تشبیہ ہے نہ کیفیت کا بیان نہ معتزلہ اور جہمیہ کی طرح تحریف۔ اھ

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

" اہلحدیث اچھی باتوں میں تمام لوگوں کے ساتھ متفق ہیں۔ بعض چیزوں میں عام لوگوں سے ممتاز ہیں۔ ان کے مخالف معقول، منقول، قیاس رائے، کلام، نظر و استدلال، حجت، مجادلہ، مکاشفہ، وجد و ذوق وغیرہ سے اہلحدیث کا مقابلہ کریں تو اہل حدیث ان تمام طریقوں میں ان سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہیں "

آخر میں فرمایا :

وھذا ھو للمسلمین بالنسبۃ الیٰ سائر الامم و لاھل السنۃ والحدیث بالنسبۃ الی سائر الملل ص

مسلمانوں میں یہ ذہانت اور یہ خوبیاں تمام امتوں سے زیادہ ہیں۔ اہل حدیث میں باقی مذاہب سے زیادہ - اھ

ص۶ سے ص۱۱ تک فرمایا : ایمہ اربعہ اور باقی تمام فقہاء محدثین کو دنیا میں اس لیے برتری حاصل ہے کہ وہ ایمہ اہل حدیث اور سنت کے موافق تھے ___ اسی طرح بدعتی فرقوں کا حال ہے جہاں تک وہ اہل حدیث کے موافق ہیں ان کی تعریف کی گئی ہے اور جہاں تک وہ اہل حدیث کے مخالف ہیں۔ علمی حلقوں میں مذمت کی گئی ہے (گویا حق و باطل کا معیار ہمیشہ اہلحدیث رہے ہیں)

شیخ الاسلام اسی لقب کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

ونحن لانعنی باھل الحدیث المقتصرین علی سماعہ اوکتابتہ اوروایتہ بل نعنی بھم کل من کان احق لحفظہ ومعرفتہ وفھمہ ظاھرا وباطنا واتباعہ باطنا وظاھرا وکذالک اھل القرآن (ص۸ نقض المنطق)

اہل حدیث اور اہل قرآن سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں جو صرف حدیث کے سماع یا روایت یا کتابت تک ہی محدود ہوں بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جو حدیث کے حافظ، اس کے مفہوم کو ظاہری اور باطنی طور پر پوری طرح سمجھتے ہوں اور پوری طرح اسکا اتباع بھی کرتے ہوں۔ یعنی ان میں بصیرت اور تفقہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔

صہ۲ پر لکھتے ہیں:

ان علامة الزنادقة تسميتهم لاهل الحديث حشوية۔

بے دین لوگ اہل حدیث کو لفظ پرست اور حشوی کہتے ہیں - اھ

اس کے بعد فرمایا:

ففهاء الحديث اخبر بالرسول من فقهاء غيرهم وصوفيتهم اتبع للرسول من صوفية غيرهم وامراءهم بالسياسة النبوية من غيرهم وعامتهم احق بموالات الرسول من غيرهم (صہ نقض المنطق)

فقہا اہل حدیث دوسرے فقہاء سے حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں — دوسرے صوفیوں سے اہلحدیث صوفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ اطاعت گذار ہیں۔ اہل سیاست نبوی سیاست کو دوسرے امراء سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ان کے عوام دوسرے فرقوں کے عوام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں" اھ

ابن ابی قتیلہ نے اہل حدیث کے متعلق کہا قوم سوء۔ امام احمد ناراض ہوئے اور تین دفعہ فرمایا: یہ زندیق ہے - ایک جگہ فرمایا: علماء اہلحدیث کا مخالف منافق ہے یا جاہل صہ۵

پھر ارشاد فرمایا:

" انتباہ ضروری ہے کہ جو آدمی کسی طرح بھی سمجھے کہ کوئی گروہ امور غیبیہ کے حقائق کو اہل حدیث سے بہتر سمجھتا ہے یا اللہ پر ایمان اور واجب الوجود اور نفس ناطقہ اور تزکیہ کو زیادہ جانتا ہے اس میں نفاق کی بو ہوگی " ص۱۱۵

والثانی انا ذکرنا من نقل مذهب السلف من جمیع طوائف المسلمین من طوایف الفقهاء الاربعة ومن اهل الحدیث والتصوف واهل الکلام کالاشعری. ص۱۳۵

" ہم نے سلف کے مسلک کی نقل مسلمانوں کے تمام گروہوں میں سے کی ہے۔ فقہاء، مذاہب اربعہ، اہل حدیث، اہل تصوف اور متکلمین وغیرہ۔ اھ

پوری کتاب میں اسی انداز سے مسلک اہلحدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے یہ پرانا اور اہم مکتب فکر ہے جس کے تحقیقی کارنامے فقہ، تصوف حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، کلام، تجوید غرض علوم کے تمام گوشوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

القواعد النورانیہ:

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) نے نقض المنطق میں متکلمانہ انداز سے مختلف فیہ مسائل کا ذکر فرمایا ہے۔ فقہی فروع میں ان کی کتاب القواعد النورانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں فقہی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل اور فقہا محدثین کے فقہیات پر محققانہ بحث فرمائی ہے۔ اس میں مسلک اہل حدیث کا تذکرہ بطور مکتب فکر بار بار فرمایا ہے۔ کتاب کے شروع ہی میں اہل کوفہ اور اہل حجاز کے

فقہی نظریات کے تذکرہ میں اہلحدیث کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ کے متعلق فرمایا وہ ہر مُسکر کو حرام سمجھتے ہیں لیکن کھانے کی چیزوں کے متعلق ان کی رائے مختلف ہے۔ وہ شکاری اور غیر شکاری سب پرندوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ حشرات الارض کے متعلق بھی ان کی قریباً یہی رائے ہے۔ ایک روایت میں حلال اور ایک روایت میں اُنہیں مکروہ سمجھتے ہیں۔ فقہاء کوفہ کی رائے مشروبات کے متعلق اہل مدینہ سے مختلف ہے وہ خمر صرف انگور کی شراب کو سمجھتے ہیں اور باقی مسکرات کو تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں اور کھانے کے متعلق یہ حضرات متشدد ہیں۔ گھوڑے اور ضب کو حرام سمجھتے ہیں۔ شیخ الاسلام اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

ومذهب اهل حديث فى هذا الاصل العظيم الجامع وسبطين العراقيين والحجازيين ص۲ (القواعد النورانيه)

اسی نسق میں شیخ فرماتے ہیں:

فاخذ اهل حديث فى الاشربة بقول اهل المدينة وسائر اهل الامصار موافقة للسنة المستفيضة عن النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه فى التحريم ص۳

اہل حدیث نے اشربہ کے متعلق اہل مدینہ اور باقی مسلم ممالک کے عمل کو سنت مشہورہ کے موافق حرام سمجھا۔ اس کے بعد چند سطور میں اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

واخذوا فى الاطعمة بقول اهل الكوفة لصحة السنن عن النبى صلى الله عليه وسلم بتحريم كل ذى ناب من السباع وكل ذى مخلب من الطيور وتحريم لحوم الحمر ص۳

اور کھانے کے متعلق ایمہ اہل حدیث نے اہلِ کوفہ کے مذہب کو سنت کے مطابق پایا۔ اڑنے والے اور جنگلی درندوں، اور اہلی گدھوں کو حرام تصوّر فرمایا۔ اھ

ان کی نظر میں قرآن اور احادیث کی ایک ہی حیثیت ہے۔ آخر میں فرمایا :

اہل حدیث نے ان مسایل میں اہل مدینہ اور اہلِ کوفہ سے کلّی اتفاق نہیں فرمایا بلکہ گھوڑے اور ضب وغیرہ کو حدیث کی بنا پر حلال فرمایا ہے اور اہل مدینہ کے ساتھ بعض اشربہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے ان مسایل میں مذہب اہل حدیث کا تفصیلی تجزیہ فرمایا ہے۔ جسے طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مضمون پھیلتا جا رہا ہے اس کو مختصر کرنے کے لیے "قواعد نورانیہ" کے صفحات لکھے جا رہے ہیں۔ جہاں شیخ الاسلام نے اس مکتبِ فکر کا بطور مکتب ذکر فرمایا ہے۔ عبارات اور ترجمہ دونوں نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔

صفحات کے نمبر یہ ہیں : ۱۰، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳

شیخ الاسلام نے کہیں اہل حدیث کہیں فقہا اہل حدیث کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تذکرہ دوسرے مکاتبِ فکر ہی کی طرح آیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے مسلک اہل حدیث کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے

فهم حملة علمه ونقله دينه وسفرته بينه وبين امة وامناءه فى تبليغ الوحى منه فحرى ان يكونوا اولى الناس به فى حياته ووفاته وكل طائفة من الامم مرجعها اليهم فى صحة حديثه وسقيمه ومعولها عليهم فيما يختلفون فى امره ثم كل من اعتقد مذهبا فالى صاحب مقالة التى اخذ بها ينتسب والى رايه ينتسب الاصحاب الحديث فان

صاحب مقالتهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهم الیہ

ینتسبون والی علمہ یفزعون و برایہ یقتدون و بذلک

یفتخرون الخ ۔ (صون المنطق والکلام ص ۱۱)

اہلحدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے حامل ان کے دین کے ناقل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان سفیر ہیں اللہ ان کی وحی کی تبلیغ میں ان کے امین ہیں ۔ وہ موت اور زندگی میں آپ کے قریب ہیں ۔ تمام گروہ حدیث کی صحت اور سقم میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے اختلاف میں ان کی رائے پر اعتماد کرتے ہیں ۔ ہر صاحب مذہب اپنی نسبت اپنے امام کی طرف کرتا ہے اور اس کے مقالات کو اپناتا ہے لیکن اہل حدیث اپنا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بتاتے ہیں ۔ اور آپ ہی کے مقالات سے استناد کرتے ہیں ۔ انہی سے استدلال کرتے ہیں ۔ ان کے دل کی بے قراریاں آپ ہی کے لیے ہیں ۔ آپ ہی کی اقتداء کرتے ہیں ۔ آپ ہی کی ذات گرامی پر فخر کرتے ہیں ۔ ان کی نسبت قرآن کی طرف ہے کیونکہ وہ احسن الحدیث ہے اور حدیث کی طرف بھی اس لیے کہ وہ اُس کے حافظ اور حامل ہیں ۔ آگے چل کر فرماتے ہیں :

فهی الطائفۃ المنصورۃ والفرقۃ الناجیہ والعصبۃ الهادیۃ

والجماعۃ العادلۃ المتمسکۃ بالسنۃ التی لا ترید برسول اللہ

بدیلا ولا قولہ تبدیلا ولا عن سنۃ تحویلاً ص۱۱

طائفہ منصورہ ، فرقہ ناجیہ ، اہلحدیث کا گروہ ، عادل جماعت جس نے سنت سے تمسک کیا ۔ کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدل نہیں سمجھتے نہ آپ کے قول اور سنت میں کوئی تبدیلی کرتے ہیں ۔ اھ

سیوطی نے حافظ منۃ اللہ بن حسن ابوالقاسم لالکائی کی کتاب اصول السنۃ سے یہ

تلخیص فرمائی ہے الانتصار لاہل الحدیث سمعانی ۴۸۹ھ کے حوالے سے نقل فرمایا

قد لهج بذم اصحاب الحديث صنفان اهل الكلام واهل الرای فهم فی وقت يقصدونهم بالثلب والعيب وينسبونهم الی الجهل وقلة العلم (صون المنطق ص۱۲۷)

متکلمین اور اہل الرائے کی زبانیں اہلحدیث کے خلاف چلتی رہتی ہیں وہ انہیں کم علم اور جاہل کہتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے رہتے ہیں۔ اھ

خبر واحد کے متعلق فرمایا کہ اس سے علم حاصل ہوتا ہے:

هذا قول عامة اهل الحديث والمتيقنين من القائمين على السنة وانما هذا القول الذی يذكران خبر الواحد لا يفيد العلم بحال ولا بد من نقله بطريق التواتر لوقوع العلم شئ اخترعته القدرية والمعتزله وكان قصدهم منه رد الاخبار وتلقته بعض الفقهاء الذين لم يكن لهم فی العلم قدم ثابت (ص۱۱۶ صون المنطق)

خبر واحد کی حجیت اور مفید علم ہونا اہل حدیث اور ارباب سنّت کا قول ہے اور خبر واحد کا غیر مفید ہونا اور خبر کے مفید علم ہونے کے لیے تواتر کی شرط، یہ معتزلہ اور قدریہ کا اختراع ہے۔ جس سے ان کا مقصد احادیث کے رد کے سوا کچھ نہیں۔ بعض کم علم فقہانے ان سے یہ مسئلہ سیکھ لیا۔ اھ

یہ کتاب کئی کتابوں کی تلخیص ہے۔ اس میں سیوطی نے بڑی کثرت سے اہل حدیث مکتب فکر کا ذکر فرمایا ہے۔ صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۱۔ یہ کتاب حافظ سیوطی نے منطق اور کلام کی اغلاط کے متعلق لکھی ہے۔ ایمہ سنت کی کئی کتابوں کی تلخیص

فرمائی اور جابجا مسلک اہلِ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء حنفیہ سے اصول فقہ میں جہاں جہاں لغزش ہوئی ہے۔ وہ در اصل معتزلہ کا اثر ہے۔ کیونکہ فقہاء عراق ابتدا میں معتزلہ سے متاثر ہو گئے تھے۔ ان حضرات ہی نے بعض کتابیں اصول فقہ پر لکھیں جن میں جابجا اعتزال کا اثر پایا جاتا ہے۔ الجواھر المضیہ اور الفوائد البہیہ میں ایسے بہت سے احناف کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اعتزال سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ متاخرین علماء اصول زیادہ تر انہی حضرات پر اعتماد فرماتے ہیں۔ آج کل کی درسیات اصول فقہ میں اعتزال ہی کا اثر ہے۔ بچارے ملا جیون اور علامہ نظام الدین شاشی معتزلہ ہی کے خوشہ چین ہیں۔

حافظ ابن قتیبہ دینوری ۲۷۶ھ نے مسلک اہل حدیث کی حمایت میں مستقل کتاب لکھی ہے۔ تاویل مختلف الحدیث فی الرد علی اعداء اهل الحدیث۔ اس میں حدیث اور اہل حدیث دونوں کا دفاع فرمایا ہے۔ ص۹۸

ذکر اصحاب الحدیث قال ابو محمد فاما اصحاب الحدیث فانهم التمسوا الحق من وجهته وتتبعوا من مظانه وتقربوا من الله تعالى باتباعهم سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم و طلبهم لآثاره واخباره برا و بحرا شرقاً و غربا (الی ان قال) وعرفوا من خالفها من الفقهاء الی الرای فنبهوا علی ذالك حتى نجم بعد ان كان عافيا وبسق بعد ان كان دارسا واجتمع ان كان متفرقاً وانقاد للسنن من كان عنها معرضا وتنبه عليها من كان عنها غافلا وحكم بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ان كان يحكم بقول فلان وفلان وان كان فيه خلاف على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ اھ

اہلحدیث نے حق کی تلاش اس کے اصل مقام سے کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور سنن سے اللہ کا قرب تلاش کیا اور احادیث کی تلاش میں خشکی اور سمندر مشرق اور مغرب کے سفر کیے۔ ایک ایک حدیث کی تلاش میں طویل سفر کیے تاکہ اصل راویوں سے صحیح حدیث سن سکیں اور بحث و تنقید سے صحیح، ضعیف — اور منسوخ کا پتہ چلایا اور فقہا اور اہل الرائے کی مخالفت پر بھی متنبہ کیا۔ یہاں تک کہ حق ظاہر ہو گیا۔ متفرق احادیث جمع ہو گئیں اور جو لوگ فلاں فلاں کی اطاعت کرتے تھے وہ حق کی اطاعت کرنے لگے۔ اھ

ایک مقام میں فرمایا کہ لوگوں نے اہل حدیث کے مختلف نام رکھے لیکن نام کے بے محل استعمال سے صحیح نہیں ہو سکے۔ صیقل کرنے والا موچی نہیں کہلا سکتا نہ ہی بڑھئی کو لوہار کہا جا سکتا ہے یعنی اہل حدیث کو حشوی یا ظاہری کہا جائے تو وہ حشوی یا ظاہری نہیں ہو گا۔ نام کی کچھ حقیقت ہوتی ہے جس پر وہ بولا جاتا ہے۔

○

علامہ ابوبکر محمد بن حسن بن فورک (۴۰۶ھ) نے مشکل الحدیث میں ملحدین کے تذکرہ میں تعارف کے طور پر فرمایا:

وخصوا بتقبيح ذالك الطائفة التي هي الظاهرة بالحق لسانا وبيانا وقهرا وعلوا وامكانا الطاهرة عقائدها من شوائب الاباطيل وشوائب البدع والاهواء الفاسدة وهي المعروفة

بانها اصحاب الحدیث (ص ۳)

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس گروہ کی تنقیص کرتے ہیں جن کی زبان بیان پر ظاہراً باطناً حق غالب ہے۔ ان کے عقائد بدعات اور اباطیل سے پاک ہیں۔ وہ اصحاب الحدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اھ

اسکے بعد ان کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک جن کا مشغلہ اسانید اور ان کے متون کا ضبط ہے اور دوسرے وہ جو اسباب و علل اور قیاس و نظر سے احادیث میں بحث کرتے ہیں۔ اھ

اسی طرح ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (۵۴۸ھ) کے ملل والنحل میں اسی مکتب فکر کا ذکر فرمایا :

حافظ ابن حزم اندلسی الظاہری (۴۵۶ھ) گو ظاہری ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو اہل حدیث شمار فرماتے ہیں تقلید و جمود پر سختی سے تنقید فرماتے ہیں اپنے وقت کے مالکی علماء و صحابہ کے فروعی اختلافات کے متعلق فرمایا۔

فاما اجتمعوا علیه فنحن الذین اتبعوا اجماعهم و لله الحمد کثیرا و انما خالف اجماعهم من دعی الی التقلید انسان بعینه کما فعل هؤلاء فی تقلیدهم مالکا دون غیره ولم یکن قط فی الصحابة ولا فی التابعین ولا فی القرآن الثالث واحد مما فوقه فعل هذا الفعل ولا اباحه لفاعل اھ (التعنیف ص ۸۹)

اگر صحابہ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو تو ہم بحمد اللہ اسے قبول کرتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے تقلید شخصی کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ جس طرح مالکیوں نے صرف امام مالک کی تقلید

کی۔ صحابہ۔ تابعین اور تیسری صدی تک کوئی آدمی نہیں جس نے یہ فعل کیا ہو یا اس کو جائز کہا ہو۔ اجماع کے مخالف در اصل وہی لوگ ہیں جو تقلید شخصی کی دعوت دیتے ہیں۔ حافظ ابن حزم کی الاحکام، محلی۔ الفصل وغیرہ اسی مواد سے بھری پڑی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے تجدیدی کارناموں سے ساتویں اور آٹھویں صدی دونوں متاثر تھیں۔ شیخ کی آواز مدارس اور ایوان حکومت میں یکساں گونجتی تھی۔ شیخ کی تنقید سے حکومت کے دربار لرزتے تھے۔ صوفیوں کی خانقاہیں شیخ کے اصلاحی پروگرام کے سامنے جھکتی تھیں۔ غرض شیخ کے اصلاحی کارنامے زندگی کے ان تمام گوشوں پر اثر انداز ہوتے تھے جن کا دین سے کچھ بھی تعلق تھا شیخ کا حلقۂ درس بھی کافی وسیع تھا۔ دعوت و تبلیغ کی مساعی بھی ہمہ گیر تھیں۔ شیخ کے تلامذہ اور رفقاء کا حلقہ بھی اسی طرح وسیع تھا۔ حافظ ابن القیم الجوزی حافظ جلال الدین المزیؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ، محمد بن احمد الہادی مقدسیؒ وغیرہ کبار ائمہؒ، امام کے علوم سے مستفیض تھے۔ یقیناً شیخ الاسلام کا اثر شیخ کے بعد برسوں قائم رہا ہوگا۔

شیخ کے تلامذہ سے ابن القیمؒ، ان کے تلامذہ سے شیخ محمد بن یعقوبؒ۔ فیروز آبادی (۸۱۷ھ) صاحب قاموس، ان کے تلامذہ سے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) احمد بن علی المقریزی (۸۴۵ھ) المورخ ایسے ائمہؒ کو ان سے استفادہ کا موقع ملا۔ پھر حافظ ابن حجر کے تلامذہ میں یہ اثر قائم رہا اور تحقیق کی یہ شمع جلتی رہی، اور جمود کا اثر غالب نہ ہو سکا۔ گو دونوں نظریات میں تصادم کے آثار ملتے ہیں۔

حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) شیخ عبد الوہاب المتقی، شیخ محمد طاہر پٹنوی صاحب مجمع البحار اور حضرت شیخ احمد بن عبد الاحد المجدد السرہندی۔

(۱۰۲۴ھ) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) مرزا مظہر جان جاناںؒ (۱۲۱۸ھ) فاخر الہ آبادی (۱۱۶۴ھ) حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ) شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۷ھ) رحمۃ اللہ علیہم ماحول کی وجہ سے حنفیت کیطرف معمولی رجحان کے باوجود ان میں سے کوئی بھی تقلید اور جمود کا داعی نہیں ـــــ بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں تقلید و جمود کے خلاف جو جذبہ اس وقت کارفرما ہے اس کے موسس و بانی دراصل یہی مقدس حضرات ہیں (رحمۃ اللہ علیہم)۔ ان تمام اعلام کے ارشادات کے تذکرہ سے مضمون اور بھی واضح ہوگا۔ ان بزرگوں کے کارنامے اور علمی نوشتے اہل علم کی نظروں میں پوشیدہ نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ۔ الانصاف، عقد الجید، الخیر الکثیر، تفہیمات اول و ثانی، المقالۃ الوضیہ اور الانتباہ وغیرہ میں اس موضوع پر اتنا لکھا ہے کہ اس سے زیادہ لکھنا مشکل ہے ـــ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۴ ج (۱) ابن عبدالسلام سے نقل فرمایا:

ومن العجب العجیب ان الفقہاء المقلدین یقف احدھم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لا یجد لضعفہ مدفعا و ھو مع ذالک یقلدہ فیہ و یترک من شھد الکتاب والسنۃ والاقیسۃ الصحیحۃ لمذھبھم جمودا علی تقلید امامہ بل یحیل لدفع ظاھر الکتاب والسنۃ ویتاولھا بالتاویلات البعیدۃ الباطلۃ نضالا عن مقلدہ و قال لم یزل الناس یسئلون من اتفق من العلماء من غیر تقیید لمذھب ولا انکار علی احد من السائلین الی ان ظہرت ھذہ المذاھب ومتعصبوھا من المقلدین۔

تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی مدافعت بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود اس کی تقلید کرتا ہے اور ظاہر کتاب وسنت اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتا ہے اور کتاب وسنت کو ٹالنے کے لیے بہانے بناتا ہے کہ اپنے امام کو بچا سکے۔ لوگ ہمیشہ حسب اتفاق علماء سے دریافت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مروجہ مذاہب اور متعصب لوگ پیدا ہو گئے جو امام کو پیغمبر کی طرح سمجھتے ہیں۔" اھ

ایک اور مقام پر فرمایا:

"یہ لوگ دوسرے مسلک کے مفتی سے فتوٰے پوچھنا جائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی اقتداء کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ صحابہ، تابعین اور قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف ہے۔" (ص۱۲۴ ج ۱) حجۃ اللہ

حجۃ اللہ ص ۱۲۲ ج ۱ میں فرمایا:

وكان صاحب الحديث ايضا قد ينسب الى هذه المذاهب لكثرة موافقة له كالنسائي والبيهقي ينسبان الى الشافعي اه

طبقات کی کتابوں میں یعنی بعض اہل حدیث علماء کو مروجہ مذاہب کی طرف نسبت کرایا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی تحقیق ان سے موافق ہو جاتی ہے جیسے نسائی اور بیہقی، لوگ انہیں شافعی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل حدیث ہیں۔" اھ

شاہ صاحب نے تفہیمات میں فرمایا۔ فقہ حنفی وشافعی کو ملا کر کتاب و سنت پر عرض کرنا چاہیئے جو موافق ہو اس پر عمل کیا جائے۔ ورنہ مختلف فیہ مسائل کو روایات کے طور پر قبول کر لیا۔ شاہ صاحب عملی فروع میں بھی عموماً

شوافع کی طرف جھکتے ہیں۔ آمین بالجہر، رفع الیدین، زیارت قبور، قرأت فاتحہ وغیرہ میں شافع مذہب کو راجح سمجھتے ہیں۔ خیر کثیر میں تو امام شافعیؒ کی عجیب انداز سے تعریف فرمائی ہے۔

اما المتعمقون فی الرای فلیسوا من اهل السنة فی شئ واما هذه المذاهب الاربعة فاقربها الی السنة مذهب الشافعی المنقح والمصفی وکان نظره تصل الی حقیقة العلل والاسباب اه (خیر کثیر ص ۱۲۴)

رائے اور قیاس میں غالی قسم کے لوگ یہ قطعاً اہل سنت نہیں ہیں اور مذاہب اربعہ سے امام شافعیؒ کا مسلک سنت سے زیادہ قریب ہے۔ ان کی نظر اسباب وعلل پر زیادہ گہری ہے۔ اھ

تفہیمات ج ۲ ص ۲۴۰ پہلے عقائد کا ذکر اور تاکید فرمائی ہے۔ تاویل سے بچکر مسلک سلف کا اتباع کیا جائے، فروع کے متعلق فرمایا۔

و در فرع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن و در تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن و آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالای بد بریش خاوند دادن امت را الا ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند شنیدن و بدیشان التفات نکردن و قربت خدا جستن بدوری ایناں اھ

"فروع میں فقہا محدثین کی پیروی کرنا، فقہی جزئیات کو کتاب و سنت پر پیش کرنا، موافق کو قبول کرنا، مخالف پھینک دینا،

اُمت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اجتہادیات کو کتاب وسنت پر پیش کریں اور خشک فقیہ جن کیلئے تقلید سے بڑی کوئی دستاویز نہیں۔ کتاب وسنت کے تتبع کو ترک کیا ہوا ہے ان سے دوری میں خدا کی رضا مندی ہے۔" اھ

جامد تقلید کے متعلق شاہ صاحب کے جذبات قابل ملاحظہ ہیں :

وترى العامة سيما اليوم فى كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو فى مسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه وافترضت طاعة عليه وكان اوائل الامة قبل المائة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد (ص۱۵۱ ج ۱)

ہر علاقہ کے عوام مروجہ مذاہب سے ایک کی تقلید کرتے ہیں اسے ترک کرنا ارتداد کے برابر سمجھتے ہیں۔ گویا امام ان کا نبی ہے اس کی اطاعت ان پر فرض ہے چوتھی صدی سے پہلے یہ کیفیت نہ تھی اھ

آج احباب دیوبند غور فرمائیں آپ جس انداز سے تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔ ترک تقلید کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ وہی انداز تو نہیں جس کی شاہ صاحب نے شکایت فرمائی ہے۔

اسی طرح ص۱۵۲ ج ۱ میں ایسے محققین کا ذکر فرمایا ہے جو تقلید نہیں کرتے تھے جیسے ابن عربی، ابو محمد جوینی۔ تفہیمات ص۲۰۲ ج ۲ ص۲۱۵ ج ۱ میں فرمایا :

ان امنتم بنبيكم فاتبعوه خالف مذهبا او وافقه۔ اھ

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو ان کی اطاعت کرو مذہب کے خلاف ہو یا موافق" تفہیمات اس قسم کی دعوت سے بھرپور ہے۔

تفقہ اور ظاہریت

شاہ صاحب کے نزدیک حق تفقہ اور ظاہریت کے بین بین ہے۔

(تفہیمات ص۲۰۹ ج ۱)

ومنهم انی اقول لهولاء المسلمین بالفقهاء الجامدین علی التقلید یبلغهم الحدیث من احادیث النبی صلی الله علیه وسلم باسناد صحیح وقد ذهب الیه جمع عظیم من الفقهاء المتقدمین ولا یمنعهم الا التقلید لمن لم یذهب الیه ولهولاء الظاهریة المنکرین للفقهاء الذین هم طراز حملة العلم وایمة اهل الدین انهم جمیعا علی سفاهة وسخافة والی ضلالة وان الحق امر بین بین۔

میں ان برائے نام فقہا سے کہنا چاہتا ہوں جو تقلید جامد کی وجہ سے جن کو صحیح حدیث پہنچتی ہے اور وہ فقہا کا معمول بھی ہے لیکن وہ اپنے علماء کی تقلید کے سبب اسے نہیں مانتے اور یہ ظاہری حضرات جو فقہ کے انکار اور فقہا اور ایمۂ دین پر یقین نہیں رکھتے یہ سب بے وقوف اور غلط کار ہیں اور حق ان کے بین بین ہے۔ مسلک اہل حدیث بالکل یہی ہے۔ پھر ص۲۱۱ ج ۱ پر فرمایا۔

واشهد لله بالله انه کفر بالله ان یعتقد فی رجل من الامة ممن یخطی ویصیب ان الله کتب علی اتباعه حتما وان الواجب علی هو الذی یوجبه هذا الرجل علی ولکن الشریعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان قد دعاها

العلماء رواها الرواة وحكم بها الفقهاء و انما اتفق الناس على تقليد العلماء على معنى انهم رواة الشريعة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم وانهم علموا مالم نعلم وانهم اشتغلوا مایعلم ومالم نشتغل و لذالك قلد مما العلماء فلو ان حديثا صح وشهد بصحة المحدثون وعمل به طوايف فظهر فيه الامر ثم لم يعمل به هولات متبوعه لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد - اھ

میں اللہ کے لیے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں ایک ایسے آدمی کے متعلق جس سے خطا اور ثواب سرزد ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی اطاعت فرض ہے جس چیز کو یہ واجب کہے وہ واجب ہے حالانکہ شریعت اس شخص سے پہلے موجود ہے۔ علماء نے اسے حفظ اور روایت کیا۔ فقہا نے اس کے مطابق فیصلے کیے۔ تقلید کا مفہوم توصرف اس قدر ہے کہ علماء شریعت کے راوی ہیں - وہ جانتے ہیں عوام نہیں جانتے۔ علماء نے اسے اپنا مشغلہ قرار دیا کہ عوام ایسا نہیں کرسکتے۔ اس لیے علماء کی تقلید کی گئی۔ اب اگر ایک حدیث کی صحت ثابت ہو علماء نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور بات واضح ہو جائے پھر اس پر عمل نہ کیا جائے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے - اھ

ایک مقام پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے ڈالا گیا ہے کہ حنفی اور شافعی امت مرحوم میں دونوں مشہور مذہب ہیں - اور اکثر لوگ انہیں دونوں مذہب کے متبع ہیں۔ اکثر فقہاء محدثین، مفسرین اور

متکلم صوفی شافعی تھے اور عام بادشاہ اور یونان کے لوگ حنفی تھے اور ملاء اعلیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب قرار دیا جائے اور احادیث پر پیش کیا جائے جو موافق ہو اسے رکھ لیا جائے۔ جس سے اصل نہ ملے اسے دو قول یا دو روایت قرار دے دیا جائے (ص۲۱۲ ج ۱)

شاہ صاحب کے ان ارشادات کا آج دیوبند کی دعوت جمود میں کیا ربط ہے اس پر ارباب ربط کو غور کرنا چاہیئے۔ مسلک اہلحدیث کا اجمالاً یہی تقاضا ہے کہ جمود کو قطعاً جگہ نہ دی جائے اور نصوص پر نظر رکھی جائے۔ اسی دعوت کا ایک اور مقام پر اس طرح اعادہ فرماتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکم صرف اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا۔ بہت لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے میں فلاں مذہب پر عمل کروں گا — حدیث پر عمل نہیں کروں گا۔ پھر یہ خیال کرتا ہے کہ حدیث صرف ائمہ اور ماہرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ائمہؒ نے ایسی حدیث پر عمل کسی وجہ سے ہی ترک کیا ہوگا — منسوخ ہو یا مرجوع۔ یقیناً جان لو یہ قطعاً دین نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو آپ کی اطاعت کرو کسی مذہب کے مطابق ہو یا مخالف اللہ کی رضا اسی میں ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت پر عمل کیا جائے۔ اگر آسانی سے سمجھ میں آجائے تو بہتر ورنہ پہلے علماء کی رائے سے جو کتاب وسنت کے قریب ہو اس پر عمل کرو۔ اھ

یعنی بلا تعیین ان کے افکار کی اطاعت کی جائے۔ (تفہیمات ص۲۱۵ ج ۱)

الفاظ کی بحث بے سود ہے۔ حقائق کی وضاحت کے بعد ظاہر ہے کہ مسلک اہل حدیث نے ہندوستان کے مذہبی جمود کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جس قدر شاہ صاحب نے فرمایا۔ اس کا نام تقلید رکھیے یا ترکِ تقلید — حنفی

کہیئے یا اہل حدیث۔ اس میں وہ جمود بہرحال نہیں جس کی دعوت آجکل بریلی اور دیوبند سے دی جارہی ہے۔ مروجہ تقلید کے خلاف اہل حدیث نے اب تک جو کچھ کہا شاہ صاحب کے ارشادات میں وہ پورا مواد موجود ہے اس کے خلاف اکابر دیوبند یا عظماء بریلی نے جو فرمایا، شاہ صاحب کے ارشادات کی روح اس کے خلاف ہے۔ شاہ صاحب سے عقیدت کے ساتھ جمود اور تقلید کی دعوت بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ عرصہ ہوا بعض بزرگان دیوبند نے انکشاف فرمایا کہ حضرت مولانا شہید کا ابتداء میں رجحان ترک تقلید کی طرف تھا لیکن حضرت سید احمد صاحب کی تفہیم کے بعد یہ رجحان ختم ہوگیا۔ اور رفع الیدین وغیرہ مسنون اعمال پر شاہ صاحب نے عمل ترک کر دیا۔ میرے خیال میں حضرت شہید پر یہ محض بدگمانی ہے جس کے لیے ثبوت ملنا مشکل ہے۔

○

شاہ شہید کی مشہور تصانیف سے " ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح "۔ یہ مرحوم کی نامکمل اور آخری کتاب ہے جس میں مرحوم تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلقہ رسوم کے متعلق لکھنا چاہتے تھے۔ بدعت کے متعلق لکھا تھا۔ کہ شہادت کا حادثہ پیش آگیا۔ کتاب مطبع اشرفیہ دہلی میں مع ترجمہ چھپی ہے۔ شاہ شہید کا ارشاد قابل غور ہے۔ ایضاح صہ۸۸

بخلاف قسم ثانی کہ ہر کسی را تحقیق احکام قیاسیہ واشغال صوفیہ و قوانین عربیہ ضرور نیست و ارادہ تقلید شخصے معین از مجتہدین مشایخ وارکان دین نیز بلکہ ہمیں قدر کافی است کہ وقتے کہ حاجتے

پیش از کسے از ایشان استفسار کردہ شود نہ آنکہ ارادہ و تقلید
اہم مثل ایمان باانبیاء از ارکان دین شمردہ شود و لقب حنفی و
قادری بمشابہ لقب مسلمان وسنی اظہار کردہ شود۔ الخ

ہر آدمی کے لیے قیاسی احکام، صوفیوں کے مشاغل اور عربی قواعد کا جاننا ضروری نہیں۔ ایمۂ اجتہاد اور مشائخ سے معین آدمی کی تقلید بھی ضروری نہیں، صرف اس قدر کافی ہے کہ ضرورت کے وقت علماء اور صوفیاء میں کسی سے دریافت کر لیا جائے۔ تقلید کو انبیاء پر ایمان کی طرح نہ سمجھ لیا جائے حنفی قادری کا مسلمان سنی کی طرح واجب نہ تصوّر کیا جائے۔ اھ

صفحہ ۹۰ میں فرمایا:

"عنوان شعار خود محمدیہ خالصہ و سنن قدیم باید داشت نہ تمذہب
بمذہب خاص وانسلاک درطریقہ مخصوصہ"

"اپنا عنوان نشان خالص محمدی رکھنا چاہیئے۔ کسی خاص مذہب
اور طریقہ میں منسلک نہیں ہونا چاہیئے"

شاہ صاحب نہ تو فروع فقہیہ میں کسی خاص امام یا کسی فرقہ کا تعین پسند فرماتے ہیں۔ نہ تصوف کے متعارف سلاسل میں کسی خاص سلسلہ سے انسلاک ان کی نظر میں مناسب۔ محمدیت خالصہ ان کے پیش نظر یا بالکل شاہ ولی اللہ صاحب کی دعوت ہے جسے ان کے ابناد احفاد نے رواج دیا بلکہ اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف فرمائیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے تلامذہ اور ان کا خاندان، ان الفاظ سے بالارادہ فقہی جمود اور تصوّف میں جمود کو توڑنا چاہتے ہیں اور وہ اس مہم کو کسی تنفر کے بغیر ذہنوں میں نقش کرنا چاہتے تھے ۔ ۱۲۴۶ھ جبکہ بالاکوٹ میں ان کی شہادت کا دل فگار واقعہ پیش آیا۔ ترک تقلید بالقصد سے

وابستگی میں تصادم نہیں۔ موحدین کے اس شک میں اختلافِ خیال تو ہوگا مگر اسے کبھی ابھرنے کا موقع نہیں ملا۔ سانحۂ شہادت کے چند ماہ بعد جماعت مجاہدین کے پورے نظم کی ذمہ داری صادق پوری حضرات نے اپنے سر پر لے لی۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی وغیرہم نے جہاد اور تبلیغ کے دونوں نظام بڑی کامیابی سے چلائے۔ یہ حضرات شاہ شہیدؒ سے زیادہ متأثر تھے اس لیے یہ اتباع سنت کے ساتھ تقلید اور جمود کی حوصلہ افزائی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس لیے ۱۲۴۶ھ کا تقلید پسند طبقہ پچھلی صفوں میں چلا گیا۔ یہ حضرات، فقہیات پر تنقید فرماتے لیکن فقہاء پر تنقید نہ کرتے۔ ائمہ اربعہؒ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے اجتہادات کے لیے صحیح محل تلاش فرماتے تھے، لیکن حنفی نقطۂ نظر سے نہیں گھبراتے تھے مگر تقلید اور جمود کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ سید شہیدؒ کے بعد مولانا ولایت علی ۱۲۶۹ھ جماعت کے امیر قرار پائے۔ ان کی کتاب عمل بالحدیث اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مولانا نے فرمایا:

"باید دانست کہ انسان اگر عامی باشد وبسبب مشاغل دیگر از نوشت وخواند و در اکتفا بر دریافت از علماء نماید برائے آں مناسب این است کہ از علمائے محدثین دیندار کہ در دیانت و خوفِ خدا دانست قرآن وحدیث مشہور شدہ باشند سوال نمائند بایں طور کہ ما را دریں مسئلہ طور محمدی تعلیم نمایند و اگر مرد طالب علم است وشوق تعلیم در دل دارد مناسب ایں است۔ اول قرآن وحدیث بخواند بعد ازاں بکتب دیگر نظر ہمت گمارد تا آئینہ دار ظاہر شود کہ رائے کدام بزرگوار در کدام جا صواب یافتہ و کجا

روئے خطا دیدہ پس ہر مسئلہ کہ مصرح بقرآن و حدیث یا بد در آں
تقلید ہیچ مجتہد نہ کنند کہ در مصرحات اجتہاد را دخلے نیست" ص۱۶

اگر عام آدمی شغل کی وجہ سے علم نہ حاصل کر سکے تو اسے علماء اہل حدیث کیطرف جن کے علم و دیانت کی شہرت ہو، رجوع کرے کہ مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف راہنمائی کی جائے۔ اگر آدمی علم کا شوقین ہو تو اسے سب سے پہلے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ظواہر نصوص میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں اور یہ بالکل وہی انداز ہے۔ جسکا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رح شاہ عبدالعزیز رح ان کے رفقاء اور تلامذہ کرتے رہے۔ اس نے تیرھویں صدی ہجری میں سکھوں اور انگریزوں کے اتحاد اور کم فہم علمائے ہند کی مخالفت کیوجہ سے سیاسی اسباب و دواعی کے ماتحت تحریک جہاد اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ابتدائی کوشش کی صورت اختیار کی۔ شاہ عبدالعزیز رح کی نگرانی میں سید احمد کی قیادت اور شاہ اسمعیل شہید رح مولانا عبدالحی بڈھانوی وغیرہ کی رہنمائی میں جہاد کا پروگرام بنانا پڑا۔ کلکتہ کے اطراف میں انگریزوں اور پنجاب میں سکھوں کے اثر کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنی حریت پسند مساعی کے لئے صوبہ سرحد کا انتخاب کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں کی مسلمان اکثریت ان کے ساتھ پورا تعاون کرے گی۔

تحریک حریت کے مقاصد

ان کے سامنے اس وقت دو مقصد تھے۔ پورے ہندوستان کی انگریزوں اور سکھوں سے آزادی اور اس ملک میں ایک ایسی حکومت کی تاسیس جس کی بنیاد قرآن اور سنت پر ہو۔ اس ضمن میں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مغل دربار کی لاعلمی کی وجہ سے جو بدعات اور مشرکانہ رسوم اور تشیع کے مہلک اثرات جو اس

ملک کی گھریلو زندگی کا جزو بن چکے ہیں، انہیں زائل کیا جائے - اور سلفی انداز کی سادہ حکومت اس ملک میں قائم کی جائے۔ اس کے لئے ان کے سامنے دو پروگرام تھے۔ وعظ و تبلیغ، درس و تدریس اور نشر و اشاعت کے ذریعے کتاب و سنت کی اشاعت اور جہاد کے ذریعے انگریزوں اور سکھوں کے ظلم سے نجات - جہاد کی تحریک زیر زمین چلتی رہی - اس کا خاتمہ قریباً ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے بعد ہوا جبکہ پاکستان کے نام سے ایک اسلامی حکومت قائم ہو گئی - اس کی تفصیل ایک مستقل موضوع ہے۔ جو مستقل وقت اور فرصت کا محتاج ہے۔ تبلیغ وعظ کی نشر و اشاعت کے لیے نواب صدیق حسن خاں اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کی مساعی اپنے وقت میں غیر مترقبہ نعمت تھیں۔

اس ضمن میں بھوپال - بنارس - کلکتہ - دہلی - لاہور - پشاور - راولپنڈی وغیرہ شہروں سے بے شمار لٹریچر شائع ہوا۔ حدیث - شروح حدیث و تراجم حدیث کے انبار لگا دیئے گئے - فقہ الحدیث کے ذخائر سے اہل علم کی الماریاں بھرپور ہو گئیں ان تمام مساعی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے حکیمانہ تجدیدی کارنامے جلوہ افروز تھے - اس وقت کسی تنفر کے بغیر جمود کو توڑنے اور علم و تحقیق کے چراغ روشن کرنے کی کوشش کی گئی تھی - حضرت شیخ الکل و شیخ الاسلام سید نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ کی قریباً یہی حکیمانہ روش رہی کہ کسی ہنگامہ آرائی کے بغیر حق کی آواز کو دلوں میں جگہ دلائی جائے۔

یمن کی راہ

تقلید و جمود کے خلاف ایک آواز یمن سے بھی آئی - امام شوکانی کے تلامذہ اور ان کی تصانیف میں جمود کے خلاف لہجہ کسی قدر تیز اور جارحانہ تھا ـــ مولانا

ولایت علی بھی شوکانی کے شاگرد تھے لیکن ان پر ولی اللہی انداز غالب تھا۔ اسکے ساتھ جمود پسند علماء کی جارحیت نے تحریک میں شدت پیدا کردی۔ جارحانہ رسائل کا باہم تبادلہ ہوا۔ دروس، مواعظ، مدارس، مجالس میں چند سال خاصی گرمی آ گئی۔ انگریزی عدالت تک مقدمات پہنچے۔

شاہ صاحب تقلید جمود کی مخالفت کے باوجود حنفی شافعی قسم کے القاب سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ اسے بسا اوقات پسند کرتے ہیں۔ شاہ صاحب اور انکے اتباع ایک حد تک حنفی شافعی کہلانا کچھ عیب نہیں سمجھتے بشرطیکہ تقلید اور جمود کے زیر اثر کتاب وسنت اور فقہ الحدیث کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ شاہ صاحب کی اسی واضح حکیمانہ دعوت کے بعد آج کے حضرات بریلی اور دیوبند کے لیے دو ہی راہیں ہوسکتی ہیں: یا جمود کو رخصت کریں اور تقلید کی طرف دعوت سے کلیۃً پرہیز کریں یا پھر شاہ صاحب سے عقیدت کو ختم کریں۔ ان دونوں چیزوں کا معاً چلنا "ہمکرے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن" کے مترادف ہوگا۔ شاہ صاحب کی مصلحت آمیز حقیقت سے کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیئے۔

مرشد جیلانیؒ کے ارشادات حقانی

از مولانا محمد حنیف یزدانی
ضخامت - ۲۰۸ صفحات - سفید کاغذ۔ سہ رنگا ٹائیٹل
قیمت - ۱۸/-

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب یزدانی ایک اچھے خطیب اور ادیب بھی ہیں۔ انہیں سفید، خوبصورت اور شاندار اور جاندار کتابیں مرتب کرنے اور شائع کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اس سے قبل ان کی متعدد کتابیں منصۂ شہود پر آکر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ ان میں تحریک آزادئ فکر، زیارت قبور کا شرعی طریقہ، معیار الحق، اسلام کا نظام عفت و عصمت، مقالات مولانا داؤد غزنوی اور مکالمات نبوی ۲ خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ زیر نظر کتاب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلامی افکار عقائد و نظریات اور سوانح پر مشتمل ہے۔

جس طرح مسلمانوں کو حضرت مرشد جیلانی سے خاص عقیدت ہے، اسی طرح وہ لوگ ان کے ارشادات اور عقائد سے دور ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرشد جیلانی رحؒ نے اپنی پوری زندگی توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت اور شرک و بدعت کے انسداد میں گزار دی۔ مگر ستم یہ ہے کہ ان کے ماننے والے انہی مسائل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ مرشد جیلانیؒ اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا ایک عاجز بندہ ہی سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے توحید و سنت کے دامن کو تھامے رکھا اور اللہ تعالےٰ کی بندگی اور عبادات میں کسی غیر کو شامل نہ کیا۔ مگر افسوس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے آپ کی تعلیمات اور سیرت کے برعکس آپ کو اتنے اختیارات کا مالک بنا دیا جو سراسر غلو اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کی اشاعت عام کی جائے اور عام لوگوں تک اسے پہنچایا جائے تاکہ لوگ حضرت جیلانی کی تعلیمات سے روشناس ہو سکیں اور ان کے بارے میں جو غلط نظریات قائم کر رکھے ہیں ان کی اصلاح ہو جائے۔ اور لوگوں نے ان کی نسبت سے جو طرح طرح کی بدعات رائج کر رکھی ہیں ان کا استیصال ہو۔ (ہفت روزہ الاسلام لاہور - ۱۲ر جولائی ۱۹۸۵ء)

مسئلہ

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کبیرا واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا
شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ
ارسلہٗ بالحق بشیرا ونذیرا وصلی اللہ علیہ
وسلم وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۰

اما بعد

کچھ عرصہ ہوا، ایک موحد عالم نے ملتان میں توحید کے موضوع پر تقریر فرمائی - جو عوام اور خواص میں پسند کی گئی - مگر ان کے حلقے کے بعض حضرات نے عقیدۂ توحید میں استواری کے باوجود اس تقریر کے بعض حصوں پر اعتراض اور اسے ناپسند کیا اور کوشش کی گئی کہ تقریر کے اثرات کو کم یا زائل کیا جائے۔

مقرر نے توحید کے موضوع پر بیان فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا ذکر فرمایا اور جو لوگ آپؐ کو اپنی طرح زندہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ــــ "دنیوی زندگی" ہو تو صحابہؓ نے آپ کو زندہ سمجھتے ہوئے کیسے دفن کیا۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرح زندہ سمجھیں اور زمین میں دفن کئے رکھیں (یہ مفہوم ہے ممکن ہے الفاظ میں فرق ہو)

چونکہ مخالفت بااثر اور اہل علم حضرات کی طرف سے تھی اور یہ حضرات بھی دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اس کا اثر پاکستان میں

دوسرے مقامات پر بھی ہوا، اور کوشش ہوئی کہ اس قسم کے صاف گو مبلغین کا مقاطعہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا اثر ہندوستان تک بھی پہنچا۔ چنانچہ ماھنامہ "دارالعلوم" دیوبند میں ایک مضمون مولانا زاھد الحسینی کے قلم سے اور ایک تعارفی نوٹ مولانا سید محمد انظر صاحب کے قلم سے شائع ہوا مگر دونوں مضامین میں کوئی جدت نہیں۔ حیات انبیاء کے متعلق وہی بریلوی نقطۂ نظر ہے جسے پھیلا دیا گیا ہے، دلائل کا انداز بھی جو عموماً بریلوی حضرات کی تحریرات میں ہوتا ہے دہرا دیا گیا ہے۔ اسقدر فرق کے ساتھ کہ نفس مسئلہ کی تفصیل ہے ذاتیات میں الجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اہلِ علم سے یہی امید ہونی چاہیئے۔

دلائل میں کوئی خوبی ہو یا نہ ہو لیکن مضمون کے ڈانڈے پاکستان سے ملتے ہیں پھر اس کی اشاعت دیوبندی مکتب فکر کی مرکزی درسگاہ کے مجلہ میں ہوئی ہے۔ مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے دانشمندوں نے مقامی مصالح کی بنا پر مرکزی اکابر کو استعمال فرمایا ہے اور وہ حضرات بلا تحقیق وتبیین استعمال ہو گئے ہیں۔ اس اختلاف سے بریلوی مکتب فکر جو فائدہ اٹھا رہا ہے اس کی اصلاح کیلئے مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔

راقم الحروف، مولانا محمد انظر اور مولانا زاھد الحسینی سے ذاتی طور پر ناآشنا ہے اس لئے اس جسارت پر معافی چاہتا ہے مجھے یقین ہے کہ بحث مسئلہ کی حد سے تجاوز نہیں کرے گی۔

وما توفیقی الا باللہ

پاکستان کی تشکیل کے بعد بریلویت نے جس طرح انگڑائیاں لینا شروع کی ہیں اور قادیانیت اور رفض کو جسطرح فروغ ہو رہا ہے۔ اس کے اثرات اور اہلِ توحید مبلغین کی مشکلات میں جسقدر اضافہ ہو رہا ہے اور ان میں دن بدن ترقی کی جو رفتار ہے اسے شاید ہندوستان کے اکابر نہ سمجھ سکیں۔

پاکستان کے دیوبندی اکابرین جن مصالح اور مقتضیات وقت میں روز بروز گرفتار ہو رہے ہیں۔ "پیری مریدی" کے جراثیم جس عجلت سے یہاں اثر انداز ہو رہے ہیں اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس پورے ماحول سے آشنا ہیں۔ احسان ہوتا اگر دور کے حضرات اس میں مداخلت نہ فرماتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ حکومت پاکستان کے مزاج اور یہاں کے اہلِ ہوا کے مزاج میں جسقدر توافق کارفرما ہے۔ اس کا علاج مصلحت اندیشیوں سے نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مدارس کی سندیں اس عوامی فتنہ کا مداوا ہو سکیں گی۔ یہ طویل سفر طے ہوتے تک ممکن ہے۔ مریض زندگی کی آخری گھڑیاں شمار کرنے لگے ع

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اس مسئلہ کو جو صورت دی جا رہی ہے چونکہ اس سے بہت سی شرکیہ بدعات کے دروازے کھل جاتے ہیں اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر اس اصلاحی تحریک پر اجمالی نظر ڈال لی جائے جو ان بدعات کا قلع قمع کرنے کے لیے وجود میں آئی تھی کیونکہ اس سے مسئلہ کا پس منظر سمجھنے میں مدد مل سکے گی، گو اس طرح قدرے طوالت ضرور ہو گئی ہے۔

اصلاحی تحریکات کا مدّ و جزر

گیارھویں صدی ہجری کے آغاز سے ______

بارھویں صدی تک طاغوتی طاقتیں گو کافی مضبوط تھیں مگر خدا تعالےٰ کی رحمت کی تابانیاں بھی نصف النہار پر رہیں۔ اس اثنا میں اللہ تعالےٰ نے مصلحین کی ایک باوقار جماعت کو حوصلہ دیا اور کام کا موقعہ مہیا فرمایا۔ مصلحین کے پر شکوہ اور فعال گروہ اطراف عالم میں نمودار ہوئے۔ فتح و شکست کے اثرات — اور نتائج گو مختلف ہیں لیکن مقام شکر ہے کہ ان حضرات کی صبر و عزیمت نے دنیا میں گہرے نقوش اور نہ مٹنے والے آثار آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں وہ خدا تعالےٰ کا احسان ہے وفی ذالك فليتنافس المتنافسون نجد میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور سعودی خاندان، ایران، افغانستان، مصر اور شام میں جمال الدین افغانی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ۔

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان اور تلامذہ۔ ان تمام مصلحین نے اپنے ماحول کے مطابق اپنے حلقوں میں کام کیا اور اپنی مساعی کے مطابق اللہ تعالےٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ محمد بن عبدالوہابؒ علمی اور سیاسی طور پر کامیاب ہوئے۔ جمال الدین افغانی رح نے ایسے کامیاب قابل اور مخلص دماغوں کو تربیت دی۔ جن کی وجہ سے مصر و شام علم و اصلاح کا گہوارہ قرار پایا اور ان کے فیوض نے ذہنوں کی کایا پلٹ دی۔ ان حضرات کی کوششوں نے یورپ کے مادی منصوبوں کے سامنے ایسی دیواریں کھڑی کر دیں جن کو عبور کرنا ابلیسی طاقتوں کے لئے آسان نہیں۔

مصر و شام کی آزادی اور دینی تحریکات میں ان مساعی کو بڑا دخل ہے

جن کا آغاز مجدد وقت شیخ جمال الدین افغانی اور سید عبدہٗ نے فرمایا — اور اس کی تکمیل میں سید رشید رضا، علامہ مراغی، سعد زاغلول، امیر شکیب ارسلان ایسے بیدار مغز لوگوں نے شب و روز محنت فرمائی اور کافی حد تک ان کو کامیابی ہوئی۔

ہندوستان کی تحریکِ جدید

ہندوستان کی تحریک احیاء تجدید جس کی ابتداء حضرت سید احمد سرہندی نے فرمائی اور اس کی تکمیل شاہ اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے فرمائی۔ ابتدا میں علمی اور اصلاحی تھی۔ علماء سوء اور انگریز کے منحوس وفاق نے اسے مجبوراً سیاست میں دھکیل دیا۔ سکھوں کی حماقت نے اتقیاء کی اس جماعت کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ کی آگ میں کود یں اور اپنی قیمتی زندگیاں حق کی راہ میں قربان کر دیں۔ پھر گمراہ کن فتووں کی سیاہی نے ملت کے چہرے کو اس قدر بدنما کر دیا تھا کہ اسے دھونے کے لئے شہادت کے خون کے علاوہ پانی کے تمام ذخیرے بیکار ہو چکے تھے۔ وہابیت کی تہمت مستعار نے ذہن ماؤف کر دیئے تھے۔ الحاد کا گرد اُن پر اس قدر جم چکا تھا کہ اسے صاف کرنے کے لئے صرف شہدا کا خون ہی کار آمد ہو سکتا تھا۔

چنانچہ مئی ۱۸۳۱ء کی صبح کو یہ مقدس جماعت انتہائی کوشش اور ممکن تیاری کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں اتری اور دوپہر سے پہلے صداقت کے مٹنے والے نشان دنیا کی پیشانی پر ثبت کرنے کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

تحریک کا مزاج

پیشِ نظر مسئلہ کے متعلق بحث و نظر سے پہلے ضرور ہے کہ اس تحریک کے مزاج کو سمجھ لیا جائے۔ حضرت

مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ ولی اللہ کے ابنار کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عموماً حنفی فقہ کے پابند تھے۔ لیکن ذہنی طور پر تین مقاصد کی تکمیل ان کا مطمح نظر تھا۔

۱۔ تصوف کے غلو آمیز مزاج میں اعتدال۔

۲۔ فقہی اور اعتقادی جمود کی اصلاح اور اشعریت اور ماتریدیت کے ساتھ فقہ العراق نے تحقیق و استنباط کی راہ میں جو مشکلات پیدا کی تھیں، انھیں دُور کیا جائے اور نظر و فکر کی روانی میں جمود و سکون سے جو رکاوٹ نمایاں ہو چکی تھی اسے یک سر اٹھا دیا جائے۔ قرآن و سنت اور ائمہ سلف کے معیار پر نظر و فکر کو آزادی بخشی جائے۔

۳۔ بے عملی اور بدعملی نے چند بدعات کو جو سنت کا نعم البدل تصور کر لیا گیا تھا اور بت پرست قوموں کے پڑوس اور مغل بادشاہوں کی عیاشیوں نے ان بدعات کو نجات کا آخری سہارا قرار دے لیا تھا۔ اس ساری صورتِ حال کو بدل کر اس کی جگہ سادے اسلام کو دے دی جائے "ترکتکم علی ملۃ بیضاء لیلھا کنھارھا"۔ میں آپ کو اس کی تفصیل میں نہیں لے جاؤں گا نہ ہی اپنی تائید میں ان کی تصانیف سے اقتباسات پیش کر کے آپ کا وقت ضائع کروں گا۔ صرف چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت مجددؒ نے مکتوبات میں بدعات کے خلاف کس قدر کڑی تنقید فرمائی ہے۔ بدعت کی حفاظت کے لیے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم اہلِ بدعت کو قلعہ کا کام دے رہی تھی اور عز بن عبد السلام نے جب سے اس تقسیم کی نشاندہی کی تھی اس کے بعد سے ہندوستان میں حضرت مجددؒ ہی تھے جنھوں نے یہ قلعہ پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

سجدۂ تعظیم کے خلاف گوالیار کے قلعہ میں تین سال قید گوارا فرمائی لیکن سجدۂ تعظیم کی گندگی سے اپنی مقدس پیشانی کو آلودہ نہیں فرمایا۔ فقہی مسائل میں حضرت کے کچھ اختیارات تھے۔ دوسرے علماء کی مخالفت کے باوجود متأخرین اور متقدمین کی راہ پر رجمًا بالغیب چلنے سے حضرت مجددؒ نے انکار فرمایا۔

اس کی زندہ شہادت حضرت کے مایۂ ناز شاگرد مرزا مظہر جان جاناں موجود ہیں جنہوں نے فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین عند الرکوع، وضع الیدین علے الصدر ایسے مشہور مسائل میں فقہائے محدثین کی راہ اختیار فرمائی۔ اور فقہ العراق کے ساتھ کلی تعاون سے اِنکار فرما دیا (ابجد العلوم ص۹۰ جلد ۳ محبوب العارفین ص۷۶)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرمایا۔ ان کی تصانیف ارشاد الطالبین اور تفسیر مظہری شاہد ہیں کہ حنفی ہونے کے باوجود، بدعات اور عبادِ قبور کے خلاف ان کا لہجہ کس قدر تلخ ہے اور بدعی رسوم سے انہیں کسقدر نفرت!

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ، البلاغ المبین، مصفیٰ اور مسوّیٰ انصاف، عقد الجید اور تحفۃ الموحدین میں فقہی جمود، بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ایسی حکیمانہ روش اختیار فرمائی جس سے حقیقت بہت حد تک واضح ہوگئی اُصول فقہ کی بعض مسلمات پر ایسی میٹھی تنقید فرمائی جس سے ذہین طبائع کو جراَت پیدا ہو۔

ازالۃ الخفا میں بدعت تشیع کو اس قدر عریاں فرمایا کہ ذہین اور دانشمند طبائع کو محبت اہل بیت کے عنوان سے دھوکہ دینے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔

ان مختصر ارشادات سے اس تحریک اصلاح اور اقامتِ دین کا مزاج آپ کو سمجھنا مشکل نہیں۔

دیوبندی اور اہلحدیث

یہ دونوں مکتب فکری طور پر اسی تحریک کے ترجمان ہیں یا کم از کم مدعی ہیں کہ ہم اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل گرامی قدر ارشاد سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا مزاج کیا ہے۔

"وصیّت اول این فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن اگر طاقت خواندن نہ دارد۔ ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن، در عقاید مذہب قدماء اہلسنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردہ اند۔ اعراض نمودن و بتشکیکات معقولیان خام التفات نہ کردن و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن و دائماً تفریعات فقہیہ را برکتاب کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد درحیز قبول آوردن والاّ کالائے بدیرش خاوند دادن۔ امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات برکتاب وسنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشقہ فقہار کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن وبدیشان التفات نہ کردن و قربت خدا جستن بدوری اینان" اھ (تفہیمات جلد ۲ صنہ ۲۴۰)

فقیر کی پہلی وصیّت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب و سُنت

کی پابندی کی جائے اور ان دونوں سے شغل رکھے اور پڑھے اگر پڑھ نہ سکے تو ایک ورق کا ترجمہ سُنے۔ عقائد کے متقدمین اہل سنت کی پیروی کرے۔ سلف نے جن چیزوں کی تفتیش نہیں کی۔ ان کی تفتیش نہ کرے اور خام کار فلاسفر کی پرواہ نہ کرے۔ فروع میں آئمہ حدیث کی پیروی کرے جن کی فقہ اور حدیث دونوں پر نظر نہ ہو۔ فقہ کے فروعی مسائل کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرتا رہے جو موافق ہوں ان کو قبول کرے باقی کو رد کر دے اُمت کو اپنے اجتہادی مسائل کتاب وسنت پر پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں متقشف فقہار کی بات قطعاً نہ سنے۔ جن لوگوں نے اہل علم کی تقلید کرکے کتاب وسنت کو ترک کر دیا ہے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیے۔ ان سے دُور رہ کر خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کرے۔"

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

نسبتہائے صوفیہ غنیمت کبرائے است و رسوم ایشاں بہیچ نے ارزد ایں سخن بر بسیارے گراں خواہد بود۔ اما مرا کارے فرمودہ اند و برحسب آں باید گفت و برگفتۂ زید و عمر تعرض نے باید کرد۔" (صـ۲۴۲ جلد۲ تفہیمات)

"صوفیوں سے نسبت غنیمت ہے لیکن ان کی رسوم بالکل بیکار ہیں یہ بات اکثر لوگوں کو ناگوار ہوگی مگر مجھے جو فرمایا گیا ہے وہی کہنا ہے زید عمر کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں"۔ اھ

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

نحن لا نرضی بھؤلاء الذین یبایعون الناس لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً او لیشتربوا اعراض الدنیا بتعلم علم اذ لا تحصل

الدنيا الا بالتشبيه باهل الهداية ولا بالذين يدعون الى انفسهم ويامرون بحب انفسهم هؤلاء قطاع الطريق دجالون كذابون مفتونون فتانون اياكم و اياهم ولا تتبعوا الا من دعا الى كتاب الله وسنة رسوله الخ (تفہیمات ج ۱ صـ۲۱۴)

"مجھے قطعاً یہ لوگ پسند نہیں جو دنیا کمانے کے لئے بیعت کرتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ مجھے پسند ہیں جو دنیوی اغراض کے لئے علم حاصل کرتے ہیں کیونکہ دنیا حاصل کرنے کے لئے نیکوں کے ساتھ تشبیہ ضروری سمجھتے ہیں۔ نہ ہی وہ لوگ مجھے پسند ہیں جو لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں۔ یہ لوگ ڈاکو اور دجال ہیں۔ خود فتنے میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو اس میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کا اتباع کرنا چاہیئے جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دیں۔"

ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ریاکارانہ تصوف اور دنیا کمانے کے لئے بیعت کے سلسلوں کو قطعاً پسند نہیں فرماتے بلکہ ایسے لوگوں کو دجال، ڈاکو اور فتنہ انگیز سمجھتے ہیں۔ آج کے خانقاہی نظام اور پیر پرستی کے اداروں کی شاہ صاحب کی نظر میں کیا آبرو ہو سکتی ہے۔ وہ سرے سے پیر پرستی کی دعوت ہی کو ناپسند فرماتے ہیں۔

مروجہ فقہی مسالک اور ان پر جمود کے متعلق شاہ صاحب کی مزید وضاحت

رب انسان منکم يبلغه حديث من احاديث نبيكم فلا يعمل به ويقول انما عملي على مذهب فلان لا على الحديث ثم احتال بان فهم الحديث والقضاء به من شان الكمل المهرة وان الائمة لم يكونوا ممن يخفى عليهم هذا الحديث فما

تزکوا الا لوجه ظهر لهم فی الدین من نسخ او مرجوحیة" الخ

(تفہیمات ص ۲۱۴-۲۱۵ ج ۱)

"بہت سے لوگوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حدیث معلوم ہوجاتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ فلاں شخص کے مذہب پر میرا عمل ہے۔ حدیث سمجھنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ امام اس حدیث سے بے خبر نہیں تھے۔ یہ حدیث منسوخ ہوگی یا مرجوح یہ قطعاً دیانت نہیں۔ اگر پیغمبر پر ایمان ہے تو اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ مذہب اس کے مخالف ہو یا موافق۔ خدا تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ کتاب وسنت کے ساتھ تعلق رکھا جائے۔"

فقہی فروع میں مسلکی جمود شاہ صاحب کو سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح وہ ظاہریت محض (امام داؤد ظاہری کا مسلک) کو بھی ناپسند فرماتے اور لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کی صحت ائمہ حدیث کی شہادت سے ثابت ہو اور اہل علم نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور اس پر صرف اس لئے عمل نہ کیا جائے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا یہ ضلال بعید ہے۔ (ص ۲۰۹ ج ۱ - ص ۲۱۱ ج ۱)

اس قسم کی تصریحات شاہ صاحب کی باقی تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ میں نے یہ طویل سمع خراشی اس لئے کی ہے کہ اس پاکیزہ تحریک کا مزاج معلوم ہوجائے تاکہ اس کے دو صدی کے اثرات کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔

ان مقاصد کے خلاف ان بزرگوں کی تصانیف میں اگر کوئی حوالہ ملے تو اس کا ایسا مطلب نہ لیا جائے جو مقاصد تحریک کے خلاف ہو بلکہ وقتی مصالح پر محمول کیا جائے کیونکہ ان بزرگوں نے جن سنگلاخ حالات میں کام کیا ہے ان کے مصالح اور ان کے مقتضیات بدلتے رہتے ہیں۔ جن مشکلات میں ان حضرات کو کام کرنا

پڑا۔ ان مشکلات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ شکر اللہ مساعیہم ۔

شاہ صاحبؒ کا مقام

اس تحریک میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا برزخ ہیں کہ حضرت مجدد اور ان کے ارشد تلامذہ کی علمی مساعی سے شاہ صاحب نے پورا پورا اثر لیا اور شاہ صاحب نے اپنے ابناء و احفاد اور تلامذہ کو ان برکات سے علمی اور عملی استفادہ کا موقع دیا ہے ۔ اس لئے میں نے شاہ صاحب کے ارشاد کو کسی قدر تفصیل سے عرض کرنا مناسب سمجھا ۔

مسئلہ حیات النبی

نیز متنازعہ فیہ مسئلہ میں مجلہ "دار العلوم" کے مضمون نگار حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں حیاتِ دنیوی کی صراحت شیخ عبد الحق صاحب کے بعد صرف اکابر دیوبند ہی نے فرمائی ہے ۔ ہاں شاہ عبد الحق سے پہلے حافظ بیہقیؒ اور سیوطیؒ نے اس موضوع پر مستقل رسائل لکھے ۔ مگر افسوس موضوع صاف نہیں فرما سکے ایسا معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے اس قسم کا ذخیرہ جمع فرمایا ہے جس کے متعلق اُنکے ذہن بھی صاف نہیں کہ وہ حیات ثابت فرمانا چاہتے ہیں لیکن اس کی نوع متعین نہیں فرماتے ۔

حافظ سیوطیؒ کے رسالہ میں سبکی کے سوا حیاتِ دنیوی کا کسی نے ذکر نہیں کیا بلکہ حافظ سیوطیؒ کا رجحان بعض مواقع میں حیاتِ برزخی کی طرف معلوم ہوتا ہے حافظ سیوطی انتہائی کوشش کے باوجود آیت انك میت و انهم میتون (زمر) اور حدیث فیرد اللہ علی روحی ۔ اور حدیث الانبیا احیاء فی قبورھم یصلون میں تعارض نہیں اٹھا سکے بلکہ حافظ سیوطی نے تو حاطب لیل کی طرح ایک غیر موثق

ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ جس سے حضرات قبوریین کو مدد ملے گی اور سادہ دل اہلِ توحید کے دل شبہات سے لبریز ہوں گے۔

قریباً یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے۔ فحول اہلحدیث اور ماہرین رجال کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن عوام کے لئے یہ مورد مزلۂ اقدام ہے۔

تصفیہ کی صورت

اس لئے تصفیہ کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ تحریک کے مزاج کی روشنی میں شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے اور اس خاندان کے عقیدت مند مسئلہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر اکابر ہی کی اقتداء اور تقلید سے اس مسئلہ کو سمجھنا ہے — کتاب وسنت اور بحث استدلال سے صرف نظر ہی کا فیصلہ فرما لیا گیا ہے تو پھر اکابر کے اکابر اور بانیان تحریک کے نظریات سے کیوں استفادہ نہ کیا جائے مولانا حسین احمد مرحوم اور حضرت مولانا نانوتوی مرحوم کی رائے فیصلہ کن ہے۔ تو بانیانِ تحریک اور تحریک کے مدارج کو حکم کیوں نہ مان لیا جائے۔

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شاہ محمد اسماعیل کی شہادت اور عبقریت نے پوری تحریک کو نظریات اور تصورات کی دنیا سے عمل کے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اشارات اور تعریضات کو تصریحات سے بدلا۔ جو کچھ کتابوں کے اوراق کی زینت تھا اسے بالاکوٹ کے میدان میں علی راس التمام رکھ دیا گیا۔ سکھوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا کہ حق وصداقت، ایثار و قربانی کے جوہر، مناظرات اور مکالمات ہی سے ظاہر نہیں ہوتے۔ ان کے ظہور کا بہت بڑا ذریعہ تلوار اور میدان جنگ ہی ہے۔ قلم کی دو زبانوں اور دوات کی روشنی سے جو کچھ کیا جا سکتا تھا اس سے کہیں زیادہ قوت گویائی خون کے چھینٹوں

ہیں ہے۔ اس لئے گل رنگ قطرات ہزاروں زبانوں پر تالے ڈال سکتے ہیں۔ اور وہ برسوں گنگ ہو سکتی ہیں اور سینکڑوں دلوں سے تالے اتار کر انہیں فہم و فراست عطا کی جا سکتی ہے لیکن یہ کام اصحاب التدریس — اور ارباب التصانیف کا نہیں۔ یہ وہ لوگ کریں گے جو کاغذ اور دوات قلم اور روشنائی کے علاوہ سیف و سنان سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ انہیں آلات حرب سے گہرا تعارف ہو ؂

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت شہیدؒ نے تحریک کے مقاصد کی اشاعت کے لئے شہادت سے پہلے تقویۃ الایمان لکھی اور ساتھیوں کے مشورہ کے بعد اسے شائع فرمایا۔ تذکیر الاخوان کا مسودہ لکھا۔ معترضین کے جوابات لکھے اور یہ سب کچھ تحریک کی تائید اور اس کے مقاصد کی روشنی میں تھا۔ آج اگر اکابر دیوبند اور علماء اہلحدیث کوئی ایسی چیزیں فرمائیں جو تحریک کے مزاج سے متصادم ہوں تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

تیسرا ہنگامہ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک نے احیائے سنت اور تجدید از دین کی راہ میں جہاں عظیم الشان قربانیاں پیش کیں۔ وہاں ایک تحریک اس کے بالمقابل شروع ہوئی جس نے بدعات کے جواز میں دلائل کی تلاش کی اور عوام کی بدعملی کے لئے وجہ جواز پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بدعت ہر زمانہ میں رہی۔ حالات کے ماتحت اس کی مختلف صورتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ بدعت کا وجود کبھی منظم طور

پر موجود نہ رہا مغل حکومت میں بدعت عام تھی لیکن بظاہر غیر منظم اسے ترجمانی کے لئے علماء کی باقاعدہ خدمات میسر نہ آسکیں۔

مغل زوال کے بعد سکھ، مرہٹے، انگریز، اہلِ توحید سب نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ موحدین کے لشکر کی سیاسی شکست نے اہل بدعت پر سکتہ طاری کر دیا لیکن باطل نے اقتدار کی زمام سنبھال لی۔ ۱۸۵۷ء کے معرکہ حریت میں اسے محسوس ہوا کہ علماء کی خدمات کے بغیر اقتدار پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ جوئندہ یابندہ اسے کچھ "اہلِ علم" میسر آگئے۔ جن سے انگریز کا کام چل نکلا۔ تحریک توحید کی سرپرستی رائے بریلی کے ایک فقیر نے فرمائی تھی ـــ شرک و بدعت کی سرپرستی بانس بریلی کے ایک خاندان کے حصے میں آئی۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے خاندان میں پڑھنے پڑھانے کا چرچا موجود تھا۔ سن رشد کو پہنچے بقول موصوف ان کے والد مولانا نقی علی خاں نے اپنے ہونہار فرزند کو ۱۲۸۶ھ میں مسندِ افتاء پر بٹھا دیا۔

خانصاحب نے مسند سنبھالتے ہی بدعت کی تائید اور شرک کی حمایت شروع فرمائی۔

شرک کو مدلل اور اہلِ بدعت کو منظم کرنے کے لئے موصوف نے اپنے اوقاتِ عزیز وقف فرما دیئے۔ کوشش فرمائی کہ عوام میں جس قدر بدعملی اور بدعتی رسوم موجود ہیں، ان سب کو سندِ جواز عطا فرمائی جائے۔ عوام کو معاصی پر جرأت دلائی جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر بدعت جائز قرار پا جائے۔

خاں صاحب کی چھوٹی موٹی تصانیف کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد فی سبیل اللہ فساد کے سوا کچھ نہیں۔ ان تصانیف میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے مسلمانوں کی دینی معاشی یا سیاسی زندگی میں تبدیلی نمایاں ہو سکے۔ خانصاحب نے مدۃ العمر کسی سیاسی یا علمی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ ہزاروں مسلمان جناب کے علم اور قلم کے زور سے کافر قرار پائے اور ان ساری کوششوں میں انگریز کا دستِ شفقت خاں صاحب کو سہارا دیتا رہا۔

مخالف توحید تحریک کی ناکامی

حقیقت یہ ہے کہ رضاخوانی تحریک کا براہ راست مقابلہ کتاب و سنت سے اور اس کی جنگ مجاہدین اسلام اور شہدائے حق سے تھی۔ ان کی تکفیر کا نشانہ شہدائے بالاکوٹ تھے۔ ان لوگوں کا خوشگوار مشغلہ صرف تقویۃ الایمان نصیحۃ المسلمین، راہ سنت اور کتاب التوحید ایسی مدلل کتابوں بلکہ قرآن عزیز کے بھی بعض بنیادی حصص کی تردید کرنا ہی رہ گیا تھا — اور ان کے مدمقابل جو لوگ تھے وہ تھے اکابر اولیاء اللہ وہ جنھوں نے کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور مسلمانوں میں احیائے جہاد میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔ ظاہر ہے ان مقدس ہستیوں کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں مل سکتی تھی — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب (مشکوٰۃ)

یعنی جو شخص میرے اولیا سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔

چنانچہ یہ تحریک حق تعالیٰ کے غضب کی گرفت میں آگئی۔ جس کے نتیجے

ہیں ان میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہوگئیں جن کے ہوتے ہوئے ان حضرات کی کامیابی ناممکن ہے۔

وہ خصوصیات مختصراً ذیل میں معروض ہیں :

۱- اہلِ حق اور اتقیا سے بغض ۲- زبان درازی و بدزبانی

۳- مسلمانوں کی تکفیر

۴- بے ضرورت اور بے مقصد مسائل پر زور۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اب بھی دنیوی زندگی حاصل ہے وغیرہ۔

۵- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر موجود ہیں۔

۶- اللہ تعالےٰ نے اپنے تمام اختیارات اور خصائص اپنے بندوں کو دے دیئے ہیں یعنی تمام اولیاء — معاذ اللہ — عطائی و وہبی خدا ہیں۔

۷- قریباً تمام سیاسی لیڈر اور تمام سیاسی جماعتیں کافر و مرتد ہیں۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ ملفوظات تجانب اہل السنۃ وغیرہ و دیگر "ارشادات" بریلویہ)

واقعات شاہد ہیں کہ یہ لوگ بالکل باطنی فرقہ کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہیں۔ اور توحید وسنت کی ترقی سے کچھ بوکھلا سے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بالکل یاس کی حالت طاری ہوگئی ہے اور مولانا محمد اسماعیل شہید قدس اللہ روحہٗ جیسی ہستی کی بے ادبی کرنے کی سزا ان کو یہ ملی ہے کہ ان کے بزرگوں سے علم سلب کرلیا گیا ہے۔ سمجھدار اور علماء حضرات ان میں کم ہو رہے ہیں۔ جہلائے کے ساتھ ربط، عوام کی شورش و شرارت پسندی کے سوا دنیا میں ان کا کوئی سہارا نہیں اہلِ توحید کی مساجد پر قبضے۔ شرفاء پر قاتلانہ حملے۔ خانقاہوں کے مجاوروں کی سفارشوں اور رشوتوں سے مقدمات جیتنا ان حضرات کا پاکستان میں عمومی مشغلہ

ہے۔ مگر مشترکہ امور میں عوام سے اشتراک، دوسری سٹیجوں سے اور معقولیت سے گفتگو کرنے افہام وتفہیم اور نزاعی امور میں اصلاح سے عموماً اس جماعت کے اکابر پرہیز کرتے ہیں۔ احساس کہتری اور لامساس کے مرض میں عموماً یہ لوگ مبتلا ہیں اللہ تعالےٰ ہم سب کو اصلاحِ ذات البین کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ مختلف الخیال جماعتیں مل کر اپنے تنازعات کا منصفانہ فیصلہ کر سکیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باطنی فرقہ کی طرح یہ حضرات فسادات کو سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں۔

محلِ نزاع

اس موضوع پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں محل نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ امام بیہقی نے ائمہ حدیث کی طرح اس موضوع کے متعلق مواد جمع فرمایا ہے۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح اور حیات الانبیاء سے استفادہ بھی فرمایا ہے اور بعض احادیث کی توجیہات بھی کی ہیں۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح سے تو استفادہ فرمایا ہے لیکن معلوم نہیں قصیدہ نونیہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن القیمؒ نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے۔

اہلحدیث اور فقہا

اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر، اصحاب الرائے واہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات تسبیح وتہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسب حال اور حسب ضرورت دیا جاتا ہے۔ شہداء کے متعلق حیات کی وضاحت قرآن عزیز میں موجود ہے۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنّت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادت وغیرہ کا ذکر آتا ہے ——

پاکستان میں جو لوگ توحید کا وعظ کہتے ہیں۔ وہ عقائد کی اصلاح کے سلسلے میں مہینوں مسلسل سفر کرتے ہیں۔ انبیاء اور شہداء کی برزخی زندگی اور اس زندگی میں مراتب کے تفاوت ان لوگوں کا عقیدہ بالکل درست ہے۔

جو شخص قبر میں عذاب یا ثواب کو احادیث نبویہ کی روشنی میں مانتا ہو۔ وہ ان صلحاء کے متعلق عدم محض و فقدان صرف کا قائل کیوں ہوگا۔ ہاں مراتب کا فرق یقینی ہے۔ انبیاء کا مقام یقیناً شہدا سے اعلیٰ و ارفع ہونا چاہیے۔ بحث اس میں ہے کہ آیا یہ زندگی دنیوی زندگی ہے؟ دنیوی زندگی کے لوازم اور تکالیف کا تقاضا ہے؟ یا شرعی تکلیف کا نتیجہ، جو لوگ دنیوی زندگی کے اس معنی سے قائل ہیں ان سے واقعی اختلاف اور آئندہ گذارشات میں مولانا انظر اور مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کی چھان پھٹک اسی زندگی کے پیش نظر کی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کی سلامتی اور مٹی سے غیر متاثر ہونا اس میں بھی اختلاف نہیں۔ غرض جو کچھ کتاب و سنت میں صراحۃً آیا اور صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں اس میں کوئی نزاع نہیں۔

حیات النبیؐ کے متعلق بریلوی عقیدہ

اس معاملہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قابل شکریہ ہیں انہوں نے موضوع کو وضاحت سے سامنے رکھا ہے۔ دلیل ہو یا نہ ہو لیکن انہوں نے فرمانے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی، فرماتے ہیں:

فانهم (الانبياء) صلوات الله تعالى وسلامه عليهم طيبون طاهرون احياء واموانا بل لا موت لهم الا آنيا تصديقا للوعد ثم هم احياء ابد الحيات حقيقة

دنیاویة روحانیة وجسمانیة کما ھو معتقد اھل السنة والجماعة (بریلویه) ولذا لا یورثون ویمتنع تزوج نساءھم صلوات اللہ تعالیٰ وسلامه علیھم بخلاف الشھداء الذین نص الکتاب العزیز انھم احیا و نھی ان یقال لھم اموات (فتاوی رضویہ جلد اول ص۶۱۰)

خاں صاحب فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کے لیے موت آتی ہے اس کے بعد روحانی اور جسمانی لحاظ سے ان کو حقیقی زندگی اور ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے (مگر جو اہلسنت ہیں ان کی کتابوں میں نہیں) اسی لئے ان کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں لیکن شہداء کی زندگی اسکے خلاف ہے ان کا ترکہ بھی تقسیم ہوتا ہے اور بیویاں بھی نکاح کر سکتی ہیں۔"

اور اس قسم کی صراحت خانصاحب نے فتاویٰ رضویہ ص۶۱۱ میں فرمائی ہے۔

دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی

مولانا حسین احمد صاحب مرحوم مکاتیب میں فرماتے ہیں:

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر" اھ (ص۱۳۰ ج۱)

سُنا ہے مولانا نانوتوی اور بعض اکابر دیوبند بھی اس قسم کی حیات کے قائل تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے بھی مدارج النبوۃ میں حیات دنیوی کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے سبکیؒ سے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں

لیکن عام فقہا اور محدثین احناف، شوافع، موالک، حنابلہ رحمہم اللہ سے اس قسم کی صراحت منقول نہیں ہوئی۔ حضرات دیوبند سے بھی حضرت مولانا حسین علی مرحوم (واں بھچراں) اور ان کے تلامذہ مولوی نصیر الدین صاحب وغیرہ بھی صراحۃً اس کے خلاف ہیں:

غور و فکر کے لئے چند گذارشات

(۱) یہ ایسا خیال ہے کہ امت میں گنتی کے دس آدمی بھی نہیں جو اسکی صراحت کرتے ہوں اور اسے اجماعی عقیدہ کہنا اہل علم کے لئے مناسب نہیں۔

(۲) اسے متواتر کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ تواتر کی کوئی شرط بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ کم از کم تواتر میں حواس کا ادراک لازمی ہونا چاہیئے۔ قرآن جس زندگی کو خارج از شعور فرما رہا ہے۔ وہاں حواس اور اس کے استعمال اور ادراک کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔

(۳) جس اصلاحی تحریک کے ساتھ تعلق کی بنا پر آپ حضرات کو وہابیت کا سرخاب لگایا گیا۔ اس کے مزاج میں تو سماع موتیٰ کی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی حیات دنیوی اس میں کہاں سجے گی۔ مرحوم مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) اور پوری جماعت اہلحدیث نے کتاب وسنت اور اس مقدس تحریک کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ان "الہامی" اوہام کا انکار کر دیا ہے ؎

وکنا دلیلی فی صعود من الطوی　　فلما توافینا ثلث وذلت

(۴) خان صاحب بریلوی اور مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کی حیات کو شہداء کی منصوصی حیات سے ممتاز فرمایا ہے کہ انبیاء کی حیات اقوی ہے مگر اس طرح شہداء کو مقیس علیہ قرار دے کر انبیاء کی حیات کو ثابت کرنا درست نہ ہو گا۔ اقوی کو اضعف پر قیاس کرنا اصول کی تصریحات

کے خلاف ہے۔

(۵) انبیاء کے ترکہ کی تقسیم اور نکاح ازواج کی حرمت کی علت اگر واقعی دنیوی زندگی ہے تو اس کا حکم شہداء کی ازدواج اور ترکہ کے متعلق بھی وہی ہونا چاہیئے۔ خاں صاحب اور مولانا نے اس میں خلاف کی صراحت فرمائی ہے اس لئے حیات انبیاء کے لئے سورہ بقرہ اور آلعمران کی آیات کو اساسی نہیں قرار دینا چاہیئے۔

(۶) ایسے اوہام کو عقیدہ کہنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کتب عقائد (شرح عقائد نسفی، عقیدہ طحاویہ، شرح العقیدۃ الاصفہانیہ۔ عقیدۂ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محلِ نظر ہے۔ عقیدہ کے لئے حسب تصریح متکلمین اور اشاعرہ و ماتریدیہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ حیاتِ انبیاء کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیحہ سے بھی فروتر ہیں۔ کما لا یخفی علی من لہ نظر فی فن الرجال۔

(۷) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت بعض امہات المومنین کی عمر بہت کم تھی۔ خان صاحب بریلوی نے اہل اللہ کی حیاتِ دنیوی کے ساتھ شب باشی کا راستہ بھی کھول دیا (ملفوظات جلد ۳ صـ۲۶) لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اکابر دیوبند صرف زندگی کے قائل ہیں اور خیال فرماتے ہیں کہ عقلاً زندگانی کافی ہے۔ حالانکہ حقوق زوجیت کے لئے صرف حیات کافی نہیں کیا اِس قسم کے بھونڈے استدلال سے پرہیز ہی زیادہ مناسب نہ تھا۔

(۸) موت کی پوری حقیقت تو معلوم نہیں بظاہر فوت جسم اور روح کے

انفصال کا نام ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس پر شریعت نے عدت اور تقسیم ترکہ کے احکام مرتب فرمائے ہیں۔ اہلِ سنت موت کے بعد جسم اور روح کے غیر شعوری تعلق کو مانتے ہیں۔ عدم محض اور کلی فقدان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے مولانا محمد زاھد صاحب کے ارشادات کا آخری حصہ بالکل بے ضرورت ہے۔ پاکستان کے اہلِ توحید انبیار علیہم السلام کے متعلق موت کی کسی نئی قسم کے قائل نہیں۔

(۹) دنیوی زندگی ماننے سے کوئی عقلی مشکل تو قطعاً حل نہیں ہوگی البتہ بیسیوں مشکلات اور سامنے آجائیں گی۔ جن کا حل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

عقلمند آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ نبی کو دیوار کی اوٹ میں چھپانے میں کیا حکمت ہے اور اس سے کیا حاصل؟ آنحضرت علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت ابوبکر رضؓ نے مسندِ خلافت پر کیسے تشریف رکھی؟ حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں طلب کیا — کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ والد کی زندگی میں یہ مطالبہ درست ہی نہیں؟ حضرت ابوبکر رضؓ نے حدیث نحن معاشر الانبیاء فرما کران کو مطمئن فرمایا۔ یہ کیوں نہ فرمایا کہ مطالبہ قبل از وقت ہے۔ فتنۂ ارتداد اور بعض دوسرے مصائب میں نہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ نہ آنحضرتؐ نے کوئی مفید مشورہ دیا۔ حالانکہ زندگی میں بوقتِ ضرورت دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حافظ ابن القیم کیا خوب فرماتے ہیں:

لو کان حیاً فی الضریح حیاتہ	قبل الممات بغیر ما فرقان
ما کان تحت الارض بل من فو	فھا واللہ ھٰذا سنۃ الرحمان
اتراہ تحت الارض حیاً ثم لا	یفتیھم بشرائع الایمان

ویریح امة من الارآء وا — لخلف العظیم وسائر البهتان

ام کان حیا عاجزا عن نطقه — وعن الجواب لسائل لهفان

وعن الحراک فما الحیٰوة اللات قد

اثبتموها اوضحا ببیان

(قصیدہ نونیہ ص ۱۴۱ طبع مصر)

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیوی ہے تو زمین کے نیچے کی بجائے عادت کے مطابق زمین کے اوپر رہنا چاہیئے۔ آپ زمین کے نیچے زندہ ہوں اور فتوٰے نہ دیں۔ صحابہ کو اختلاف اور ان پر بہتان سے نہ بچائیں۔ اگر زندہ ہوتے تو سوال کا جواب دیتے نیز اگر حرکت کرنے سے عاجز ہیں تو پھر وہ زندگی نہ رہی جسے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں"۔

دنیوی زندگی ماننے کی صورت میں اس قسم کے سینکڑوں عقلی سوال آپ پر عائد ہوں گے اور اسلامی تاریخ ایک معمہ ہو کر رہ جائے گی۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت۔ حضرت حسنؓ کی صلح۔ مختار بن عبید ثقفی کی عیاریاں، حرہ کا فتنہ، مسیلمہ اور اسود کی نبوت، حجاج بن یوسف کے مظالم، عباسی انقلاب، سقوط بغداد، اور ترکوں کے مظالم۔ قادیانی نبوت ایسے حوادث، لیکن کہیں بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مداخلت فرمائیں۔ مسجد کے ایک خادم کی موت پر حضرت بے قرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائیں اور حضرت عمرؓ — اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کی شہادت پر تعزیت کے لئے بھی تشریف نہ لائیں۔ عقل مند اور ذہین لوگ آپ سے دریافت کریں گے کہ آخر یہ کیوں ہے؟ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تلخی بالکل برمحل ہے۔

یا قومنا استحیوا من العقلاء والمبعوث بالقرآن والرحمان

واللہ لا قدر الرسول عرفتم	کلا ولا للنفس والانسان
من کان هذا القدر مبلغ علمه	فلیستتر بالصمت والکتمان
ولقد ابان اللہ ان رسوله	میت کما قد جاء فی القرآن

(قصیدہ نونیہ ص۱۴۲)

"اے قوم! تمہیں خدائے ذوالجلال قرآن اور عقلمندوں سے شرم محسوس ہونی چاہیئے۔ نہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر کو پہچانا نہ انسانیت اور روح کی اقدار کو تم نے سمجھا۔ جس کا اسی قدر مبلغ علم ہو اسے خاموش ہو کر چپ رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد ہو چکی ہے"

انبیاء کی حیات دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے

ابن القیم کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حیات دنیوی اہل بدعت اور معطلہ کا مذہب ہے۔ قصیدہ نونیہ ص۱۴۰ ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں :

"ہماری یہ شہادت ہے کہ تم زمین پر قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے نہ آسمان پر خدا کو تم قابل اطاعت سمجھتے ہو اور نہ ہی تمہارے خیال میں آنحضرتؐ قبر میں مدفون ہیں"

اگر مولوی احمد رضا اس قسم کی بہکی باتیں کہیں تو تعجب نہیں، اہل توحید اور مدرسین حدیث سے اس قسم کے خیالات کا اظہار تعجب انگیز ہے۔

خ

کیا موت انبیاء کے لئے موجب توہین ہے؟

یہ سمجھ نہیں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کے حق میں ہم موت سے گھبراتے کیوں ہیں؟ موت کوئی بُری چیز نہیں۔ نطفہ سے شروع ہو کر قبض روح، طفولیت صبا، مراہقت، شباب، کہولت، شیخوخیت زندگی کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ عوارض ہیں۔ مگر انبیاء صلحاء اہل اللہ سب کو اس راہ سے گذرنا ہے۔ اس لیے کسی کے لئے ان میں سے کوئی منزل نہ تو خوشگوار ہے نہ موجب توہین ہے۔ زندگی بہرحال ان ہی منازل سے تعبیر ہے۔

قرآن عزیز نے فرمایا:

خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (ملک)

یعنی موت وحیات اسی دارالابتلاء کی منازل ہیں جن سے ہر انسان کو گذرنا ہے۔ دنیوی زندگی سے آخرت تک پہنچنے کے لئے موت ایک پُل ہے جسے سب کو عبور کرنا ہے۔ اس میں نہ تحقیر ہے نہ اہانت۔ اگر موت کوئی بری چیز ہے تو انبیاء اور صلحاء پر اسے ایک آن کے لئے بھی نہیں آنا چاہیئے اور اگر واقعی آخرت کے سفر کی یہ بھی ایک منزل ہے تو اس کے لیے پیچ وتاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ اسے اسی قانون سے آنا چاہیئے جو ساری کائنات کے لئے اس کے خالق نے تجویز فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو فرمایا

لعلی لا القاک بعد عامی ھذا (مجمع الزوائد) شاید میں تمہیں آئندہ نہ مل سکوں"

اسی طرح ایک خاتون سے فرمایا:

ان لم تجد ینی فاتی ابابکر (مشکوٰۃ) " اگر میں زندہ نہ رہا تو تم (حضرت) ابوبکر کے پاس آنا "

سورۃ نصر کے نزول پر حضرت صدیق اکبرؓ کو خطرہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ آپ رو دیئے۔ آنحضرتؐ نے کچھ سُنا اور ایک لمحہ کے لیے اسے ناپسند نہیں فرمایا۔ تاریخ، سیرت اور سنت کے دفاتر موت کے حوادث سے بھرپور ہیں۔ پھر معلوم نہیں ہم لوگ اس کے ذکر سے لرزہ براندام کیوں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تذکرہ سے از دیوبند تا بریلی ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

احادیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، موت، تجہیز و تکفین، دفن کے عنوان موجود ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے گھبراہٹ کیوں ہوتی ہے بعض امہات المومنینؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سر کے بال کٹوا دیئے اس لیے کہ اب ان کی ضرورت نہیں (صحیح مسلم) بعض امہات المومنینؓ نے سر بالکل منڈوا دیا (مجمع الزوائد) کیونکہ حضرت انتقال فرما چکے۔ اسے موت کہئے وصال کہئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خلوت گزین فرمایئے۔ کوئی عنوان اختیار فرمایئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم اور روح کا دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے۔ یہی موت ہے جو برزخی احوال اور قبر کی زندگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا ایک صحیح ذریعہ ہے۔ آپ فرمائیں کہ عالم برزخ میں موت اور زندگی میں مترادف ہے تو مجھے اس اعتراض سے انکار نہیں۔ مگر موت کا انکار اہل علم سے ایک شرمناک سانحہ ہے۔

عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی

عنوان اور تعبیرات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ مولانا حسین احمد کی جلالت قدر

اور مولانا نانوتوی کی غزارت علمی اور شیخ عبدالحقؒ کی سادگی اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی جس کا اقرار قرآن حکیم نے محکم آیات میں فرمایا ہے اور صحابہؓ نے اس پر اجماع فرمایا ہو۔ اور دنیا کی تاریخ نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ غرض موت سے گھبراہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یا پھر صراحت فرمایئے کہ موت بری چیز ہے۔ اس میں حقارت پائی جاتی ہے اور اسے ایک لمحہ کے لئے بھی مت تسلیم فرمایئے۔ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کفر ہے۔

کراہیۃ الموت قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے موت سے کراہت کفر کی علامت ہے۔ یہودی اور مشرک موت کو ناپسند کرتے تھے۔ ولتجدنهم احرص الناس علی حیوۃ ومن الذین اشرکوا یود احدهم لو یعمر الف سنۃ (۹۶:۲) یہودی اور مشرک دنیوی زندگی کے زیادہ خواہشمند تھے وہ چاہتے تھے کہ اس دنیا میں ہزار سال زندہ رہیں لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں۔ عذاب بہرحال ہو کر رہے گا۔

غزوہ احد میں منافق بھی موت ہی سے گھبراتے تھے۔ قرآن عزیز نے فرمایا:

این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ

تم پختہ گنبدوں میں بھی قیام کرو، موت ضرور آئے گی۔

آنحضرتؐ کی دعوت مباہلہ

انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت جن کا مستقبل انتہائی تابناک اور روشن ہے وہ اس سے کیوں گھبرائیں۔ آنحضرتؐ فداہ روحی نے مخالفین کو دعوت مباہلہ دی۔ ہم اگر ان سے موت کی نفی کریں تو مدعی سست اور گواہ چست کی مثال صادق آئے گی۔ اہلِ توحید کا مقام ہے کہ اس میں انبیاء ہی کی طرح

وہ راضی برضا ہیں۔ نہ زندگی سے مسرت نہ موت کا غم۔ جو حکم آئے اس کے لیے ہر وقت تیار۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے۔ مولانا بریلوی ایک آن کے لیے موت تسلیم کرتے ہیں۔ اگر موت مقام نبوت کے منافی ہے تو ایک آن کے لیے بھی کیوں ہو اگر یہ منافی نہیں تو ان کے لئے :

خانصاحب بریلوی کی طویل ایک "آن"

کیوں بدلا جائے اور خانصاحب بریلوی کی "آن" تو اتنی طویل ہے کہ آنحضرت کا انتقال سوموار کو ہوا۔ دفن بدھ کو فرمایا گیا۔ گھر والوں نے تجہیز و تکفین کے انتظامات کئے۔ دوسرے ساتھیوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں آیندہ خلافت کے متعلق دانشمندانہ فیصلہ فرما لیا۔ آنحضرتؐ کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ نے پڑھی۔ خان صاحب کی ربڑ کی آن ختم نہ ہو سکی یا پھر ملائکہ اور صحابہ کو آنحضرتؐ کی دنیوی زندگی کا احساس نہ ہوا۔ تیسرے دن اشکبار آنکھوں کے ساتھ جیتے پیغمبر کو دفن کر دیا۔ اس زندگی کو نہ بیویاں سمجھ سکیں۔ نہ حضرت فاطمہؓ جان سکیں۔ مشہد کے شیعہ حضرات آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ درگور کرنے والے آیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے ساتھی تھے ؟ علماء ہیئت دریافت کریں گے۔ یہ آن کتنے گھنٹوں کی تھی یا للعقول الطائشۃ ویا للمضحکات ! وقد صدق ابن القیم :

واللہ ما قدر الرسول عرفتم کلا ولا النفس والانسان

حیات شہداء کی تحقیق اور اس کی نوعیت

کفار موت کو عدم محض یا کلی فقدان سمجھتے تھے۔ قرآن نے موت کے اس اصطلاحی مفہوم کا شہداء کے حق میں انکار کیا یہ درست ہے لیکن قتل کے عنوان

سے جسم اور روح کے انفصال کا اعتراف فرمایا یا ان کا خیال تھا کہ موت کے بعد دائمی فنا ہیں ان اعمال پر کوئی جزا مرتب نہ ہوگی۔ قرآن نے اس معنی سے نفی فرما دی اور اس دنیا سے رخصت کے بعد رزق اور نئی زندگی کا اعلان فرمایا جو دنیوی زندگی سے مختلف ہوگی۔ اتنی مختلف کہ دنیا والے اس کا شعور بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن موت بمعنے انفصال روح سے انکار قطعاً غلط ہے اور ہدایت حسی سے جنگ ولا یرغب عن نفسه الا من سفه نفسه

پھر یہ زندگی اگر دنیوی زندگی ہی تھی تو لا تشعرون کیوں فرمایا گیا اور انسان اس قدر بے شعور ہیں کہ اس زندگی کو بھی نہیں سمجھتے۔ جس کی زلف پریشان کے بناؤ سنگار میں پوری زندگی صرف ہو رہی ہے۔ وہی سوفسطائیت ہوتی، جسے عقل گوارا کرتی ہے۔ نہ نقل اس کی تائید کرتی ہے۔

سابقہ عمومی گفتگو کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی اور محل نزاع کی تعیین کے بعد دونوں بزرگوں نے جو دلائل ارقام فرمائے ہیں وہ خود بخود ہی ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ آیات اور احادیث اور ائمہ سلف کے اقوال میں دنیوی زندگی کا ذکر بالکل نہیں اور حضرات علماء کی آراء قابل احترام ہونے کے باوجود شرعاً حجت نہیں۔ اس کے باوجود مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کمزور تمسکات پر بھی مختصر گفتگو ہو جائے۔

قرآن عزیز نے شہدا کی زندگی کا ذکر سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرہ)

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون (آل عمران)

دونوں آیات شہداء کی زندگی میں نص ہیں۔ اہلِ سنت کے مکاتبِ فکر سے کسی نے اس زندگی کا انکار نہیں کیا۔ حضرت مولانا حسین احمدؒ فرماتے ہیں: آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی از قبیل دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر" (مکاتیب ج ۱ ص ۱۳۰ بحوالہ "دارالعلوم" نومبر ۱۹۵۵ء)

مولانا شہدا کی زندگی کو روحانی سمجھتے ہیں اور انبیاء کی جسمانی دنیوی کو اس سے قوی تر۔ ظاہر ہے کہ حسب ارشاد مولانا یہ آیت روحانی برزخی اور کمزور زندگی کے لیے دلیل بن سکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیوی جسمانی طاقت ور زندگی اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے لیے یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی۔ نہ ہی اس پر اس کا قیاس درست ہو سکتا ہے۔

آپ حضرات بھی جانتے ہیں کہ شہداء کی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور انبیاء کی زندگی چونکہ قوی تر ہے۔ اس لیے نہ ان کی ازواج نکاح کر سکتی ہیں نہ ان کا ترکہ تقسیم ہو سکتا ہے۔ اندریں صورت حال یہ آیت اس کے لیے کیا دلیل ہو سکے گی؟

شہداء کی زندگی کے متعلق سورہ بقرہ میں لا تشعرون فرمایا ہے یعنی یہ زندگی تمہارے شعور سے بالا ہے۔ آلِ عمران میں احیاء عند ربھم یرزقون فرمایا، محدا قاعدہ قید زائد ہے۔ عند اللہ کا تعلق احیاء سے ہو یا یرزقون سے، دونوں عند اللہ ہوں گی، فے الدنیا نہیں ہوں گی۔ اس لیے شہداء کی زندگی تو بنص قرآن عند اللہ ہے اور انبیا کی برزخی زندگی جسمانی دنیوی ہے۔ و بینھما بون اس لیے انبیا کی زندگی کے لیے ان آیات سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

اب آپ حضرات اگر اس گذارش سے متفق ہوں تو شہدا کی زندگی کے

متعلق تو کوئی اختلاف نہیں رہے گا اور حیاتِ دنیوی پر ان سے استدلال بھی درست نہیں ہو گا۔ جب زندگیاں ہی دونوں الگ الگ ہیں تو نہ ایک کا قیاس دوسری پر ہو سکے گا نہ ایک کے دلائل دوسری کے لئے دلیل بن سکیں گے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے معتاد رزق سے اگر دنیوی معتاد سمجھا ہے تو یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ شہداء کی زندگی جب عند اللہ ہے تو دنیوی رزق وہاں کیسے جا سکتا ہے۔ اگر معتاد برزخی مراد ہے تو حیاتِ دنیوی کے لئے یہ رزق دلیل نہیں بن سکے گا۔

رزق سے استدلال بے معنی ہے

ایسے رزق سے زندگی سے استدلال بالکل بے معنی اور غلط ہے۔ رزق کو انبیاء اور شہداء کے علاوہ برزخ میں باقی ایمان دار مرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ ارشاد ربانی پر غور فرمائیں۔

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا وماتوا لیرزقنھم اللہ رزقاً حسناً واللہ خیر الرزقین (الحج ۲۲ : ۵۸)

آیت میں موت اور قتل دونوں پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس جب رزق طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے تو رزق سے زندگی پر استدلال صحیح نہ رہا۔ آپ حضرات کے نظریات سے لازم آتا ہے کہ کوئی بھی مرتا نہیں۔ یوں ہی موت کا لفظ لغت میں رکھ لیا گیا ہے۔

شاہ عبد العزیز کی تحقیق

شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں۔

" اگرچہ ارواح شہیدان از تمتعات ایں جہاں و تکلیفات دنیا دور افتادہ اند۔ اما تمتعات جسدانیہ بے تکلفات دارند اصلاً رُوئے غم

والم نے بنید۔ پس درحقیقت حیات ایشاں اتم از حیات دنیوی است"
(تفسیر عزیزی ص۱۷۱)

"یعنی شہدا کی روحیں اس دنیا کے فوائد اور تکلیفات سے تو بہت دور جا چکی ہیں لیکن عالم برزخ میں ان کو دوسرے اجسام (سبز پرند وغیرہ) عطا ہوتے ہیں۔ ان سے وہ بے تکلّف مستفید ہوتے ہیں۔ انہیں فکر اور غم نہیں ہوتا۔ ان کی یہ زندگی دنیا کی زندگی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"ایں نوع تعلق کہ ارواح شہداء را با جانوراں پرندہ بہم میرسد ہم بیروں از عالم عناصر است" (ص۱۷۴)

شہدا کا جن پرندوں سے تعلق ہے یہ بھی اس عنصری دنیا سے بالکل الگ ہیں۔"

"ص۱۷۴ پس حیات شہداء در عالم برزخ حیات جزائی ست نہ حیات ابتدائی" — برزخ میں شہدا کی زندگی جزاء اعمال کے لئے ہے، ابتدائی اور اعمال کی زندگی نہیں۔"

شاہ صاحب کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی اس عنصری دنیا کی زندگی نہیں بلکہ وہ عالم برزخ اور دار الجزا کی زندگی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے ان اکابر کو دنیوی زندگی کہاں سے سمجھ میں آئی اور دنیوی زندگی سے ان کو کیوں محبت ہے۔ دنیوی زندگی کو ترجیح کفار کا خیال تھا:

ان ھو الا حیاتنا الدنیا
(جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے)

انبیاء اور شہدا کے تو تصوّر میں بھی ایسا نہیں آسکتا - ابن القیم کا تجزیہ کس قدر درست ہے -

واللہ لا الرحمان اثبتم ولا   اروا حکم یا مدعی العرفان
عطلتم الابدان من ارواحها   والعرش عطلتم من الرحمان

جیسا کہ گذرا یہ عقیدہ ابن قیم کی تحقیق کے مطابق فرقہ معطلہ کا تھا - عقائد کے بارے میں یہ لوگ اپنے وقت کے بدعتی تھے - اہلِ سنت کا عقیدہ شہداء اور انبیاء کی حیات دنیوی کا نہیں حیاتِ برزخی ہے - جس کی صراحت شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے -

علامہ آلوسی حنفی کی تصریحات

شیخ شہاب الدین ابوالفضل السید محمود آلوسی بغدادی نے ۱۲۷۰ھ جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق عراق کے مفتی اور مسلکاً حنفی ہیں، روح المعانی (پارہ ۲ بقرہ) میں اس موضوع پر کس قدر تفصیل سے لکھا ہے - اُنھوں نے حیات شہداء کے متعلق پانچ مسالک کا ذکر فرمایا ہے : اول جسمانی، دوسری روحانی باقی مسالک باطل ہیں - پہلے مسلک کے متعلق فرماتے ہیں - یہ راجح ہے - ابن عباس، قتادہ، مجاہد، حسن، عمرو بن عبید، واصل بن عطاء جبائی رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی پسند کیا ہے -

جسم کے متعلق اہلِ علم میں اختلاف ہے بعض اسی جسم کے قائل ہیں جس پر شہادت وارد ہوئی - بعض کہتے ہیں اس حیات کا تعلق پرندوں سے ہے جن کا رنگ سبز ہوگا - ان کے آشیانے قندیلیں ہوں گی - تیسرا یہ مسلک یہ ہے کہ دنیوی جسم سے ملتا جلتا جسم ان کو عطا ہوگا - اس کے بعد فرماتے ہیں :

"وعندی ان الحیاۃ ثابتۃ لکل من یموت من شہید وغیرہ

وان الارواح وان کانت جواهر قائمۃ بانفسہا مغایرۃ لما حس بہ من البدن لکن لا من تعلقہا ببدن برزخی مغایر لہذا البدن الکثیف " (ص۲۱ پ۲)

" یعنی حیات برزخی سب کے لئے ثابت ہے ۔ شہید اور دوسرے سب اس میں شامل ہیں ۔ ارواح قائم بالذات ہیں (مذہب اہل سنت) اس محسوسی دنیوی بدن سے مغایر ہیں ۔ لیکن برزخی جسم سے تعلق میں کوئی مانع نہیں ۔ یہ دنیوی کثیف بدن سے مختلف ہے ۔"

اسکے بعد فرماتے ہیں :

وان ارواح الشہداء یثبت لہا ھذا التعلق علی وجہ یمتازون بہ عمن عداھم اما فی اصل التعلق او فی نفس الحیاۃ بناء علی انہا من المشکلات لا المتواطی اھ"

" شہداء کی ارواح کا یہ تعلق باقی اموات سے امتیازی ہے ۔ یہ امتیاز روح کے تعلق میں ہو یا زندگی ہی کلی مشکک ہوا "

دنیوی جسم کے متعلق فرماتے ہیں کہ " خدا تعالےٰ کی قدرت سے یہ چنداں مستبعد نہیں لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ دنیوی جسم کے ساتھ زندگی سے کمزور اعتقاد لوگوں کو شک و شبہات میں مبتلا کرنے اور ایک سفاہت پر یقین دلانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ۔"

علامہ آلوسی "برزخی زندگی کے قائل ہیں اور اسی زندگی میں شہدا اور عام اموات کو شریک سمجھتے ہیں ۔ لیکن اس زندگی میں تواطو کی بجائے تشکیک سمجھتے ہیں تاکہ شہداء اور باقی اموات میں امتیاز رہے ۔ ان کے اس مفصل ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ سنت سے ان کے زمانہ ۱۲۷۰ھ تک دنیوی زندگی کا کوئی

بھی قائل نہیں۔ دنیوی جسم کے ساتھ تعلق کے جو لوگ قائل ہیں وہ بھی تعلق کی نوعیت برزخی سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں اکابر دیوبند میں یہ غلط عقیدہ کہاں سے آ گیا ہے۔

علامہ آلوسی آخر میں فرماتے ہیں :

وما یحکی من مشاهدة بعض الشهداء الذین قتلوا منذ مأت سنین وانهم الی الیوم تشخب جروحهم وما اذا رفعت العصابة عنها فذالک مما رواه صین بن بین وما هو الاحدیث خرافة وکلام یشهد علی مصدقیه تقدیم السخافة اه (ص ۲۲ پ ۲ بقرہ)

"اور ایسی حکایات جن میں صدیوں کے بعد شہداء کے اجسام سے خون بہنے کا ذکر ہے یہ سب خرافات ہیں۔ ان کے راوی غیر مستند ہیں اور ان حکایات کی تصدیق کرنے والے نحیف العقل ہیں"

تعجب ہے مولانا بدر عالم صاحب ایسے ثقات نے بھی ان روایات کا تذکرہ مجمل تنقید کے ساتھ فرمایا ہے۔ حالانکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور انکی پارٹی کے مزخرفات کے جواب میں اس قسم کی روایات پر محدثانہ تنقید ہونی چاہیئے تاکہ شکوک وغیرہ عامۃ المسلمین کے ذہن کو ماؤف نہ کر دیں۔

حافظ ابن جریر کی تصریح

حافظ ابن جریر سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ برزخی زندگی تو سب کے لئے ہیں۔ پھر شہداء کی خصوصیت کیا ہے۔

انهم مرزوقون من ماکل الجنة ومطاعمها فی برزخهم قبل بعثهم ومنعمون بالذی ینعم به داخلوها بعد البعث من سائر البشر من لذیذ مطاعمها الذی لم یطعمو

احد فی برزخه قبل بعثه . اھ (ابن جریر ص۲۴ ج ۲)

"شہداء کو جنت کے لذیذ کھانے برزخ ہی میں ملیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یہ انعامات برزخ کے بعد جنت میں ملیں گے"۔

یعنی شہدار کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ ان کا برزخ جنت کی نظیر ہے۔ جنت کے لذائذ ان کو قبر ہی میں مرحمت فرمائے جائیں گے یہی مزیت ہے جسے حیات سے تعبیر فرمایا اور انہیں میت کہنے سے روکا گیا ہے۔

مولانا نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ تعالیٰ والیٔ بھوپال مکتب فکر کے لحاظ سے اہلحدیث ہیں۔ اس لیے آپ حضرات کو اس سے یقیناً اختلاف ہو سکتا ہے لیکن دقت نظر، وسعت مطالعہ، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ان کا مقام یقیناً بہت اونچا ہے اور فہم قرآن میں ان کا ذہن بے حد صاف ہے۔ بہت سے اکابر قدمار سے بھی ان کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں :

بل هم احياء فى البرزخ تصل ارواحهم الى الجنان فهم احياء من هذه الجهة وان كانوا امواتا من جهة خروج الروح من اجسادهم اھ (فتح البيان ص۲۰۷ ج ۱)

"شہدار برزخ میں زندہ ہیں۔ ان کی روحیں جنت میں جاتی ہیں۔ گو روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ چکا ہے"۔

ص۲۰۸ میں فرماتے ہیں :

"روح جوہر قائم بالذات بدن سے حسی طور پر مغایر ہے۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے نزدیک موت کے بعد بھی اس کا ادراک باقی رہتا ہے۔ کتاب و سنت کا یہی منشار ہے"۔

درسیات کے مشہور ملا جیون (صاحب نورالانوار) نے التفسیرات الاحمدیہ

(ص ۱۳۹ ج ۱، طبع کریمی بمبئی) نے حیات شہدا پر طویل بحث کے سلسلے میں اسے برزخی ہی قرار دیا ہے۔

پیش کردہ احادیث پر ایک نظر

حیاۃ الانبیا (بیہقی) کے حوالہ سے اس مسئلہ میں دس احادیث مرقوم اس مسئلہ میں دس احادیث مرقوم ہیں۔ مقام نزاع کے تعین کے بعد ان میں سے کوئی استدلال کے قابل نہیں۔ پھر حیاتِ دنیوی کا ذکر کسی میں بھی نہیں۔ احادیث کے نام کی اہمیت اور اسلام میں سنت کے مقام کی رفعت کے پیش نظر اس کے متعلق اختصار سے کچھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ نامہ نگار کا تعلق دیوبند ایسی علمی درسگاہ سے ہے۔ اس لیے بعض اہم احادیث کو جرح و توثیق کے لحاظ سے یہاں جانچا جاتا ہے۔

۱۔ الانبیا احیاء فی قبورھم یصلون (بیہقی کا رسالہ خصائص کبریٰ انباہ)

تحقیق اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابن عدی کا قول لاباس بہ ذکر کر کے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی:

قلت بل ھو ھالك قال الدارقطنی فی روایۃ البرقانی متروك الحدیث، قال ابو حاتم ضعیف قال الازدی، واھی الحدیث قال العقیلی کثیر الوھم (۱ص ۲۴۱ ج ۱)

یعنی "ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ ھالك، متروك الحدیث ضعیف واھی الحدیث اور اکثر الوھم ہے۔"

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ص ۲۴۶ ج ۱ میں ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر اس جرح کی تصدیق فرما دی ہے۔ حافظ خطیب بغدادیؒ نے بھی اسے واھی الحدیث اور متروک الحدیث فرمایا ہے (تاریخ بغداد ص ۴۰۵ جلد ۷) باقی رہا

شوکانی کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث رد اللہ علیّ روحی کی تشریح میں یہ لکھنا لاء،
صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء
احیاء فی قبورھم (ص۲۸) تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے "صح" سے مصطلح
صحت مراد لینا تو مشکل ہے یہ صح بمعنی ثبت ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک حدیث
پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو۔ محدثین کے نزدیک "ثبت" سے اس کی تعبیر ہو سکتی
ہے نیل الاوطار شوکانی نے یہی لفظ اختیار فرمایا ہے۔ وقد ثبت فی
الحدیث، ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (ص۳۰۵ جلد۳)

ایسی احادیث کا تذکرہ مواعظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جا سکتا ہے لیکن
عقیدہ کی بنیاد اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد
کے لئے خبر واحد صحیح ہونی چاہیئے کما ذکرہ ابن القیم فی الصواعق المرسلہ
اس حدیث کے متعلق ابن القیم فرماتے ہیں:

وحدیث ذکر حیاتہم بقبورہم | لما یصح وظاھر النکران
فانظر الی الاسناد تعرف حالہ | ان کنت ذا علم بھذا الشان
ھذا ونحن لقولھم احیاء لکن عندنا کحیاۃ ذی الابدان
والترب تحتھم وفوق رؤسھم | وعن الشمائل ثم عن ایمان
مثل الذی قد قلتموھا معاذنا | باللہ من افک ومن بھتان

" انبیاء کی حیات فی القبور جس حدیث میں مذکور ہے اس کی سند صحیح نہیں
اہل فن کو اسکی سند پر غور کرنا چاہیئے۔ اسکے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کے
مبارک جسم کے دائیں بائیں نیچے اوپر مٹی موجود ہے اور جس زندگی کے تم قائل
ہو اس جھوٹ اور بہتان سے خدا کی پناہ "۔

⁂

حضرت موسیٰ کی نماز

حدیث نمبر ۲، ۳، ۴ میں موسٰے علیہ السلام کا ذکر ہے - آپ نے انہیں قبر میں نماز ادا فرماتے دیکھا - یہ بھی حیات دنیوی نہیں برزخی ہے، قبر میں بھی دیکھا بیت المقدس میں انبیار علیہم السلام کے ساتھ بھی نماز میں شریک ہوتے - پھر آسمان پر بھی آپ سے ملاقات فرمائی اور مفید مشورے دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کو احرام باندھے شتر سوار تلبیہ کہتے سنا - دجال کو بحالت احرام حج کے لیے جاتے دیکھا۔ عمرو بن لحی کو جہنم میں دیکھا - یہ برزخی اجسام ہیں اور کشفی رویت ہیں - اگر اسے دنیوی حیات سے تعبیر کیا جائے جو دجال ایسے خبیث لوگوں کو بھی حاصل ہوئی تو انبیا کی فضیلت کیا باقی رہی - انبیاء کی حیات اہل سنت کے نزدیک شہداء سے بھی بہتر اور قوی تر ہے - برزخ میں عبادت، تسبیح، تہلیل اور رفعت درجات ان کو حاصل ہے - اور بعض واقعات صرف مثالی ہیں جو آنحضرت صلعم کو آیات کبریٰ کے طریق پر دکھائے گئے - ان سے زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - مولانا نے کتاب الروح لابن القیم سے بعض حکایات نقل فرمائی ہیں - تعجب ہے کتاب الروح کے اہم مباحث کیونکر ان کی نظر سے اوجھل رہ گئے۔

حافظ ابن القیم نے امام ابن حزم کا ایک حوالہ ان کی کتاب الفصل سے نقل فرما کر اس کے بعض حصص پر تنقید فرمائی ہے اس میں اس حیات کا واضح تذکرہ فرمایا ہے

قلت ما ذکرہ ابن حزم فیہ حق وباطل اما قولہ من ظن ان المیت یحیی فی قبرہ فخطاء فھذا فیہ اجمال ان اراد بہ الحیاۃ المعہودۃ فی الدنیا التی تقوم فیہ الروح بالبدن

وتدبیرہ وتصرفہ ویحتاج معھا الی الطعام والشراب فھذا خطأ کما قالہ والحس والعقل یکذبہ کما یکذبہ النص و ان اراد بہ حیاۃ اخری غیر ھذہ الحیاۃ بل تعاد الروح الیہ غیر الاعادۃ المالوفۃ فی الدنیا لیسئل ویمتحن فی قبرہ فھذا حق ونفیہ خطأ قد دل علیہ النص الصریح فتعاد روحہ فی جسدہ" اھ (کتاب الروح صہ۵۲)

یعنی اگر زندگی سے دنیوی زندگی اور اس کے لوازم مراد ہیں تو یہ یقیناً غلط ہے۔ ایسی زندگی میت کو حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس سے مراد دنیوی زندگی کے علاوہ ہے جس میں روح کے اعادہ معتاد زندگی کی طرح نہ ہو۔ اس کا مقصد صرف سوال اور امتحان ہو تو یہ درست ہے اس کا انکار غلطی ہے۔ یہ زندگی نص صریح سے ثابت ہے؟

پھر صہ۵۳ میں فرماتے ہیں:

جسم کے ساتھ روح کا تعلق پانچ طرح ہوتا ہے:

۱۔ ماں کے پیٹ میں بصورت جنین

۲۔ پیدائش کے بعد

۳۔ نیند کے وقت من وجہ تعلق، من وجہ علیحدگی۔

۴۔ برزخ کا تعلق، اس میں گو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن تجرد کلی نہیں ہوتا بلکہ سلام کے جواب کے لیے اسے لوٹایا جاتا ہے۔ لیکن یہ دنیوی زندگی نہیں ہوتی جو اسے قیامت سے پہلے حاصل تھی۔

۵۔ قیامت کے دن یہ کامل ترین تعلق ہر پہلے چاروں قسم کے تعلق کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔

حافظ ابن القیم نے اہل سنت کے مسلک کی اس میں پوری وضاحت فرما دی ہے۔ دنیوی زندگی کا ائمہ سنت سے سلفِ اُمّت میں کوئی بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں شیخ عبدالحق اور مولانا حسین احمدؒ نے یہ منسوبیت کہاں سے خرید فرمائی — درحقیقت یہ بات بےتکی سی ہے جو کسی پہلو بھی درست نہیں بیٹھتی۔ عفا اللہ عنہ

حدیث نمبر۵ : ان اللہ حرم علے الارض ان تاکل احساد الانبیاء رواہ اصحاب السنن وابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ میں بعض ائمہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :

وللحدیث طرق جمعھا المنذری فی جزء فتحدد الطرق[1] یشد بعضھا بعضا (ص۲۵۵ ج۱)

حافظ ابن القیمؒ نے بھی جلاء الافہام میں ابن حاتم کی جرح کے جواب میں کوشش فرمائی ہے جس کی بنیاد عبدالرحمان بن یزید بن جابر اور عبدالرحمان بن یزید بن تمیم کے اشتباہ پر رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلاء الافہام کی ساری بحث پڑھنے کے بعد بھی ذہن صاف نہیں ہوتا۔

اجلہ محدثین رحمہم اللہ کی تنقید ایسی نہیں جو مناظرانہ احتمالات کی نذر کر دی جائے۔ حافظ عبدالعظیم منذری مختصر، سنن ابی داؤد ص۴ جلد۲ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

---

[1] جہاں تک۔ ان اللہ حرم علے الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ٹکڑے کا تعلق ہے وہ صرف تین سندوں سے مروی ہے اور تینوں مخدوش ہیں۔ حدیث نمبرا۔ ابی الدرداء پر امام بخاریؒ اور امام ابوحاتم جیسے بالغ نظر ائمہ حدیث کی جرح کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہے۔ سنن ابن ماجہ کا حال علامہ سندھی کے کلام سے معلوم کر لیجئے۔ ایک روایت طبرانی کے حوالے سے حافظ سخاوی نے ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی حافظ عراقی سے نقل کر دیا ہے لا یصلح (القول البدیع فی الصلوٰۃ علے الحبیب الشفیع ص۱۱۹)

اخرجہ النسائی وابن ماجہ ولہ علۃ دقیقۃ اشار الیہا البخاری وغیرہ قد جمعت طرقہ فی جزء اھ

اسی طرح انہوں نے الترغیب والترہیب (ص ۱۲۹ جلد اول مصری) میں فرمایا ہے اس "علۃ دقیقۃ" کی وضاحت علامہ تقی سبکیؒ اور حافظ سخاوی نے کردی ہے — سبکی لکھتے ہیں۔

وعلتہ ان حسین ابن علی الجعفی لم یسمع من عبد الرحمان بن یزید بن جابر وانما سمع من عبد الرحمان بن یزید بن تمیم وھو ضعیف۔ فلما حدث بہ الجعفی غلط فی اسم الجد فقال ابن جابر (شفاء السقام ص ۴۷)

اسی کے قریب قریب حافظ سخاویؒ لکھ کر فرماتے ہیں:

ولھذا قال ابو حاتم ان الحدیث منکر (القول البدیع ص ۱۱۹)

امام بخاریؒ کا وہ اشارہ التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر میں ہے۔ اول الذکر میں بذیل ترجمہ عبد الرحمان بن یزید بن تمیم لکھتے ہیں۔

یقال ھو الذی روی عنہ اھل الکوفۃ ابو اسامۃ وحسین فقالوا عبد الرحمان بن یزید بن جابر (التاریخ الکبیر ص ۳۶۵ جلد ۳ قسم اول) اور التاریخ الصغیر (ص ۱۷۹) میں فرماتے ہیں۔

واما اھل الکوفۃ فرووا عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر وھو ابن یزید بن تمیم لیس بابن جابر وابن تمیم منکر الحدیث اھ

حافظ ابو حاتم کا ارشاد ان کے صاحبزادے حافظ عبد الرحمان نے نقل کیا ہے۔

سمعت ابي يقول عبد الرحمان بن يزيد بن جابر لا اعلم احد

من اهل العراق يحدث عنه والذی عندی ان الذی یروی

عنه ابو اسامة وحسین الجعفی واحد وهو عبد الرحمان

بن یزید بن تمیم -

پھر اس علت کو بنیاد بنا کر زیر بحث روایت نقل کی اور لکھا ہے :

وهو حديث منكر لا اعلم احداً رواه غير حسين الجعفی

(علل الحدیث لابن ابی حاتم ص۱۹۷ ج۱)

ان ائمہ کے علاوہ علامہ ابوبکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں ؛

ان الحدیث لم یثبت (نیل ص۳۰۴ ج۳)

اسی مضمون کی دوسری حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو الدرداء رض سے مروی ہے جس میں فنبی الله حی یرزق کی زیادتی مرقوم ہے (ص۱۱۹ کتاب الجنائز) شوکانی رح نے غالباً اس کو بسند جید لکھا اور صاحب تنقیح الرواۃ نے بھی ان کی متابعت میں اس سند کو جید فرمایا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ حافظ سخاوی رح لکھتے ہیں :

رجاله ثقات لكنه منقطع (القول البدیع ص۱۱۹)

تعلیق سندھی حنفی علی ابن ماجہ (ص۵۰۳ جلد۱) میں ہے -

منقطع فی موضعين لان عبادة رواية عن ابی الدرداء

مرسلة وزيد بن ايمن عن عبادة مرسلة قاله البخاری اھ

حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں :

قال البخاری زید بن ایمن عن عبادة مرسل [illegible] (تهذيب [illegible] ج۳)

امام بخاری کا یہ ارشاد التاریخ الکبیر ص۳۵۲ جلد۲ قسم اول طبع حیدر آباد میں ہے

حضرت ابوالدرداء کی حدیث بروایت ابن ماجہ فنبی اللہ حی یرزق زائد ہیں۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مدرج ہیں۔ مجد بن تیمیہ نے منتقی ہیں اس زیادتی کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اشعۃ اللمعات ہیں ادراج کو بطور شبہ قبول فرمایا ہے (ج ا ص ۵۰) خاں صاحب بریلوی نے بھی اس زیادتی کو مدرج تسلیم کیا ہے (حاشیہ حیات الاموات ص ۱۷) خود ابن ماجہ میں یہ حدیث اوس بن اوس اور شداد بن اوس سے مروی ہے۔ اس ہیں یہ زیادتی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس کی سند کو جید کہنا تسامح سے خالی نہیں۔

برتقدیر تسلیم — یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی لیکن میں نے کسی قدر تفصیلی تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا تاکہ ان احادیث کی حقیقت معلوم ہو جائے جنہیں حضرات اجلہ دیوبند دبی زبان سے متواتر فرمادیتے ہیں اور مدارج النبوۃ اور حافظ سیوطیؒ کی مصنفات پر اسقدر اعتماد کیا جاتا ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے متوسلین سے انتہائی موجب استعجاب ہے۔

ان احادیث میں ضعف اور انقطاع موجود ہے لیکن مسئلہ چونکہ درود کے فضائل کا ہے۔ اس ہیں حلال وحرام یا عقائد کی بحث نہیں۔ اس لئے ابن القیمؒ ایسے ائمہ حدیث تک نے تسامح سے کام لیا ہے۔ بنابریں تعدد طرق سے اسکی تصحیح کی گئی اور عوام میں مشہور ہے کہ فضائل ہیں اس قسم کی احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ اصل بھی خود محل نظر ہے۔

جلاء الافہام ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، حدیث ابوالدرداءؓ پر طویل بحث فرمائی ہے انقطاع اور تضعیف کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ انقطاع کے لئے شواہد جمع فرماتے ہیں۔ گو وہ شواہد خود محل نظر ہیں۔ خود حافظ ابن قیمؒ نے ان

شواہد کے متعلق بھی علل کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن یہ تمام شواہد کثرت صلوٰۃ کے متعلق جمع فرمائے گئے ہیں اور یوم الجمعہ کی تخصیص کو زیادہ ترپیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس حد تک کوئی حرج نہیں۔ جمعہ کے دن کثرت صلوٰۃ کے متعلق ان شواہد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

عقیدۂ حیات اور اس کے نتائج

لیکن اب مشکل یہ ہے کہ بریلوی مکتب فکر اور بعض اکابر دیوبند نے ان ضعاف اور مقطوعات سے عقیدہ حیات دنیوی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس بدعی تصور کو متواتر عقیدہ کا نام دینا شروع کیا ہے۔ اس لئے پورے یقین سے سمجھ لینا چاہیئے کہ تعدد طرق اور شواہد کے باوجود یہ مسانید اس قابل قطعاً نہیں کہ ان پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے۔

پھر ان طرق اور شواہد میں حیات انبیاء کا ذکر نہیں بلکہ اکثروا علی الصلوٰۃ یوم الجمعۃ پر زور زیادہ دیا گیا ہے۔ جن طرق اور شواہد میں حیات کا ذکر صراحۃً آیا ہے وہ کوئی بھی صحیح نہیں۔ صحیح لغیرہ احادیث سے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ امت میں کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جن اہل علم سے ان احادیث کی توثیق نقل کی جا رہی ہے۔ ان میں نہ کوئی دنیوی زندگی کا قائل ہے نہ ہی ان مباحث میں کسی نے اس بدعی عقیدہ کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ بحث اس مقام پر حافظ ابن القیم ؒ نے فرمائی ہے۔ وہ حیات دنیوی کے قائل نہیں۔ ان احادیث سے مطلق حیات کو بھی انھوں نے ثابت کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لئے ان مباحث سے اس مخترعہ عقیدہ پر استدلال تاویل بما لا یرضی بہ القائل ہوگا۔ جسے اہل علم و دانش نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔

حدیث نمبر ۶ صحیح ہے۔ اس میں سلام کے وقت رد روح کا ذکر ہے۔

یہ حیاتِ دنیوی کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے جسقدر جوابات دیئے ہیں، ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا اپنا ذہن بھی اس حدیث سے متعلق صاف نہیں۔ جواب میں تذبذب اور خبط نمایاں ہے۔

رہا مولانا حسین احمد صاحب مرحوم کا ارشاد گرامی سو وہ نص حدیث کے مخالف ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سلام کا جواب دینے کے لئے ردکی جاتی ہے۔ مولانا کے ارشاد کے مطابق رد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے مفہوم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مولانا مدنیؒ کے جواب سنے تو حدیث کا مفہوم صاف نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۲ میں اسراء کی رات کو انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر ہے۔ معلوم نہیں اس سے حیاتِ دنیوی کا استخراج کیسے ہوگا۔ ائمہ سنت کے اس کے متعلق دو ہی مشہور مسلک ہیں۔ بعض اس ملاقات کو روحانی سمجھتے ہیں۔

فتح الباری ص۳۵۲ پ۱ میں ایک حدیث بزار اور حاکم سے منقول ہے

انہ صلی بیت المقدس مع الملائکۃ وانہ اتی ھناك بارواح الانبیاء فاثنوا علی اللہ اھ۔

آنحضرتؐ نے بیت المقدس میں ملائکہ کو نماز پڑھائی اور وہاں انبیاءؑ علیہم السلام کی روحیں لائی گئیں کہ دنیوی زندگی کا یہ غلط دعوٰے مصیبت ہو گیا ہے اور احادیث میں تطبیق ناممکن۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ برزخ میں ان ارواح کو مماثل اجسام دیئے گئے اور ان اجسام نے بیت المقدس میں یا شب اسراء میں ملاقات فرمائی۔ ان کا ذکر بھی حافظ ابن حجر فتح الباری (پ۱۵ ص۴۹ جلد۳) میں فرماتے ہیں:

ان ارواحھم مشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابو الوفاء

ابن عقیل۔ اور یہ دونوں صورتیں برزخ ہی میں ہو سکتی ہیں اسے
دنیوی زندگی کہنا دانشمندی نہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ تصریح فرماتے ہیں:

وانہ بعد موتہ وان کان حیًا فھی حیاۃ اخرویۃ لا تشبہ
الحیوۃ الدنیا (فتح صـ۳ ج ۷) اور (فتح صـ۲۱۲ ج ۳) میں فرمایا:
وھذہ الحیاۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ" انتھی تلخیص
الحبیر صـ۱۹۲ میں بیہقی سے نقل فرمایا:

الانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء۔ یہ عند اللہ حیات برزخی اخروی
ہو سکتی ہے۔ اسے کبھی کوئی سمجھدار دنیوی حیات تو نہیں کہہ سکتا۔
موسٰے علیہ السلام کی نماز، حج، ہارونؑ، یونسؑ، حضرت مسیحؑ اور دجال کا
احرام یہ سب حقائق مثالی ہیں یا برزخی، دنیوی تو نہیں ہو سکتیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا بیٹا حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو آنحضرت نے فرمایا:

لہ ظئران تکملان رضاعہ فی الجنۃ (مشکوٰۃ صـ۵۱)

اس کی مدت رضاعت جنت میں عورتیں پوری کریں گی"

آپ کے خیال سے حضرت ابراہیم کو دنیوی زندگی ملی۔ حالانکہ نہ وہ نبی ہیں نہ شہید
اس مطلب کی بیسیوں احادیث سنت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اگر ان سے دنیوی
حیات ثابت کی جائے تو پھر یوں فرمائیے کہ دنیا میں کوئی مرتا ہی نہیں۔

حدیث ۸، ۹، ۱۰ بالکل حیات دنیوی کا پتہ نہیں دیتیں۔ معلوم نہیں مولانا
زاہد صاحب نے انہیں کیوں نقل فرما دیا۔ سابقہ گذارشات کے بعد ان احادیث پر
مزید گفتگو سے کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔

۲

حکایات وقصص

حضرت جعفر کی شہادت، بعض ارواح کا اپنے فرضوں کے متعلق اطلاع دینا

کتاب الروح، شرح الصدور، خصائص کبرٰے وغیرہ میں اس قسم کی کئی حکایات مرقوم ہیں۔ اولاً یہ قصے شرعاً حجت نہیں؛ ثانیاً عقائد کے لئے یہ دلایل قطعاً قابل اطمینان نہیں۔ ثالثاً اس سے حیات روح اور ان کی نقل وحرکت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ حیات جسمانی یا حیات دنیوی ان سے ثابت نہیں ہوتی رابعاً خواب اور کشف کا ظہور جب غیر نبی سے ہو تو صاحب کشف ممکن ہے اس پر یقین کرلے، عامۃ المسلمین اسکے پابند نہیں۔

واقعہ حرہ میں سعید بن مسیب کا مسجد نبوی میں اذان سننا۔ مدعا کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے۔ سعید بن مسیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں پہچانتے تھے ممکن ہے یہ آواز کسی پاکباز جن یا فرشتہ کی ہو۔ اس سے آنحضرت کی دنیوی زندگی کیسے ثابت ہوئی۔

ابن القاسمؒ نے مولانا نے انسان کے چار دور ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) رحم (۲) دنیا (۳) برزخ (۴) آخرت۔

ہر دوسرا دور پہلے سے بہتر اور اس وسعت پر غور فرمایئے۔ یہ دلیل آپ کے خلاف ہے یا آپ کے موافق؛ جب برزخ میں وسعت ہے اور یہ دور دنیا سے بہتر ہے تو فرمایئے: آپ آنحضرتؐ کو برزخ سے دنیوی زندگی میں لانے کی کیوں کوشش فرماتے ہیں۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بدرجہا اعلیٰ اور ارفع ہے۔

خان صاحب بریلوی اور ان کے اتباع عقل اور علم سے بے نیاز ہیں۔ لیکن آپ حضرات غور فرمائیں: اہل توحید تو علم وعقل سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کی

ذالک لآیات لاولی النھٰی۔

مضمون کے بعض حصص پر مزید لکھا جا سکتا ہے۔ میرا مقصد بحث و مناظرہ نہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ بیرونی حضرات ان کے متعلق اظہار رائے کی کوشش نہ فرمائیں۔ یہاں کا ماحول یہاں کے اہلِ علم بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ لادینی حالات پیدا کرنے کے لئے جو حالات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ شاید آپ حضرات ان سے ناواقف ہیں۔ اس لئے مناسب نہ ہوگا کہ مستقبل کی ذمہ داری آپ حضرات پر عائد کی جائے اور آپ کے ان مکاتیب اور خطابات سے غلط فائدہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم اسلام کی سربلندی کے لئے کچھ کر سکیں۔ قادیانیت، رفض اور بدعت جن چور دروازوں سے آ رہی ہیں ہم ان ابواب کے کھولنے کا سبب نہ بنیں۔

مندرجات رسالہ حیات النبی پر ایک سرسری نظر

مجلہ "دارالعلوم" دیوبند کے مضمون حیات النبی سے متعلق میں اپنی تنقیدی گذارشات "رحیق" میں اشاعت کے لئے دے چکا تھا۔ اتفاقاً رسالہ "حیات النبی" مؤلفہ مولانا اخلاق حسین ملا جس کا پیش لفظ مولانا سید ابوذر بخاری نے لکھا ہے مگر افسوس کہ اس میں جوانی کے جوش کے سوا کچھ نہیں اور بات یہ ہے کہ جہاں دلائل بالکلیہ ناپید اور نصوص صراحتہً خلاف ہوں وہاں مکتب خیال کی دہائی اور کھینچا تانی کے سوا ہو کیا سکتا ہے۔ یہی ہو سکتا ہے کہ نوجوان مل کر زور لگائیں۔ زبان کی طاقت اور قوت بازو سے نصوص کو پھیرنے کی کوشش کریں، اس سے کم از کم تھوڑی دیر تک اذہان کا رخ پھیر لیں گے اور مکتب خیال کے بزرگوں کی رفعت شان کا واسطہ دے کر گرتی دیوار کو تھوڑی دیر کے لئے سنبھالا دے دیں۔ مولانا اخلاق حسین اور ابوذر صاحب

نے بھی یہی کچھ کیا ہے۔ اس لئے مجھے اس رسالہ کے ابتدائی حصہ کے متعلق کچھ بھی گزارش کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

میں نے اپنے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ مجھے یہ رسالہ کوشش کے باوجود نہ مل سکا مگر پیش نظر رسالہ کے ص۱۸ پر حضرت مولانا قاسم رحمہ اللہ کے رسالہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا کے رسالہ کا نام "آب حیات" ہے۔ یہ اقتباس ص۲۳۲ سے لیا گیا ہے:

"مولانا نے اسی حدیث یرد اللہ علی روحی کی توجیہہ فرمانے کی کوشش فرمائی۔ یہ حدیث چونکہ دیوبندی مکتب خیال کے خلاف ہے اسلئے اس کی تاویل فرمائی گئی ہے کہ یہ راستہ سے ہٹ جائے! حضرت کا ارشاد روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جونسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازمی نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام تو ہوگا — پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخر شعب غیر متناہی اور ہیں۔

حضرت مولانا کی جلالت قدر، وسعت نظر، وسعت معلومات، تقوی — للٰہیت معلوم اور مسلم ہے۔ قلم لرزتا ہے کہ مجھ ایسا کم سواد علم و حکمت کے سمندر کے خلاف تنقید کا انداز اختیار کرے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بحمد اللہ ذہن میں تقلید و جمود کے جراثیم نہیں ہیں اور آنحضرتؐ فداہ ابی و امی کے بعد یقین سے کوئی معصوم نہیں۔ اس لئے سوچتا ہوں کہ اس مختصر سے اقتباس میں ہے کیا — اتنے بڑے متبحر فاضل نے افسوس ہے کوئی دلیل نہیں دی اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں لکھ سکے جو ذہن کو اپیل کر سکے اور یہ مصیبت اس لئے پیش آئی کہ ان حضرات نے

ایک غلط نظریہ اپنا لیا کہ انبیاء کی حیات برزخی نہیں جسمانی ہے اور دنیوی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے:

"مجازات کی زبان میں روح کو جسے قرآن نے امر فرمایا مرکب تصور کیا پھر شعب لامتناہی تصور فرمایا۔ پھر اس مرکب کے اجزاء سے ہر ایک کی توجہ مختلف سمتوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ پھر انقسام توجہ کے باوجود استغراق پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ روح عالم ارواح کے لئے اور مومنین کی ارواح کے لئے منبع ہے۔ یعنی مسلم اور غیر مسلم ارواح کا انشعاب اسی روح سے ہوتا ہے اور مومنین کی ارواح کو آنحضرت کی روح پر فتوح سے خاص نسبت اور تعلق ہے"

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے ارشاد گرامی کا اقتباس آپ کے سامنے ہے بظاہر اس میں کوئی اغلاق نہیں۔ مجاز و استعارات کے انداز میں جو کچھ فرمایا ہے وہ الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں۔ کتاب و سنت سے کوئی نص یا اشارہ، حضرت نے اپنے اس فکر کی تائید میں ذکر نہیں فرمایا

قرآن عزیز نے روح کے تذکرہ میں جامع اور مناسب راہنمائی فرمائی ہے:

قل الروح من امر ربي وما اوتيتم من العلم الا قليلا ۝

ذرا غور کر لیا ہوتا کہ امر کی تفصیلات میں جانا۔ اس کے غیر متناہی شعب کا تذکرہ ہوتا تو قرآن اسے ضرور بیان فرما دیتا۔ مولوی اخلاق حسین صاحب نے ص۱۲ میں زاد المعاد سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے۔ اس کا اور مولانا کے اقتباس کا موازنہ فرمائیے۔ حافظ رحمہ اللہ کا ارشاد کس قدر اقرب الی السنۃ ہے اور احادیث میں تطبیق کے لئے کس قدر موزوں اور مناسب۔ ادھر مولانا قاسم کی منطق ملاحظہ فرمائیے:

وہ قطعی بے جان ہے۔ الفاظ کی شعبدہ بازی سے زیادہ اس میں کچھ نہیں — اور

حدیث یرد اللہ علی روحی کے سامنے رکھا جائے تو پوری تقریر کی حیثیت ہوائی سی ہو جاتی ہے اور حدیث کے الفاظ سے بالکل الگ اور مختلف!

بریلوی علم کلام

ہم نے بریلوی علم کے تین اصول سمجھے ہیں:

اوّل: مخالف کو پیٹ بھر کے گالیاں دینا۔

دوم: جہاں تک ممکن ہو اس پر جھوٹی تہمتیں تراشتے جاؤ کہ بچارا الزامات کا جواب دیتے ہی تھک جائے۔

سوم: جس بدعت کی ترویج مقصود ہو اس کے ساتھ "شریف" کے لفظ کا اضافہ، گیارھویں شریف، میلاد شریف، چہلم شریف۔ جو بستی بدعت اور شرک کا مرکز ہو اس کے ساتھ "شریف" لگا دو۔ جتنا بڑا پاپی اور مہا شرک ہو اس کے نام کے ساتھ جھوٹے خطابات کا ایک طویل سلسلہ ضم کر دو۔ عوام حق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ بدعت اور اہل بدعت کو پسند کرنے لگیں گے۔

اخوانِ دیوبند!

حضرات دیوبند پہلی دو بیماریوں سے قریباً محفوظ ہیں گالیاں نہیں دیتے۔ جھوٹ نہیں بولتے ــــ لیکن اکابر کے محاسن میں غلط مبالغہ اور بے ضرورت غلو، اساتذہ کی تقدیس باندازِ عظمت یہاں بھی موجود ہے اور بدرجہ اتم۔

آپ نے مولانا قاسمؒ کا اقتباس پڑھ لیا، اب مبالغہ آمیزی ملاحظہ فرمائیے:

"آبِ حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے یہ کتاب استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے درساً درساً پڑھی تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں۔ میں نے مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں تو انھوں نے باہں ذہن و ذکا فرمایا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں تو

ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے۔"

آپ نے اقتباس ملاحظہ فرمالیا۔ اردو میں ہے اس میں کوئی اغلاق بھی، اور گہرائی بھی نہیں۔ لیکن میں مولانا طیب صاحب کی یہ غلو آمیزی پہلے دیکھ لیتا تو شائد میں بھی آنکھیں ملنے لگتا کہ شاید کوئی شیر سو رہا ہو۔ روات کی ثقاہت میں شبہ نہیں لیکن جب اسے واقع پر عرض کیا جائے تو ذہن میں کشمکش سی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ اکابر کیا فرما رہے ہیں۔ ممکن ہے کوئی مقام کتاب دقیق ہو۔ جس کے لئے شیخ الہند نے استاد محترم کی طرف رجوع فرمایا مگر پوری کتاب درساً پڑھنا عجیب بات ہے۔

ہماری رائے تو یہ ہے کہ یہ بریلوی علم کلام کا حصہ ہے جو حضرات دیوبند کو ورثہ میں ملا ہے اور اسی مبالغہ آمیزی کی بنا پر یہ غلط نظریہ کہ "انبیاء کی حیات دنیوی ہے"۔ دیوبندی مکتب خیال میں چل نکلا ہے ہمارے دیوبندی نوجوان اساتذہ کے ارشادات کو چھوٹی موٹی سمجھتے ہیں اور ان کے حسن و قبح کا تجزیہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

اولئک الذین ھدا ھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب (۳۹:۱۸)

احباب کرام! علم و دانش کی راہ یکسر اس سے مختلف ہے اساتذہ کا احترام دوسری چیز ہے اور علم و دانش سے صرف نظر بالکل دوسرا امر، اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کرام کا اسوہ آپ کے سامنے ہے کہ احترام اور اختلاف بیک وقت چل رہے ہیں۔ نہ اختلاف اظہار حق سے مانع ہے نہ اظہار حق ادب و احترام کی راہ میں حائل۔ اظہار حق کے جذبہ کو ادب و احترام میں اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ سینکڑوں مسائل میں اختلاف کے باوجود استاد کی جبین احترام پر شکن کے آثار تک پیدا نہیں ہوتے ہیں اور تلامذہ کے مزاج میں ادنیٰ سا تکدر رونما ہوتا ہے، نہ ہی طرفین میں مبالغہ آمیز تمادح کی کبھی نوبت آئی، رحمہم اللہ و رضی عنہم۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اس کے بعد مولانا طیب صاحب کا ایک طویل خط ملا۔ اخلاق حسین صاحب نے نقل فرمایا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ایک غیر مفید بحث میں ناظرین کا وقت ضائع ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی فصوص الحکم یا فتوحات کے انداز کی ایک مستقل تقریر یا نظریہ ہے جس سے حدیث کے الفاظ کی روشنی میں حدیث کا حل نہیں ہوتا۔ پھر حضرت مولانا طیب صاحب کی تشریح حضرت نانوتوی کے ارشاد سے چنداں متعلق بھی نہیں، اپنی جگہ کچھ خیالات ہیں جن کی پیدائش کا ذمہ دار مولانا کا ذہن ہے جو تلامذہ اور معتقدین کی محفل میں کہنے کے لئے اچھی چیز ہے۔ دلائل و براہین کے معیار پر اُترنا مشکل ہے۔ ایک مستقل سی تقریر ہے۔ اس سے نہ حدیث کے حل میں مدد ملتی ہے نہ مولانا نانوتوی کے ارشادات پر تشریحی روشنی پڑتی ہے البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نانوتوی کے ارشادات کو ابن قیم کے ارشاد، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بعض کشوف سے ضم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

میں نے اسے ناتمام کہنے کی جسارت کی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو کل ارواح باقیہ اور خصوصاً مومنین کی اصل تصور فرماتے ہیں لیکن حضرت قاری صاحب آنحضرتؐ کو "حقیقی مومن" فرما کر اس کے عموم کو ختم فرماتے ہیں اور اہل ایمان کی تخصیص کی ترجمانی اس انداز سے فرماتے ہیں گویا روح اور ایمان بالکل مرادف ہیں۔ اصطلاح کا حق ہر ایک کو ہے ہم اسے روک نہیں سکتے۔ لیکن ارباب علم غور فرمائیں کہ اس سے کسقدر خبط ہوگا اور پرویز اور خلیفہ عبدالحکیم کو اصطلاحات کی تخریب سے روکنا کتنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے لوگوں سے گفتگو انکی

زبان میں کی جائے جسطرح ابن القیمؒ نے کی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے سورج اور اس کی دھوپ کو تمثیلی انداز میں بہت طول دیا ہے لیکن یہ کوشش بھی اس لئے ناتمام ہے کہ رد اللہ علی روحی میں لفظ رد کا لفا منا اس سے پورا نہیں ہوتا۔ البتہ اس طول سے ذہن میں خبط ضرور ہو جاتا ہے۔

اگر یہ تقریر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے وجوب کے متعلق کی جاتی اور متصوفانہ اور فقہی جمود پر اس سے پابندی لگائی جاتی تو بہت مناسب ہوتا حدیث کے فہم کے لئے تو اس تقریر کے ہوتے ہوئے تو یہ لفظ حدیث سے نکالنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث سے مخلصی کی ایک اور راہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس کے رواۃ میں ابوصخر حمید بن زیاد ہیں مسلم نے اسکی متابعت کے طور پر روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے اسے بعض اوقات ضعیف کہا ہے۔ اس سے بعض منکرات بھی مروی ہیں حدیث پر جرح کرکے مخلصی ہو سکتی ہے۔ حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد یہ اصطلاحات کی ہیرا پھیری بے دین اور اہل بدعت کے لئے راستہ کھول دے گی اور اس کی ذمہ داری اہل علم پر ہوگی۔

یا پھر وہی عام اہل سنت کی راہ کہ حیات برزخی ہے اور یہ دنیوی موت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ ان دونوں میں تضاد نہیں۔ اہل تحقیق اور ہمارے اکابر کی بھی یہی راہ ہے۔

قاری صاحب نے استغراق کی بھی کئی صورتیں بنا دی ہیں:

(۱) فی ذاتہٖ صلے اللہ علیہ وسلم (۲) استغراق فی ارواح الامت

(۳) استغراق فی ذات اللہ تعالےٰ:

روح کا معاملہ جب ہمارے فہم و فراست سے بالا ہے تو پھر ان تکلفات سے

کوئی فائدہ نہیں۔ ظاہر الفاظ سے فرار آپ ایسے حدیث کے ماننے والوں کے لئے قطعاً مناسب نہیں۔ یہ ابن عربی اور ابن سعید کے انداز کا کشفی تصوف امام احمد اور امام ابوحنیفہؒ کے زہد و ورع کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت قاری صاحب کا پورا خط خطابی انداز کا ہے۔ یہی حال مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم کے اقتباس کا ہے

اگر پاکستان میں اہل بدعت ان توہمات اور الفاظ سے غلط فائدہ اٹھا کر اہل توحید کو دق نہ کرتے تو ان تلخ گذارشات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دور افتادہ مساکین پر آپ حضرات کسی اچھے طریق سے کرم فرمائیں تو ہم ممنون ہوں گے۔ جو انداز اب تک اختیار فرمایا گیا ہے قابل شکایت ہے:

شکوت وما الشکوی لمثلی عادۃ
ولکن یفیض الکاس عند امتلاءھا

ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرات سے توحید و سنت کی بات سنیں ائمہ سلف اور ان کے اعتصام بالسنۃ کے قصے سنیں۔ یہ جنس جو دار العلوم لا رہا ہے پاکستان میں ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ آپ حضرات کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کی رضامندی کے لئے کوئی اور راہ اختیار فرمائیے:

دوستاں را بہ نعمت یاد کردن ہم راست
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمرے افگند است

قاری صاحب کے مکتوب گرامی کے بہت حصوں پر میں نے گذارشات نہیں کیں ورنہ اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم
تسلیماً کثیراً (رحیق)

چند شبہات کا حل

آج سے چند ماہ پہلے اس موضوع پر چند گذارشات " مجلہ رحیق " میں پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔ بریلوی حضرات اس موضوع پر معلوم ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی کو جسمانی اور دنیوی قرار دیا ہے لیکن ان حضرات کے خیالات عموماً دلائل کے بجائے جذبات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لئے علمی حلقوں میں اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب جب اس قسم کے مسائل پر لکھتے ہیں تو استدلال کے بجائے مخالف پر طعن و تشنیع اور الزامات سے حملہ آور ہوتے ہیں وہ مثبت طریق پر بہت کم لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم و نظر کے حلقوں میں ان بزرگوں کے ارشادات کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ حضرات علماء دیوبند کا مقام اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان میں محقق اہل نظر ہیں۔ دلائل پر ان کی نظر ہے۔ اپنے مسلک کی حمایت میں ان کا مدار جذبات پر نہیں ہوتا لیکن مجھے تعجب ہوا کہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام میں حضرت مولانا حسین احمد۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور بعض دوسرے اکابر دیوبند کی بھی تقریباً وہی رائے تھی جو مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تھی۔

پھر مزید تعجب ہوا کہ بعض حضرات نے حیات انبیاء کی اس صورت کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ دعوے تحقیق اور انصاف دونوں کے منافی ہے۔ بلکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اجلہ دیوبند بھی اس مسئلہ میں ان حضرات سے متفق نہیں۔ میری گذارشات شائع ہونے کے بعد ان گذارشات کی تائید بعض دیوبندی

جراللہ نے بھی فرمائی۔

جن احباب نے اختلاف فرمایا وہ بھی دلائل اور تحقیق کی بنا پر نہیں، بلکہ اساتذہ کی جلالت قدر پر اعتماد اور جمود کی بنا پر فرمایا۔ اس کے باوجود انہی بزرگوں کے ذوق علم و تحقیق کی بنا پر پہلے بھی چند پریشان خیالات مقتدر مجلہ "رحیق" کی نذر ہوئے اور آج کی صحبت میں جو عرض ہو رہا ہے، اس کا مقصد بھی یہی ہے ۔ ائمہ سنت اور اہلِ تحقیق اکابر کی روش کے پیش نظر ان مسائل پر غور فرمایا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناء و احفاد کے ساتھ محبت اور ان کے تحقیقی مسائل سے استفادہ میں اہل حدیث کسی سے پیچھے نہیں — ما من احد الا ویوخذ من قوله ویرد علیہ (امام مالک) کے کلیہ سے انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی مستثنیٰ نہیں — تاہم شاہ صاحب اور ان کے ابناء کرام کی علمی تحقیقات کے سامنے پیشانیاں جھکتی ہیں ۔ رحمهم اللہ وجعل الجنۃ مثواهم

دیوبند کے علمی اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رفعت مقام کی بناء پر جب کوئی مسئلہ ان حضرات کی طرف سے آئے تو اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں جو احادیث اس باب میں آئی ہیں ان کے متون و اسانید ۔ ائمہ حدیث کے آراء و افکار اور محققین کے ارشادات کی روشنی میں جو مواد میسر آسکا ۔ اس کا تذکرہ "رحیق" کے صفحات میں آچکا ہے ۔

"آبِ حیات"

حال ہی میں برادر محترم حضرت مولانا محمد چراغ صاحب کی عنایت سے حضرت

لے یعنی ماہنامہ تجلی دیوبند جس کا وہ مقالہ آئندہ صفحات میں شائع کیا جارہا ہے (ناشر)

مولانا نانوتوی رح کی "آبِ حیات" دیکھنے کا موقع ملا۔ مولانا نانوتوی کے علم اور جلالتِ قدر کا پہلے بھی یقین تھا۔ "آبِ حیات" دیکھنے سے ان کا احترام اور بھی زیادہ ہُوا ان کی جلالتِ قدر کے باوجود بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ "آبِ حیات" کا انداز تحقیق سے زیادہ تاویل پر مبنی ہے۔

مولانا مغفور نے یہ کتاب وراثتِ نبوی کے متعلق شیعہ نقطۂ نظر کے جواب میں لکھی ہے اور شیعی شبہات سے مخلصی کے لئے یہ مناظرانہ راہ اختیار فرمائی — کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی طور پر زندہ ہیں اور ان کی یہ دنیوی زندگی ہے اس لئے تقسیمِ وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مناظرانہ راہ ہے۔ اس سے وہ نصوص حل نہیں ہوتے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات۔ دفن اور اس دنیا سے انتقال کا صریح تذکرہ موجود ہے — قرآن کی صراحت انک میت و انہم میتون — اور احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی تفصیلات حضرت ابوبکر رض کا خطبہ، صحابہ رض کا سکوت، حضرت عمر رض کا رجوع، امہات المومنین کا سوگ ایسی چیزیں نہیں ہیں جنھیں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی جلالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے۔

خود اکابر دیوبند یا ان کی اکثریت ان بزرگوں سے اس عقیدہ میں متفق نہیں اسکی حقیقت ایک صوفیانہ تخیل سے زیادہ کچھ نہیں۔ نصوص حدیثیہ کی ظاہری تعبیرات اس کے خلاف ہیں۔ تقلیدی جمود کی ذمہ داری تو یقیناً نہیں لی جا سکتی۔ لیکن بصیرت دینی ان تاویلات کے قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اس لئے ابناء دیوبند سے ادباً گذارش ہے کہ اکابر دیوبند بیشک قابلِ احترام ہیں لیکن وہ اپنے وقت کے ابوحنیفہ رح اور ابو یوسف رح نہیں ہیں کہ ان کی ہر بات تقلیداً مان لی جائے

اس لئے گذارش ہے کہ جمود سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ کتاب وسنت موجود ہے اور ائمہ سلف کی تصریحات بھی — ولاقول لاحد مع اللہ و رسولہ۔

حیاتُ النبیؐ اور اہل حدیث

مجھے خوشی ہے کہ اکابر اہلحدیث میں کسی سے اس قسم کی لغزش نہیں ہوئی۔

ہمارے اکابر سے غزنوی خاندان کو تصوف سے جو شغف رہا ہے وہ بحث و دلیل کا محتاج نہیں لیکن حضرت عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ابناء کرام اور تلامذہ عظام سے کوئی بھی اس قسم کے اعتقادی جمود کا شکار نہیں ہوا۔ والحمدللہ علیٰ ذٰلک

حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے علوم سے جن لوگوں نے حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے توسط سے استفادہ فرمایا ہے۔ وہ اس قسم کی خوش اعتقادی سے محفوظ رہے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے علماء یمن سے علوم سنت کا استفادہ فرمایا ہے وہ بھی ان کمزور اور دُور از کار تاویلات سے محفوظ رہے ہیں اور یہ ساری برکت اس بنا پر ہے — کہ یہ دونوں طریق تقلیدی جمود سے پاک ہیں۔ ان میں اساتذہ کا ادب تو یقیناً ہے لیکن جمود اور تقلید نہیں — یہی محدثین کی اصل راہ ہے — جب سے محققانہ تنقید کو بے ادبی کہا جانے لگا۔ اس وقت سے جمود نے عقل و فکر کی راہوں کو مسدود کرنا شروع کر دیا۔ اور دماغوں نے سوچنا ترک کر دیا۔

میری گذارشات :

میری گذارشات میں ان اساطین علم کے ارشادات پر حدود ادب کے اندر رہتے ہوئے تنقید کی تھی۔ اگر یہ مسئلہ صرف بریلی کی راہ سے آتا تو میں اس پر ایک حرف بھی لکھنے کی ضرورت نہ سمجھتا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ وہ حضرات نہ سوچنے کے عادی ہیں

نہ ان کا علمی حلقوں میں کوئی اثر ہے۔

حضرات اکابر دیوبند کے علمی احترام کے وسیع اثر نے مجبور کیا کہ انکے ارشادات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ طلبا علمی تنقید اور بحث نظر کی عادت سیکھیں۔

ان گذارشات کا مختلف حلقوں میں عجیب اثر ہوا۔ بعض حلقوں نے اسے بے حد پسند کیا۔ گویا وقت کی یہ ایک ضرورت تھی۔ اس وقت تک پاک و ہند کے کئی جرائد میں وہ مضمون شائع ہو رہا ہے۔

بعض حلقوں نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور اسے حضرات اکابر دیوبند کی بے ادبی پر محمول فرمایا۔ اعاذنی اللہ من ذٰلک۔

بعض نے اس پر جزوی اور معقول تنقید فرمائی اور توجہ دلائی کہ معتدل بسط کے باوجود اس میں تشنگی ہے۔ بعض گوشے مجمل ہیں ضرورت ہے کہ انکی مزید وضاحت کی جائے۔

بعض کا خیال ہے کہ مسئلہ اساسی طور پر نظر ثانی کا محتاج ہے۔ ضرورت ہے کہ نصوص کی روشنی میں پورے موضوع پر نظر ثانی کی جائے — جو خطوط بذریعہ ڈاک موصول ہوئے ان میں بھی یہی کیفیت موجود تھی۔

منشی محمد شفیع صاحب کا نظریہ

چنانچہ ہمارے محترم دوست منشی محمد شفیع صاحب لاہوری (جو مشرباً دیوبندی، طبعاً حق پسند اور بحث و نظر، تحقیق و تنقید کے عادی ہیں) نے توجہ دلائی کہ مسئلہ کے بعض پہلو محل نظر ہیں۔ ان پر مزید غور ہونا چاہیئے۔

میں نے اپنی گذارشات میں عرض کیا تھا کہ حیات انبیاء علیہم السلام پر اجماعِ اُمت ہے۔ گو احادیث کی صحت محلِ نظر ہے۔ تاہم ان کا مفاد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کو مٹی نہیں کھاتی۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (ابن ماجہ ص ۱۱۹
ترغیب منذری ص ۳۱ ج ۲)

منشی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کلیہ صحیح نہیں کہ تمام انبیا علیہم السلام کے اجسام خاک پر حرام ہیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق معلوم ہے کہ ان کے اجسام میں مٹی نے تصرف کیا۔ چنانچہ حافظ نورالدین ہیثمی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۷۰ میں ابو یعلی اور طبرانی سے بروایت حضرت ابو موسیٰ رض اور حضرت علی رض نقل فرمایا ہے :

فقال علماء بنی اسرائیل ان یوسف ؑ لما حضرہ الموت اخذ علینا موثقاً من اللہ ان لا نخرج من مصر حتی ننقل عظامہ
(الی ان قال ؛ فلما احتفروا اخرجوا عظام یوسف ؑ)

حضرت علی رض کی حدیث میں الفاظ کی ترتیب اس طرح ہے :

قال لہ ائتك عند قبر یوسف ؑ فاحتمل عظامہ وقد استوی القبر بالارض (الی ان قال) فاخرج العظام وجاوز البحر۔
(ص ۱۷۰ جلد ۱۰ مجمع الزوائد)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہمراہ رات مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے جب تشویش ہوئی تو علماء بنی اسرائیل نے فرمایا : یوسف علیہ السلام نے ہم سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مصر سے جائیں تو میری ہڈیاں اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے ہڈیاں نکال لیں اور اپنے ہمراہ لے گئے (ملخصاً)

منشی صاحب کا خیال ہے کہ جسم اطہر کی حفاظت میں جو احادیث آئی ہیں وہ درست نہیں لیکن ابو یعلی کی روایت صحیح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام

کی ہڈیاں موسیٰ علیہ السلام ہمراہ لے گئے تھے۔ منشی صاحب کا خیال ہے کہ یوسف علیہ السلام کی اس وقت صرف ہڈیاں تھیں۔ گوشت اور پوست نہیں تھا۔

حافظ ہیثمی نے ابو یعلیٰ کی روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ :

رجال ابی یعلی رجال الصحیح وھذا الذی حملنی عن سیاقھا (ص۱۷۱ مجمع الزوائد ج ۱۰) " ابو یعلیٰ کے رجال صحیح کے رجال ہیں اسی لئے میں نے اس حدیث کا تذکرہ کیا ہے "۔

طبرانی کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں :

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ من لا عرفھم (ص۱۷۱)

طبرانی کی روایت کے راوی غیر معروف ہیں)

منشی صاحب نے اس مفہوم کا ایک حوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد اول ص۲۷۵ سے بھی نقل فرمایا ہے :

ولما خرجوا من مصر اخرجوا معھم تابوت یوسف علیہ السلام

یعنی " جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے گئے "۔

منشی صاحب کی تائید میں ایک حوالہ ابن خلدون ج ۱ ص۱۳۱ میں بھی ملتا ہے :

لما فتح یوشع مدینۃ اریحاء سار الی نابلس فملکھا و دفن ھنالک شلو یوسف علیہ السلام وکانوا حملوہ معھم عند خروجھم من مصر وقد ذکرنا انہ کان اوصی بذالک عند موتہ اھ

" حضرت یوشع نے اریحا کے بعد جب نابلس پر قبضہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں ان کی وصیت کے مطابق وہاں دفن کر

کر دیں۔ یہ ہڈیاں مصر سے نکلتے وقت وہ اپنے ہمراہ لائے تھے "۔

ان حوالوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ کلیہ درست نہیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ معلوم ہوتے ہیں اہلِ علم کا فرض ہے کہ ان نصوص میں غور فرمائیں اور اس بظاہر تعارض میں ترجیح یا تطبیق کی کوشش فرمائیں۔ متوسلین دیوبند سے خصوصی گذارش ہے کہ وہ اپنے اکابر کے مسلک کو ان تصریحات کی روشنی میں ثابت فرمائیں۔ مسائل عصبیت یا ناراضگی سے حل نہیں ہوتے اور نہ عقیدت مفرطہ دلائل اور براہین کا بدل ہی ہوسکتی ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ان متعارض دلائل کا اثر حیاتِ برزخی پر نہیں پڑتا۔ وہ بہرحال ثابت ہے۔ عذاب وثواب قبر کی احادیث کے ہوتے ہوئے قبر میں زندگی کی کوئی صورت تو یقیناً ہوگی۔ مشکلات حیات نوعی میں ہیں خصوصاً جب اسے جسمانی دنیوی سمجھا جائے۔ بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ قبر میں بظاہر بعض تکلیفات شرعیہ کا بھی صلحاء امت کو مکلف سمجھتے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کی کہانیاں بھی ان کے ہاں مروج اور متعارف ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حیاتِ شہداء کے سلسلہ میں انواعِ حیات کے متعلق کافی تفصیل فرمائی ہے۔ محترم منشی محمد شفیع صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے: کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے لئے برزخی زندگی تو مانتے ہیں لیکن وہ اس زندگی کے لئے نہ تو جسم کو ضروری سمجھتے ہیں نہ اس کے لئے دنیوی زندگی کے لوازم کی ضرورت ہی محسوس فرماتے ہیں۔

منشی صاحب کے دلائل کا تجزیہ

اس میں شک نہیں کہ دلائل میں ایسا باور کرنے کی گنجائش موجود ہے اگر

حیات کا جسمانی اور دنیوی تصور قبول کیا جا سکتا ہے۔ تو منشی صاحب کے تصوّر کی راہ میں کون سا مانع حائل ہو سکتا ہے۔ لیکن میری رائے میں منشی صاحب کے دلائل کئی وجوہ سے کمزور اور مرجوع معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) حدیث: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے اجسام حرام فرما دیئے ہیں۔

گو بلحاظ سند صحیح نہیں۔ تاہم اصول ستہ کو جو فوقیت طبرانی اور ابو یعلیٰ پر ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اصول ستہ کو بحیثیت مجموعی طبرانی وغیرہ پر برتری حاصل ہے۔ چوتھے درجہ کی کتابوں سے استدلال فحول ائمہ حدیث تنقید اور تحقیق کے بعد کرتے ہیں یا پھر اہل بدعت جن کے ہاں اصل چیز اپنی بدعت کی تائید ہے دلائل کی پختگی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ (حجۃ اللہ)

۲۔ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں صرف زوائد جمع کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ تاکہ مواد اھل علم کے سامنے آجائے۔ وہ ان زیادات پر بالاستیعاب کلام نہیں فرماتے اور نہ جرح و قدح کی تفصیلات ہی میں جاتے ہیں۔

۳۔ ابو یعلیٰ کی روایت میں انھوں نے فرمایا ہے: — رجالہ رجال الصحیح اس سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند کے رجال پر اصحاب الصحیح نے اعتماد فرمایا ہے لیکن حدیث کی صحت کے لئے یہ کافی نہیں امام مسلم نے شواھد میں ایسے رجال سے روایت کی ہے جن میں ائمہ حدیث کو کلام ہے۔ اس کا تذکرہ انہوں نے مقدمہ مسلم میں بھی فرمایا ہے۔

۴۔ پھر ثقاہت رجال کے علاوہ تصحیح حدیث کے لیے اور بھی شروط ہیں مراسیل اور مقطوعات میں ثقاہت رجال کے باوجود حدیث کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ راوی اور روایت کی شرائط کو پیش نظر رکھنا چاہیے

۵۔ طبرانی کی روایت کے متعلق حافظ ہیثمی فرماتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ من لم اعرفھم۔ غیر معروف رجال سے جو روایت مروی ہے اسکی صحت کا دعوٰے کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس قسم کی ضعیف روایات کے بالمقابل تو ابنِ ماجہ کی روایت (ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء) کو ضعف کے باوجود جمہور اُمت نے قبول فرمایا ہے۔ اس لیے اسے طبرانی اور ابو یعلی کی ضعیف روایات پر ترجیح ہوگی لتلقی الامۃ مفھومھا بالقبول۔ قرآن کا تقاضا یہی ہے کہ ابن ماجہ کی روایت کو ترجیح دی جائے اور برزخی زندگی کے ساتھ جسم کی سلامتی کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔

۶۔ پھر ابن ماجہ کی روایت کو علی علاتہا تسلیم کر لینے سے تعارض بھی اُٹھ سکتا ہے۔ ابو یعلی اور طبرانی کی روایت میں عظام سے مقصد حضرت یوسف علی نبینا و علیہ السلام کی نعش مبارک مراد ہو جیسے کہ البدایہ والنہار جلد ۱ ص۲۷۵ میں اخرجوا معھم تابوتہ مرقوم ہے۔ عظام کی تابوت اور تابوت کی عظام سے تعبیر میں کوئی استبعاد نہیں۔ ایسے مقام پر عظام سے جسم مراد لینا متعارف ہے۔

قرآن حکیم نے منکرین حشر کا عقیدہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے — من یحیي العظام وھی رمیم (بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندگی عطا کرے گا) معلوم ہے کہ کفار حشر اجساد کے منکر تھے۔ حشر عظام پر استعجاب اسی حقیقت کی تعبیر ہے۔ مقصود یہی ہے۔ من یحیي الاجسام البالیہ حدیث من فاحتمل عظامہ سے مراد احتمل جسم ہی ہونا چاہیئے۔ اس مفہوم کے بعد احادیث میں تعارض اُٹھ جاتا ہے۔ میری دانست میں وہی مسلک صحیح ہے جسے ائمہ

سنت وحدیث نے قبول فرمایا ہے :

۷۔ ابنِ خلدون کا حوالہ اور بھی محلِ نظر ہے کیونکہ مصر سے تو حضرت یوسفؑ کی نعش مبارک حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنے ہمراہ لائے۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک بادیہ تیہ میں اقامت پذیر رہے۔ کوشش اور انتہائی آرزو کے باوجود بنی اسرائیل کسی ہمسایہ ملک پر حملہ کے لیے تیار نہ ہوئے حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ کا انتقال اسی اثنار میں ہوا۔ اسکے بعد بنی اسرائیل کی قیادت یوشع بن نون کے سپرد ہوئی۔ حضرت یوشع نے اریحا اور نابلس کے علاقے فتح کئے۔ خیال ہے کہ اس اثناء میں برسوں گزر گئے ہوں گے۔ ابن خلدون نے بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واخرجوا معهم تابوت یوسف علیہ السلام ص۱۲۳ ج ۱

تابوت اور شلو ابن خلدون نے دونوں استعمال کئے ہیں۔ مسعودی نے ایک روایت میں تابوت کی شکل بھی بتائی ہے ص۴۲ ج ۱

قبض الله یوسف بمصر وله مائة وعشرون سنة وجعل فی تابوت الرخام وسد بالرصاص وطلی بالاخیة النافعة للهواء والماء۔" حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سفید پتھر کا تابوت بنایا گیا۔ اور ہوا، اور پانی کی بندش کا پورا انتظام کیا گیا۔

معلوم نہیں اس وقفہ میں حضرت یوسفؑ کی عظام یا تابوت کو وادیٔ "تیہ" میں دفن کیا گیا، اور نکال کر حسب وصیت نابلس میں دفن کیا گیا ــــ تفصیلات کے متعلق تاریخ خاموش ہے اور جو مواد ملتا ہے وہ قریبًا اسرائیلی روایات ہیں جن کی بنا پر ترجیح دینا مشکل ہے۔ جمہورِ امت نے

جو رائے قبول کی ہے روایات میں ضعف کے باوجود وہی راجح معلوم ہوتی ہے
یہ سارے واقعات اخباری انداز میں ہیں۔ ان کا انداز حدیث اور محدثین
کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

(۸) ابوالقاسم سہیلی بعض شہداء احد اور صلحاء کے اجسام کا ذکر فرماتے ہیں کہ
وہ کئی سال کے بعد اپنی قبروں سے صحیح سالم برآمد ہوئے اور دوسری جگہ دفن
کئے گئے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں والاخبار بذالک صحیحۃ (ص۲۴ روض
الانف جلد ۱) پھر فرماتے ہیں:

قال علیہ السلام ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء
اخرجہ سلیمان بن اشعث وذکر ابوجعفر الداودی فی کتاب
التاسی ھذا الحدیث بزیادۃ و ذکر الشھداء والعلماء و
المؤذنین وھی زیادۃ غریبۃ لم تقع لی فی مسند غیران الداودی
من اھل الثقۃ والعلم اھ الخ

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالے نے انبیاء علیہم السلام
کے اجسام زمین پر حرام فرما دیئے ہیں سلیمان بن اشعث نے اسے
تخریج فرمایا ہے۔ ابوجعفر داؤدی نے اس حدیث میں شہدا علماء اور
مؤذنین کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس زیادت میں بیشک غرابت ہے
لیکن داؤدی عالم اور ثقہ ہیں"۔

سہیلی اور شوکانی نے ان احادیث کے متعلق صحت یا ثقاہت کا ذکر فرمایا
ہے اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ یہ ذخیرہ ضعف سے خالی نہیں۔ بخاریؒ
اور منذریؒ۔ ذہبیؒ وغیرہ ائمہ فن نے ان پر تنقید فرمائی ہے اور یہ حضرات سہیلی
وغیرہ سے اپنے فن میں زیادہ مستند ہیں۔ اس لئے اگر مفتی صاحب اپنی

رائے پر اصرار فرمائیں تو انہیں کا حق ہے۔
مکرر گذارش ہے کہ ابناء دیوبند اس موضوع پر تحقیقی طور پر لکھیں۔ محض اکابر اساتذہ کی تقلید پر کفایت نہ فرمائیں اور نہ ہماری گذارشات کو کسی بے ادبی پر محمول فرماکر ناراض ہونے کی کوشش ہی کریں۔

فان العلم امانة والجهل عن الحقائق خيانة والتمسك بالنصوص ديانة والاعراض عن التحريف والتاويل صيانة ومن حرم عن ذلك فقد حرم بعض الخير والله ولى التوفيق عليه توكلت وهو حسبي ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله عليه اعتمد واليه انيب (الاعتصام ص۲۷ جلد ۱۰ مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۹۵۹ء)

مسئلہ حیات النبیؐ پر ایک سوال اور

مدیر تجلّی دیوبند ــــ کا ــــ تحقیقی جواب

"لاہور سے" ــ "رحیق" نامی ایک ماہنامہ نکلتا ہے۔ یہ اہل حدیث حضرات کا آرگن ہے۔ اسکی چند اشاعتوں میں "حیات النبی" کے مسئلہ پر ایک خاص علو پسندانہ انداز میں کلام کیا گیا ہے۔ (خصوصاً آخری قسط مئی ۵۸ء) میں علمائے دیوبند حتےٰ کہ قاسم العلوم والخیرات حجۃ اللہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ تک کی تقلیل و تخطیہ میں کسر اٹھا کے نہیں رکھی گئی ہے۔ کاش آپ اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیں اور جو قلم مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تائید میں دفتر کے دفتر گھسیٹ دیتا ہے وہ اپنے لائق صد احترام اکابر و اسلاف کی حمایت میں بھی جولانی دکھاتے اور تمام ائمہ سے بڑھ کر اپنے آپ کو صاحب علم اور عقیل و فہیم سمجھنے والے اہلحدیث کی جسارتوں کا جواب لاتے۔ امید ہے کوشش کر کے "رحیق" حاصل کرینگے اور اپنے اکابر کی حمایت سے نہیں چوکیں گے۔ ویسے بھی "حیات النبی" کے مسئلہ رحیق کے مضمون نگار کی رائے لطیف طریقے پر توہین رسولؐ پر منتج ہوتی ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے"

جواب

رحیق بہترین علمی مجلہ[1] ہے

ماہنامہ "رحیق" لاہور "تجلی" کے تبادلہ میں دفتر "تجلی" میں آتا ہے اور ان پرچوں میں شامل ہے جنھیں ہم کم و بیش پورا دیکھے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بلکہ ہمیں کہنا چاہیئے کہ اسے

---

[1] افسوس یہ علمی مجلہ اب بند ہوگیا۔ ناشر

ہم ناقدانہ نہیں بلکہ طالب علمانہ اور شاگردانہ حیثیت سے پڑھتے ہیں کیونکہ اس کے مضامین عموماً قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جن سے ہماری حقیر سی متاعِ علم میں مفید اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کے خط کو پڑھ کر نہایت رنج ہوا۔ اندازِ بیان سے لے کر نفسِ مطلب تک تمام خط تعصب، غلط فکری اور جاہلی تصورات سے آلودہ ہے۔ کاش آپ "تجلی" کے فائل اٹھا کر دیکھتے کہ ہم دینی معاملات میں کس نقطۂ نظر کے حامل ہیں اور ہمارے نزدیک دین میں گروہ بندیاں ــــ اور اجارہ داریاں کسقدر افسوس ناک امور ہیں۔ ہزار ہزار صدمہ اور ملال ہے : کہ ہمارے موجودہ مدرسے عموماً وہی فاسد و مجہول اور غالی و متعصب ذہن تیار کر رہے ہیں۔ جس کی خاصی جھلک آپ کے خط میں دیکھی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلط قسم کی اکابر پرستی، مقامیت و وطنیت پر مبنی گروہ بندی، غلو فی العقیدت اور "ہم چو ما دیگرے نیست" کے خبط سے محفوظ رکھے!

ہم مولانا محمد اسمٰعیل سے متفق ہیں!

جہاں تک نفسِ موضوع یعنی اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصال درحلت کے بعد کس طرح کی "زندگی" حاصل ہے۔ اتفاق سے ہم پہلے ہی بعض علمائے دیوبند کے مسلک سے متفق نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارا مسلک بعینہٖ وہی ہے جس کا اثبات "رحیق" کے فاضل مضمون نگار مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خطیب نے کیا ہے۔ تجلی میں کئی بار اس مسئلہ پر ہم اجمالاً کچھ نہ کچھ لکھ چکے ہیں۔ تمام حوالے تو مستحضر نہیں ہیں صرف ایک حوالہ پیشِ نظر ہے۔ یہی ہمارے خیال و عقیدے کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ تجلی مئی ۱۹۵۸ء میں "تجلی کی ڈاک" کے تحت "حیات النبی" ہی کے زیرِ عنوان ہم نے ایک صفحے کا جواب دیا تھا۔

مناسب ہو آپ اسے پڑھ لیں۔ اس کی آخری سطور یہ تھیں :

"ہمارا کہنا یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالےٰ نے مجمل رکھنا ہی پسند فرمایا ان کے بارے میں تفصیلات کی طلب اور چھان بین مناسب نہیں ہے۔ مجمل عقیدہ ہی کافی ہے۔ عقل و ادراک کے پاس یہ صلاحیت کہاں ہے کہ وہ مرنے کے بعد کے احوال و واقعات کو مادی احوال و واقعات کی طرح سمجھ سکے۔ وصال کے بعد حضور صلعم کے جسم و روح میں کیا اور کیسا تعلق ہے۔ آپ کن معنوں میں زندہ ہیں۔ آپ کے سامنے کیا چیزیں پیش ہوتی ہیں کیا نہیں۔ اس طرح کے سوالات میں پڑنے کے عوض احکاماتِ دین کی تعمیل و نفاذ ہی مسلمانوں کے لئے بالکل کافی ہے۔ جن لوگوں پر عبادات و نکوکاری کے نتیجے میں اللہ کے بعض چھپے ہوئے اسرار کھول دیئے گئے ہوں اور "حیات النبی" کے باب میں ان پر کچھ منکشف ہوا ہو، وہ ان کے اپنے لئے ہے۔ عوام کے لیے نہیں ہے۔ عوام اسے نہیں سمجھ سکتے بلکہ مغالطوں اور وسوسوں میں گرفتار ہو سکتے ہیں جو لوگ حضورؐ کے وصال کو "موت" سے جدا کوئی شیئ ثابت کرتے ہوئے آپ کی حیات مستقلہ کا کوئی متعین و مشخص اور معلوم و مشرح تصور عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں وہ مفید کام نہیں کرتے۔ بلکہ رسولؐ اللہ کے بارے میں قرآن کے بار بار بیان کئے ہوئے تصورِ بشریت کو مافوق البشر تصورات واوہام سے آلودہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔"

(تجلی — مئی ۵۶ء صفحہ ۳۳)

مولانا قاسمؒ معصوم نہیں تھے!

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت و محبت کا جہاں تک سوال ہے تو سچ یہ ہے کہ ہم انھیں اپنے وقت کا بہترین عالم، ذہین و فہیم، مفکر اور صاحب زہد و ورع، دانشور سمجھتے تھے۔ لیکن یہ عقیدت اس لغویت تک کبھی نہیں پہنچی کہ ہم ان کو معصوم مان کر ان کی ہر فکر و رائے کی اندھا دھند تائید کرتے چلے جائیں۔ چنانچہ ان کی مختلف تحریروں میں اس طرح کی باتیں دیکھنے کے بعد بھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت "موت" کے معلوم عام مفہوم و مصداق سے جداگانہ شے ہے اور اس کی مثال اس ہانڈی کی سی ہے جو کسی چراغ پر ڈھک دی جائے۔ ہم کسی طرح اپنے آپ کو اس باریک خیال کی تائید و تصدیق پر مائل نہ کر سکے بلکہ ہمارا عقیدہ وہی رہا کہ قرآنی تصریحات کے مطابق رسولؐ اللہ کی رحلت بھی من حیث البشر ویسی ہی رحلت ہے جیسی کسی دوسرے انسان کی ہوتی ہے اور "موت" کا لفظ اس پر ٹھیک اسی طرح صادق آتا ہے۔ جسطرح کسی اور انسان کی رحلت پر، اس کے لئے قرآن، حدیث اور خلیفۂ اول کی تقریر میں واضح شہادت موجود ہے۔ رہا بعدِ مرگ ان کا زندہ رہنا اور زمین پر ان کے جسم کی حرمت تو اگرچہ اس کا انکار ایک مسلمان کی حیثیت میں ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ اس زندگی بعدِ مرگ کو ٹھیک دنیاوی زندگی جیسا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور مرگِ رسولؐ کو ایک اٹل حقیقت ماننے سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں گویا یہ "موت" محض ایک فریب نظر یا مذاق تھا۔ وہ اچھا نہیں کرتے اور ان کا ذہن و قلب اس غلط ترین خیال سے مسموم ہے کہ "موت" ایک اتنے عظیم پیغمبر کے لئے توہین و تحقیر کا

باعث معلوم ہوتی ہے۔

خیر مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تحریر تو کچھ ایسا ادق اور غامض تھا کہ ہم کوتاہ فہموں کے لئے اس حسن ظن کی بھی گنجائش باقی رہ جاتی تھی کہ جو کچھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔ شاید اس کا مطلب وہ نہ ہو جو ہم نے سمجھا ہے ـــ اور وہ حیات النبی کے باب میں فی الحقیقت وہی مسلک رکھتے ہوں جسے ہم درست سمجھ رہے ہیں۔

کل کا دیوبند اور آج کا دیوبند

پھر وہ بھی زمانہ تھا ـــ شرکت و بدعت کے خلاف خود مولانا قاسم اور دیگر ہمعصر علمائے دیوبند آئے دن سرگرمیوں کا مظاہرہ فرماتے رہتے تھے اور "حیات النبی" کے متعلق ایک خاص مسلک رکھنے سے قبوری حضرات کو جو شہ ملنی ممکن تھی ان کا سدباب اور ازالہ ان کی دیگر واضح و مصرح اور موکد و مدلل تحریروں اور تقریروں سے پوری طرح ہو رہا تھا لیکن آج جو احوال ہیں وہ بالکل مختلف ہیں ـــ آج وہ زبانیں گنگ، وہ انگلیاں مفلوج، اور وہ جذبات سرد ہو چکے ہیں جو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی طرح اکرام مسلم کے ساتھ اہانت بدعتی اور تردید شرک و بدعت کو بھی منجملہ فرائض قرار دیتے تھے۔ وہ اخلاف حکمت و رواداری کی "ملیّن پالیسی" اختیار فرما چکے ہیں۔ جن کے اسلاف شرک و بدعت کے باب میں رواداری، تلیّن، درگذر اور صرف نظر کو بزدلی، بے حسی، بے عقلی اور دوغلا پن گمان فرماتے تھے ـــ اسی لیے آج کہیں اور نہیں دیوبند میں ـــ اس دیوبند میں جہاں طبلہ و ہارمونیم والی قوالی۔ صلوٰۃ علی القبر۔ جمعراتی جشن قبوری، چادر بازی اور دیگر قبوری بدعات کا سایہ تک نہیں پایا جاتا تھا ـــ یہ سب کچھ موجود ہے ـــ نہ صرف موجود بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے ـــ کیسے نہ ہو؟ ہمارے واعظان شیریں بیان کا یہ حال ہے کہ جب وہ

کسی ایسے مجمع میں وعظ فرماتے ہیں جہاں اکثریت مبتدعین و مجہولین کی ہو --- تو ذو معنی اور آرٹسٹک گل افشانیوں کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتے ہیں کہ توحید پرست بھی واہ واہ کر اٹھیں --- اور مقبروں کی خاک چاٹنے والوں کا دل بھی گز بھر کا ہو جائے۔ دیوبندی کہیں کہ کوئل "حقاتو" بولی۔ بدعتی کہیں کہ نہیں وہ وہ تو "عبد القادر" بولی۔

حد ہو گئی۔ اسی عید الفطر کے وعظ میں دیوبند کی عید گاہ کے لاؤڈ سپیکر سے قبل نماز عید قبروں پر جانے کی مسنونیت نشر ہوئی اور ایک خاص حالت خاص فضا اور خاص معاشرے سے متعلق حدیث کو ٹھیک اس واعظانہ بے قیدی و بے پناہی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ جس کے نقصان و اضرار پر --- ابن تیمیہؒ، ابن قیم اور مجدد الف ثانی جیسے حضرات سر پیٹتے گئے ہیں، اور جس کی سطحیت پر سید اسماعیل شہید جیسے اعاظم رجال پناہ مانگ چکے ہیں

قبوری ذہن کو ہتھیار ہندو پاک میں قبر پرستی اور پرستش اولیاء جس قدر زوروں پر ہے آنکھ والوں سے مخفی نہیں۔ ایسے حالات اور ماحول میں جو اہل علم "حیات النبی" کا مسئلہ لے کر بیٹھتے ہیں اور حیاتِ پیغمبر کو بالکل حیات دنیاوی بنا کر اپنی فدائیتِ رسول اور حب پیغمبر اور تبحر علمی کا مظاہرہ فرمانا چاہتے ہیں۔ وہ صرف وقت کا ضیاع ہی نہیں کرتے بلکہ اسے ایک نہایت افسوسناک نتائج پیدا کرنے والے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اور قبوری ذہن کو توحید کے خلاف ہتھیار فراہم فرماتے ہیں۔ اسی لئے آج اس مسئلہ کی حیثیت محض علمی نہیں رہی کہ اس میں ہر نقطہ نظر کو باعتبار اجتہاد حق و ثواب مان لیا جائے بلکہ اس کی نوعیت ایک مستقل فتنے کی ہو گئی ہے جس سے دامن بچانا ہر دانشمند کا فرض ہے۔ اسی وجہ سے "رحیق" کے فاضل مضمون نگار نے زحمت تنقید فرمائی

ہے اور اس وجہ کا مختصراً اظہار بھی آخر میں کر دیا ہے۔

نفسِ مسئلہ سے ہٹ کر جہاں تک طرزِ تحریر اور معیار تنقید کا تعلق ہے تو اگر نفسِ مسئلہ پر ہم فاضل مضمون نگار سے متفق نہ ہوتے تب بھی برملا یہی کہتے کہ سنجیدہ و متین اور ٹھوس علمی اختلاف کا جو بہتر سے بہتر معیار ہوسکتا ہے انھوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ لہجے سے لیکر الفاظ تک اور دلائل سے لیکر آداب تک انھوں نے پوری شائستگی، بردباری اور نجابت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ آپ یا کوئی اور ان کے دلائل سے متفق نہ ہو یا دلائل کو سمجھے بوجھے بغیر صرف عقیدتاً اسی خیال پر جما رہے جو اس کے محبوب بزرگوں کا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کا اہلحدیث ہونا آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دے اور اپنے بزرگوں کے ایک مسلک کی علمی تنقید آپ کو جامے سے باہر کر دے

یہ کیسی بلید الذہنی ہے کہ ایک طرف تو جماعت اسلامی کی تائید کا ذکر نہایت تحقیر سے کرتے ہیں۔ دوسری طرف بعض اکابر و اسلاف کے ساتھ "لائق صد احترام" کا دم چھلا لگا کر ہمیں ان کی حمایت پر اس لئے ابھارتے ہیں کہ وہ "ہمارے" ہیں اس طرح کی لغویتیں قوم و وطن کے محور پر گھومنے والی سیاست میں تو چلتی ہیں۔ لیکن دینی و علمی مسائل میں اپنا اور پرایا۔ لائق صد احترام۔ اور لائق صد اہانت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مولنا قاسم رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور دیوبندی بزرگ سے اگر ہمارے نسلی اور وطنی کچھ رشتے ہیں تو دینی و علمی مسائل میں ان رشتوں کی دہائی دینا پرلے درجے کی تنگ نظری ہے۔ اور مولنا مودودی سے ہمارا نسلی و وطنی کوئی بھی رشتہ اگر نہیں ہے تو اس عدم تعلق کو دینی و علمی مسائل میں ملحوظ رکھنے کا سبق دینے والا ہمارے نزدیک انتہائی پستی فکر و نظر کا شکار ہے۔ پھر اسی سانس میں آپ اہل حدیث پر بھی علی الاطلاق ایک

بھونڈہ فقرہ کس جاتے ہیں۔ یہ کیا گراوٹ ہے۔ ہم بیشک حنفی ہیں اور یہاں تک عالی کہ اگر کسی فقہی مسلک کے بارے میں ہمیں تحقیق ہو جائے کہ وہ واقعی امام ابوحنیفہ کا ہے اور بعد کے کسی حنفی نے اس میں اپنے اجتہاد وقیاس کو داخل نہیں کیا ہے تو چاہے یہ ہمارے علم وعقل کے بظاہر خلاف ہی ہو مگر ہم اس سے اختلاف کی ہمت نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس وہ کافی علم نہیں ہے جو اتنے بڑے عالم و دانا سے اختلاف کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔

اہلحدیث پر توہینِ رسول کا الزام

"توہین رسول" کی ایک ہی رہی۔ اہلحدیث اور توہین رسول۔ دن اور تاریکی؟ آسمان اور پستی؟ ہمیں پہلے ہی اندیشہ تھا کہ دیوبندی علمائے خلف کی اہل بدعت سے نیم برہنہ سانٹھ گانٹھ اور مفاہمت آخرکار دیوبندی مکتبۂ فکر میں بھی مبتدعانہ غلو فی العقائد اور متوہمانہ نکتہ سنجی کا زہر پھیلا کے رہے گی۔ وہی ہوا۔ اہل بدعت تو دیوبندیوں پر توہین رسول اور تحقیرِ اولیاء کے الزامات عائد کرتے تھے۔ اب دیوبندی مسلک کے لوگ اہلحدیث اور مولنا مودودی وغیرہ پر یہی ہوائی تیر چلا رہے ہیں بندۂ رب! رحیق والے مضمون میں تو توہین رسول کا شائبہ تک نہیں ـــ جو خوردبینی چیونٹی کو ہاتھی بنا کر دکھاتی ہو وہ بھی اس مضمون میں توہین رسول کا کوئی حبّہ نہیں دکھا سکتی ـ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح قبوری حضرات نے اہل قبور کیلئے رنگ برنگے عقائد گھڑ لئے ہیں۔ طرح طرح کی دور ازکار اور بے اصل صفات اولیاء مرحومین کے لئے تصنیف فرمائی ہیں۔ اور ان خود ساختہ عقائد وصفات کی تردید کو وہ توہین اولیاء قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں کچھ طبعزاد تصورات کو حقائق مان لیا ہو۔ اور ان سے بدلائل اختلاف کرنے والوں کو مرتکبِ توہین قرار دینے لگیں۔

مولانا محمد اسماعیل کا درست تجزیہ

سچ لکھا ہے رحیق کے مضمون نگار جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب نے: "بعض دیوبندی علماء بھی بریلوی علم کلام کے ۳/۱ حصے سے موقعہ بموقعہ کام لیتے رہتے ہیں"۔ بلکہ ہم تو یہاں تک شہادت دیں گے یہ علم کلام گاہے گاہے عملی جامہ بھی پہن لیتا ہے مثلاً یہاں ایسے بھی "علمائے کرام" موجود ہیں جو "شاہ ولایت" صاحب کے مزار پر جاتے ہیں اور واپس آکر دوست احباب سے یہاں تک فرماتے ہیں کہ آج مجھے شاہ ولایت صاحب نے ڈانٹا کہ اتنے دنوں سے کہاں تھا — اور آج سینے سے لگا لیا — اور آج فلاں مشورہ دیا۔

یہاں ایسے بھی "عاشقانِ اولیاء" علماء ہی کے دائرے میں موجود ہیں کہ اگر آپ ان سے کہیں گے کہ مولانا! یہ جو آپ نے درمیان کی دیوار ڈھا کر دو کوٹھڑیوں کا ایک کمرہ بنا دیا تو بہت ہی اچھا کیا تو وہ جواب دیں گے کہ جی ہاں! — حضرت مولانا ۰۰۰۰۰ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے کہ جو کام بھی کرتا ہوں ماشاء اللہ ان کی توجہ سے پسندیدہ و مرغوب ہوتا ہے۔ حالانکہ کسی اور وقت میں جب موڈ ذرا بدلا ہوا ہو تو آپ انہیں کی زبانی یہ بھی سنیں گے کہ مول صاحب! بڑی ہی پریشانی ہے — تنخواہ میں گذارا نہیں ہوتا - فلاں کام یوں کیا تھا، یوں بگڑ گیا فلاں ترکیب یوں سوجھی تھی اور اوندھی ہو گئی - اب اگر آپ یاد دلائیں کہ مولانا وہ برکت و توجہ کہاں گئی جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا تو وہ سوختہ و بریاں جواب ملے گا کہ قادیانی علم کلام بھی پانی بھرتا رہ جائے گا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ بدعت کا کوئی وطن نہیں نہ وہ کوئی لمیٹڈ یا رجسٹرڈ کاروبار ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک دیوبندی عالم جو کچھ کہے اور کرے اس کا بدعت ہونا ناممکن قرار دیا جائے اور اہلحدیث حضرات اگر علمائے دیوبند

سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہوں تو لازماً علمائے دیوبند ہی حق پر ہوں — آخرت کا اگر خیال ہے تو گروہی و وطنی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام اور بندگانِ اسلام کی صلاح و فلاح کے لیے وُسعتِ نظر اور حلم و برداشت کی راہ پر آئیے ورنہ قبرِ اقبال سے وہی آواز آئے گی ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(تجلی دیوبند ص۲۴ تا ص۲۶
بابت جولائی و اگست ۱۹۵۸ء)

زیارتِ قبور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیارتِ قبور

قبر کے متعلق جاھلی اور اسلامی تصورات

"قبور" گہری زمین کو کہتے ہیں - دفنِ میت کے لئے جو گڑھا کھودا جاتا ہے اس لئے اسے بھی قبر کہتے ہیں - قرآن عزیز میں قبر کا ذکر مختلف مقاصد کے لیے آیا ہے : ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (۸۰-۲۱)

انسان کو اللہ تعالےٰ نے موت دی اور قبر بنانے کی تعلیم دی — یہاں تحدّث بالنعمتہ مقصود ہے - انسان کی لاش ذلت سے بچ گئی -

کہیں دوسرے واقعہ میں ضمناً ذکر آگیا : وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط (۹-۸۴) منافق کی قبر پر بھی آپ مت جائیں " — حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲-۲) يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (۲۲-۷) وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ - (۸۲-۴) ان مقامات میں قبر کا ذکر تذکرۃً حادثہ کے طور پر آیا ہے - اسمیں نہ اعزاز ہے نہ استخفاف -

ابتداءِ آفرینش میں سب سے پہلا ناحق قتل ہابیل کا ہوا - قاتل حیران تھا کہ لاش کس طرح ٹھکانے لگائے - ایک کوّے کی رہنمائی سے علم ہوا کہ لاشیں اس طرح سنبھالی جاتی ہیں - اس واقعہ سے انسان کی محبت پسندی اور کم علمی

کا پتہ چلتا ہے۔ ہابیل ایک نیک آدمی تھا۔ نہ اس کا قبہ بنانے کا حکم فرمایا نہ کسی دوسرے اعزاز کا اس کے ساتھ وہ مظلوم بھی تھا۔

اصحاب کہف

اس کے قریب قریب اصحاب کہف کا واقعہ ہے۔ یہ نوجوان اللہ کی راہ میں ہجرت کے لئے نکلے۔ ظالم حکومت سے بچ بچا کر ایک غار میں پناہ لی، ان پر غنودگی طاری ہو گئی۔

تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ

وہ سو گئے۔ غار خطرناک تھا۔ لوگوں نے نشان کے لئے وہاں مسجد بنا دی۔ اہل بدعت نے اسے کھینچ تان کر قبروں پر مسجد بنانے کے لئے جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔ لیکن یہ استدلال قطعاً بے محل ہے۔ جب نص قرآن کے مطابق اصحاب کہف پر متعارف موت طاری ہی نہیں ہوئی۔ زندہ آدمی سو رہے ہیں، قبر ہے نہ موت اسلئے اسے اعزازی قبر سے تعبیر کرنا قطعاً غلط اور بے معنی ہے۔

سابق انبیاء علیہم السلام

قرآن حکیم میں انبیاء کے قصص کا تذکرہ ضروری تفصیل سے فرمایا گیا ان میں سے اکثر کا انتقال زمین پر ہوا اور یہیں دفن ہوئے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (۲۱-۸)

وہ کھانا بھی کھاتے اور ہمیشہ زندہ بھی نہیں رہے۔ دنیا کا قانون یہی بنایا گیا

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (۲۰-۵۵) — "اسی زمین میں ہم نے تمہیں زندگی عطا کی، اسی میں تم دفن ہو گے۔ اسی سے تمہارا حشر ہو گا۔"

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس کے باوجود

کسی کی صحیح قبر کا علم نہیں ۔ کبھی ان پر میلہ نہیں لگا۔ کسی نبی سے منقول نہیں کہ دوسرے نبی کی قبر پر زیارت کے لیے گیا ہو۔ یا اپنے امتیوں کو حکم دیا ہو کہ اس کی قبر سے یہ معاملہ کیا جائے۔ یا کسی دوسرے نبی کی قبر پر اس قسم کی نذر نیاز کی جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اس باب میں واضح ہے کہ کسی قبر کو وہ کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ شرائع میں بھی انبیاء علیہم السلام سے یہ رسم منقول نہیں۔

قبلِ اسلام کی رسوم

صحیح دین میں تو قبور کو کوئی غیر معمولی مقام نہیں دیا گیا۔ مگر عوام ، اور مخالفین انبیاء نے اس معاملہ میں جو غلطیاں کیں اسکی تفصیل احادیث سے معلوم ہوتی ہے اور ان چور دروازوں کا پتہ چلتا ہے جو شیطان اور اسکے رفقاء نے ایجاد کیے۔ مشرکین کی یہ عادت رہی کہ زندگی میں انبیاء علیہم السلام اور اھلِ حق کی مخالفت کرتے رہے۔ جب یہ لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بت بنانے شروع کر دیئے۔ ان کی تصویریں بنائیں۔ ان کی قبروں کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنا لیا۔ احادیث قیمہ سے قبور کے متعلق مندرجہ ذیل خرابیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اگر اسے جاہلی زیارت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

۱۔ قبروں کا پختہ بنانا اور ان پر بلا ضرورت مال صرف کرنا۔

۲۔ ان پر سجدہ کرنا، اور ان سے حاجات طلب کرنا۔

۳۔ قبروں کے پاس مساجد اور عبادت گاہیں تعمیر کرنا۔ مجاورت کے طریق سے دنیا کمانا۔

۴۔ قبروں پر میلے لگانا، عرس کرنا، اور ان پر اجتماعات منعقد کرنا اور اسے

عید اور مسرت تصور کرنا۔

احادیث سے جہاں ان بیماریوں کا علم ہوتا ہے۔ وہاں ان سے کراہت اور نفرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پرانی خرابیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے۔ پہلی قوموں پر ان کا جو اثر ہوا، اپنی امت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ جو ان رسوم اور عادات کی وجہ سے پہلی قوموں پر ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قبور کے ساتھ اس طرح وابستگی مشرکانہ عقائد کا موجب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ کو اہل کتاب پر کتنا رنج تھا۔ جن وجوہ کی بنا پر آپؐ نے ان پر لعنت فرمائی۔ ان میں ایک سبب قبور کی زیارت کا مروجہ طریقہ بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

۱۔ عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ وروی ان یکتب علیہا (احمد مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر چونہ لگانے۔ اس پر بنا کرنے۔ قبر پر بیٹھنے اور اس پر لکھنے سے منع فرمایا۔

۲۔ عن عائشۃ ان ام سلمۃ ذکرت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنیسۃ وانہا بارض الحبشۃ وذکرت لہ ما رایت فیہا من الصور فقال رسول اللہ صلعم اولٰئک

قوم اذا مات فیھم العبد الصّالح او الرجل الصّالح بنوا
علیٰ قبرہٖ مسجداً وصوروا فیہ تلک الصّور اولٰٓئک
شرار الخلق عند اللہ (متفق علیہ)

ام سلمہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حبشہ کے ایک معبد کا ذکر فرمایا۔ جس میں بڑی خوبصورت تصویریں تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا، اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اسکی تصویریں بنا دیتے۔ یہ لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری علالت میں ہوا، اور ان احادیث سے ظاہر ہے کہ قبر کو پختہ نہیں بنانا چاہیئے اس کے قریب کوئی عبادت گاہ نہیں بنانی چاہیئے۔ قبر پر کوئی عمارت قبر کے احترام کے لئے نہیں بنانی چاہیئے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں یہ فعل شرارت آمیز ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ایسے لوگ شرار الخلق (بتمام مخلوق سے بدتر) ہیں۔

عن عطاء بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علیٰ قوم
اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد (رواہ مالک مرسلا و رواہ
البزار عن زید عن عطاء عن ابی سعید الخدری مرفوعاً)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا ان لوگوں پر خدا تعالٰے از بس ناراض ہے۔ جن لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ مالکؒ نے اسے مرسل روایت فرمایا

ہے اور بزار نے ابو سعید خدری سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

تواتر

اس مضمون کی احادیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بتواتر مروی ہیں — بعض احادیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: فقد تواترت النصوص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنھی عن ذالک والتشدید فیہ۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص۵۶۹ مطبوعہ انصاری دہلی)

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ابوحاتم، ترمذی، نسائی، منتقیٰ وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رض۔ عبداللہ بن مسعود رض۔ حضرت عائشہ رض۔ عبداللہ بن عباس رض۔ جندب بن عبداللہ البجلی اور بعض دوسرے صحابہ رض سے مروی ہے۔

حدیث کا مطلب صاف ہے کہ قبر کی طرف رُخ کر کے سجدہ کرنا قبر کو قبلہ کی طرح سامنے رکھنا شرعاً حرام ہے۔ جندب بن عبداللہ کی روایت میں ہے۔

الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم و صالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھٰکم عن ذالک (مسلم)

تم سے پہلے لوگ انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو سجدے کرتے تھے۔ تم قبروں کو ہرگز سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تم کو اسی سے منع کرتا ہوں

اس حدیث میں انبیاء کے ساتھ صلحاء کا ذکر بھی آیا ہے اور سختی سے منع فرمایا کہ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جائے۔ ایسی قبور جنکی اس طرح پرستش کی جائے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں وثن کے حکم میں ہیں :

عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علے القبور و لا تصلوا الیھا (مسلم)

قبروں پر مت بیٹھو، اور نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔

اگر قبر کا نشان مٹ جائے، زمین صاف ہو جائے تو نماز درست ہو گی۔ چنانچہ مسجد خیف، حرم مکہ اور مسجد نبویؐ کے متعلق مروی ہے کہ ان میں سے بعض میں مشرکین کی قبریں تھیں، اور بعض میں انبیاء علیہم السلام کی لیکن اب وہ سب ناپید ہیں۔ اس لیے شرک کا شائبہ نہیں ان مساجد میں نماز جائز ہے۔

شریعت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت گاہ قبروں سے بالکل الگ رہے نہ مسجد میں قبر ہو نہ قبروں پر مسجد۔ قبر اور مسجد دونوں کے احترام کی نوعیت الگ الگ ہے۔ ان دونوں کو جمع نہیں کرنا چاہیے۔

قبروں کے پاس مسجد

عام طور پر مشہور مزاروں اور آستانوں کے پاس لوگ مسجد بناتے ہیں۔ ان سے یہ ذہن پیدا ہوتا ہے کہ اس مسجد میں نماز افضل ہے۔ گویا قبر کی وجہ سے مسجد کو فضیلت حاصل ہوئی خدا کے گھر کو فضیلت کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہو۔ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ خالق کی طرف نسبت سے وہ فضیلت نہ حاصل ہو سکی جو مخلوق کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ در اصل مسجد اپنے مقام کے لحاظ سے اتنی ہی بے نیاز ہے۔ جس طرح خدا تعالے مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس مسجد کی تعمیر کو بھی ناپسند فرمایا۔

حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت جابر رضؓ کی روایت میں اس کی تصریح فرمائی۔

اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علیٰ قبرہ مسجدًا -

حضرت جابر رض کے الفاظ یہ ہیں :

نھی ان یجصّص القبروان یبنیٰ علیہ -

قبر پر مسجد بنانا، قبر پر بنا کرنا یہ فعل ممنوع ہیں - ایسی مساجد میں نماز مکروہ ہے - بلکہ اگر خیال ہو، کہ اس مسجد میں قبولیت زیادہ ہوتی ہے ۔ یا اسی میں نماز دوسری مساجد سے افضل ہے تو اس میں نماز نا درست ہوگی -

قبروں پر عُرس اور میلے

قبر سے شارع کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ویرانی ہو - اسکے دیکھنے سے موت کا تصوّر آنکھوں میں پھر جائے - دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا یقین ہو، دنیا کی زیب، وزینت سے بے رغبتی پیدا ہو - یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہاں شہری انداز کی عمارتیں نہ ہوں، خوبصورتی اور شان وشوکت نہ ہو ---- سنگِ مرمر اور سنگِ رخام کی گلکاریاں نہ ہوں - تاج محل ایسی عمارتیں دیکھنے سے تو یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا - وہاں تو دنیا اور اہلِ دنیا کی ثروت اور اسراف ہی کا خیال ذہن پر غالب ہوگا -

قبروں پر شور وشغب، میلے اور ہنگامے بھی اس مقصد کے منافی ہیں - اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم (نسائی، ابوداؤد)

(ترجمہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (نوافل

گھر میں پڑھو) میری قبر پر میلہ مت لگاؤ۔ تمہارا درود تم کہیں بھی پڑھو، مجھے پہنچ جاتا ہے۔

بُت پرستوں کی زیارت :

اہل کتاب آسمانی تعلیمات کے پابند تھے، ان میں قبر پرستی کا رواج، کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اور توحید کا مسئلہ تمام شرائع میں مشترک ہے۔ قبر پرستی اور مشرکانہ زیارت آسمانی تعلیمات اور توحید انبیاء کے منافی ہے۔ مگر بسابقہ احادیث سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب آسمانی تعلیم سے انحراف کر چکے تھے اور اوہام پرستی کی بدولت ان میں قبر پرستی، مشاہد پرستی، استھانوں پر عرس اور اجتماعات ان میں رواج پا چکے تھے۔

بُت پرست قوموں میں قبر پرستی کا رجحان اتنا زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔ جسقدر ہونا چاہیئے۔ اس کا سبب غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بُتوں پر قناعت کی وجہ سے قبروں پر زیادہ اعتماد نہیں رکھتے تھے۔ جو لوگ کھڑے بزرگوں کے پوجنے کے عادی ہوں وہ لیٹے ہوئے بزرگوں کی پرستش کیوں کریں جب کھلے کھلے اور ظاہر بزرگوں کی عبادت ممکن ہو تو قبروں میں غائب اور مستور خداؤں سے کیوں ربط پیدا کیا جائے۔

اصل مرض :

بُت پرستی اور قبر پرستی میں اصل مرض یہ ہے کہ مشرک غائب خدا پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ اسے یقین نہیں آتا کہ غیر مرئی اور نہ دیکھنے والا معبود اس کی ضرورتیں پوری کر سکے گا۔ وہ بڑے خلوص اور دل سوزی سے محسوس کرتا ہے : کہ

کائنات کا اتنا بڑا نظام نظروں سے غائب اور اکیلا خدا کیسے چلا ئے گا ؟

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (صٓ ۳۸/۵)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام الٰہ کو ایک بنا دیا یہ بڑے تعجب کی بات ہے

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ (صٓ ۳۸/۷)

ہم نے تو یہ توحید کسی پہلے مذہب میں نہیں سنی یہ تو قطعاً جھوٹ ہے

اسی لئے زندوں کا توسل، مردوں کا توسل، قبروں کی سیڑھیاں بتوں کے واسطے کھڑے گئے تاکہ نظر کے سامنے کوئی تو سہارا ہو، کچھ تو نظر آئے — مستقل نہ سہی غیر مستقل ہی نہیں۔ اس قسم کے عطائی الٰہ کچھ زیادہ ہو جائیں تو بلا سے۔ خدا کی حکومت سیکرٹریٹ سے کیوں بے نیاز ہو ؟

ساری یہ مصیبت علم بالغیب سے پیدا ہوئی۔ انبیاء غائب خدا کی دعوت دیتے ہیں۔ اربابِ توسل کی تسکین ظاہری شفا اور عطائی بزرگوں کے سوا ہوتی نظر نہیں آتی۔ اسلئے یہ تشنگی کبھی قبروں سے پوری کی جاتی ہے — کبھی بتوں سے۔

بت پرستوں نے ان کھڑے کھلے مرئی بتوں سے ایک تسکین حاصل کی اسلئے ان کو قبروں کی کچھ زیادہ ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ مگر شرک کی ذہنیت میں ایک مساوات پائی جاتی ہے۔ اس لئے قبر پرستی کے تھوڑے بہت آثار ان میں بھی پائے جاتے ہیں سورۃ نجم کی تفسیر میں ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہد اور ابو صالح لات کی تا کو مشدد پڑھتے تھے اور فرماتے :

فکان رجل یلت السویق للحاج فمات فعکفوا علی قبرہ

فعبدوہ (ابن جریر پ۲۷ ص۳۵)

"یہ بزرگ حاجیوں کو ستو بھگو کر پلایا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی قبر پر لوگوں نے اعتکاف کیا اور اسکی پرستش کی"۔

حافظ ابن کثیر نے یہی قول ربیع بن انس سے نقل فرمایا ہے۔ ابنِ کثیر ص۲۵۳ جلد ۴۔ علامہ بدر الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص۱۷ جلد ۹ تفسیر مظہری ص۱۱۶ جلد ۹۔ صاحب روح المعانی نے بروایت ابن المنذر ابن جریج سے نقل فرمایا ہے:

انہ کان رجل من ثقیف بل السویق بالزیت فلما توفی جعلوا قبرہ وثنا (روح المعانی ص۵۵)

اور جب یہ پیر ستو شاہ فوت ہو گئے تو عمرو بن یحییٰ نے کہا کہ یہ ولی پتھر میں سما گئے ہیں مرے نہیں۔ لوگوں نے پتھر کی عبادت شروع کردی اور اس پر ایک مکان بنا دیا۔

(روح المعانی ص۵۵ الاصنام کلبی)

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں بھی بت پرست تھوڑا بہت قبر پرستی کا شوق فرمالیا کرتے تھے۔ اسلام نے ایمان بالغیب کی برکت سے ان ساری پرستشوں کا قلع قمع فرما دیا اور خدا تعالیٰ کی ذات اور اسکی صفات کو اس طرح ذہن نشین فرمایا کہ اہل ایمان کو نہ کسی بت کی ضرورت محسوس ہوئی نہ قبر کی۔ وہ اپنے اعمال یا اپنی بے بضاعتی کا واسطہ لے کر براہ راست بارگاہ الٰہی میں پیش ہوئے اور کامیاب ہوئے۔

إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ (۲-۱۸۶)

جب میرے بندے میری بابت دریافت کریں تو کہہ دو میں قریب ہوں جب کوئی مجھے بلائے میں سنتا ہوں۔"

اُدعُونِی اَستَجِب لَکُم: "مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا۔"

مومن اس غائب خدا پر ایمان لانے کے بعد ان تمام بناوٹی وسیلوں سے بے نیاز ہو گئے۔ جن میں ظاہر بین بُت پرست اور قبر پرست مبتلا ہو چکے تھے

پختہ قبر آج کی طرح قدیم قبر پرستی میں بھی عقیدت مندی کیساتھ دکانداری کو بھی دخل تھا۔ نیک اور صالح حضرات کی جگہ استخواں فروشوں نے لے لی اور چند ہفتوں یا مہینوں میں ایک خانقاہ نے اچھی خاصی دکان کی صورت اختیار کر لی اور بیوپاریوں نے از بس فائدہ بخش بزنس شروع کر لیا۔

شارع حکیم نے پختہ قبروں کو ممنوع قرار دے دیا جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں گزر چکا۔ بلکہ اگر قبر پر تعمیر ہو چکی ہو تو اسے گرانے کا حکم فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا:

ان لا تدع تمثالا الا طمسۃ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ

"تمام بُت مٹا دو، اور تمام اُونچی قبریں برابر کر دو۔"

حضرت علیؓ نے اپنی حکومت میں اس عہد کو قائم رکھا اور ابو الہیاج اسدی کو اس پر مقرر فرمایا:

قبور کے متعلق اس بے اعتدالی کا یہ اثر ہے کہ بعض مقامات پر بدکردار عورتوں تک کی قبریں معبد بنی ہوئی ہیں، ان پر چراغ جلائے جلتے ہیں۔ مجاور وہیں سے روٹی کما لیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واحب ان لا یبنیٰ ولا یجصّص فان ذلک للزینة والخیلاء

ولیس الموت موضع واحد منهما ولم ار قبور المهاجرین

والانصار مجصّصة (قال الراوی) عن طاؤس ان رسول

الله صلی الله علیه وسلم نهیٰ ان تبنی القبور او تجصص

(قال الشافعی) وقد رایت من الولاة من یهدم بمکة ما

تبنیٰ فیها فلم ار الفقهاء یعیبون (الامام الشافعی، ص۲۴۶ ام جلد ا)

مجھے پسند ہے کہ قبر پر نہ بناء کی جائے، نہ چونا لگایا جائے۔ عمارت زینت، یہ تکبر کا نشان ہے اور موت کے لئے ان میں سے کوئی بھی مناسب نہیں اور انصار اور مہاجرین کی قبروں کو میں نے پختہ نہیں دیکھا۔ طاؤس فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بنا اور تجصیص سے منع کیا۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: میں نے امراء کو دیکھا وہ قبروں کو گراتے تھے اور اہلِ علم اسے معیوب نہیں سمجھتے تھے۔"

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

اکره تجصیص القبور والبناء علیها وهذا الحجارة التی یبنیٰ علیها۔ میں قبر کو پختہ کرنا ناپسند کرتا ہوں اور اس پر عمارت بنانا اور پتھر وغیرہ لگانا بھی۔

چند آثار مزید اس معنی میں ذکر فرمائے:

قال سحنون فهذه آثار فی تسویتها فکیف بمن یرید ان

یبنیٰ علیها (ص۱۸۹)

سحنون فرماتے ہیں ان آثار کا مطلب یہ ہے کہ قبر اس کے برابر ہونی

چاہیے جو اس پر عمارت بنانا چاہے اس کا کیا حال ہوگا۔"

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

واما البناء علیہ فلم ارمن اختار جوازہ (الشامی ص۹۳۶ جلد۱)

میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں جس نے قبر پر عمارت کو جائز کہا ہو

اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ سے نقل فرماتے ہیں:

وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ ونحو ذالک لما روی جابرؓ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص۹۳۷ جلد۱)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قبر پر قبہ یا مکان بنانا منع ہے جیسے صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

علامہ کاسانی البدائع والصنائع میں فرماتے ہیں:

وکرہ ابو حنیفۃ البناء علی القبور وان یعلم بعلامۃ وکرہ ابو یوسف الکتابۃ (ص۳۲۰ جلد۱)

امام صاحبؒ نے ترکی بناء کو منع فرمایا اور ابو یوسفؒ نے کتابت کو

مسنون زیارت:

جاہلی زیارت اور اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب مسنون زیارت اور اسکے مقاصد پر غور فرمایئے:

عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا وتذکر الاخرۃ (ابن ماجہ، مسلم، ابوداؤد،

ابن حبان، حاکم، ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا۔ اب ان کی زیارت کرو اس سے دنیا کی رغبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے

علامہ کاسانی حضرت جابرؓ کی روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

لان ذالك من باب الزينة ولاحاجة بالميت اليها ولانه تضيع المال بلا فائدة فكان مكروها (البدائع والصنائع ص۳۲۰ ج۱)

قبر پر عمارت اور چونہ وغیرہ لگانا زینت ہے اور میت کو اسکی ضرورت نہیں۔ اس سے بے فائدہ مال برباد ہوتا ہے اسلئے یہ مکروہ ہے۔ شامی کی عبارت میں یہ صراحتاً موجود ہے۔

اسلئے قبرستان میں کوئی ایسی چیز بنانا جس سے دنیا کی زیب و زینت ظاہر ہو باتفاق ائمہ ناجائز ہے۔ قبرستان ویران ہونا چاہیئے۔ جن قبور پر عمارات بنائی گئی ہیں فقہا کے نزدیک ان سے زیارت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ مسنون زیارت کے لیے ضروری ہے کہ اس سے زُہد نمایاں ہو اور آخرت یاد آئے۔ علماء اور اہل اللہ کی قبروں پر جو قبے اور عمارتیں بنائی گئی ہیں شریعت کی رُو سے یہ قطعاً پسندیدہ کام نہیں ہے، بلکہ باتفاق ائمہ نادرست ہے۔

مسنون دُعا جب قبر کی زیارت کرے تو قبر پر سلام کہے اور جنازہ کی طرح میت کے لئے دعا کرے

السلام عليكم اهل الديار قوم مومنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون۔

اس کے سوا، اور ادعیہ کے جملے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جو اہل سنت سے مخفی نہیں۔

قبر پرستی کب شروع ہوئی؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قبر پرستی کا زیادہ رواج یہود اور نصاریٰ میں تھا۔ مشرکین میں بھی شرک کی یہ قسم موجود تھی، لیکن کم، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آنحضرتؐ کے ارشاد گرامی کے مطابق لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو النعل بالنعل (الحدیث) تم پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے جس طرح جوتے کے تلے باہم برابر ہوتے ہیں قبر پرستی کا رجحان تیسری صدی میں شروع ہوا۔

امام شافعی رحمہ اللہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار اور مہاجرین کی قبروں کو دیکھا، ان پر کوئی عمارت نہیں تھی وہ بالکل سادہ تھیں۔ امامؒ کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا۔ اسوقت جنت المعلےٰ اور جنت البقیع کے مشاہد سادہ تھے۔ اہل علم کی کثرت تھی اور اس جہالت کا رواج ممکن ہی نہ تھا۔

اسلام کی فتوحات جب دور تک پہنچیں، فارس اور روم کے علاقے فتح ہوئے۔ اسلامی تعلیمات نے مفتوحہ علاقوں کو متاثر کیا، مفتوحہ اقوام کی عادات اور رسوم نے بھی مسلمانوں کو متاثر کیا۔ اسلام میں تصوف دنیا سے بے رغبتی، اللہ تعالےٰ پر توکل، اسکے قانون اسباب کی پابندی کا نام تھا، مسلمان پوری کوشش اور محنت کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل فرماتے — وہاں

نہ خانقاہی نظام تھا اور نہ عقیدہ مندی کا غلو۔

یہود، نصاریٰ، مصری اقوام اور ہندوستان کے اثرات جب اسلامی تعلیمات سے آمیز ہوئے تو اس سے خانقاہی نظام کی صورت پیدا ہو گئی۔ کم کھانا، دم کشی، چلّے کرنا، مرید اور شیخ کے آداب کا ایک معیار، اس نئے تصوّف کے اجزائے ترکیبی قرار پائے۔ شیخ کا تصوّر، وظائف کے مخصوص شرائط۔ بھوکے رہنا۔ نفس کشی۔ بعض قوائے کو معطّل کر دینا اور بعض کو ضائع کر دینا — یہ سب اسی خانقاہی تصوف کے کرشمے تھے جو یہودی فقراء اور ہندوستان کے سادھوؤں سے اخذ کئے گئے۔ معمولی تبدیلیوں سے انہیں اسلام کا ہمرنگ بنا دیا گیا۔ ان مشقوں میں کچھ فائدے بھی تھے کچھ نفسیاتی اثرات بھی جس نے ایک فن کی شکل اختیار کی۔ قبر پرستی کی موجودہ صورت اسی خانقاہی نظام، اسی پس منظر کی پیداوار معلوم ہوتا ہے۔

شیخ اور پیر کے ساتھ بے پناہ عقیدت نے شیخ کو خدا اور رسولؐ کا نائب بنا دیا۔ اس پر تنقید ناجائز قرار دی گئی ؎

بہ مے سجّادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسمِ منزل ہا

خانقاہی نظام میں یہ خوبی تھی کہ اس میں اطاعت کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ حسن بن صباح کی ساری باطنی تحریک کا مدار اسی جذبۂ اطاعت پر تھا اسی جذبۂ اطاعت کا یہ غلو تھا کہ شیخ اور پیر کے کسی خلافِ شریعت قول و فعل پر بھی لب کشائی کی اجازت نہ تھی۔ بس سنو، دیکھو، اور اطاعت کرو۔

یہ عیب آج بھی خانقاہی نظام کا لازمی جزو ہے۔ قبر پرستی اور انسان پرستی کے خلاف آپ کتنے ہی دلائل دیں، کتاب و سنت سے شواہد و براہین

لائیں۔ مگر یہ لوگ کتاب و سنت کے مقابلہ میں اپنے مشائخ اور اصحاب سلسلہ کے اقوال و اعمال کو ترجیح دیتے ہیں اور طرح طرح کے نکتے پیدا کرتے ہیں۔

وقت کا تعین تو مشکل ہے کیونکہ مرض بتدریج آیا ہے۔ لیکن چھٹی ساتویں صدی ہجری میں یہ بیماری زور دوں پر تھی۔ نام نہاد صوفیوں کے کئی گروہ اپنی دکانیں سجائے ہوئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مقابلہ رفاعی فرقہ کے ایک فقیر سے ہوا۔ جس نے حکومت اور اس کے عمال کو متاثر کر رکھا تھا اس نے شیخ الاسلام سے کہا کہ آپ بھی آگ میں کود جائیں، میں بھی کودتا ہوں جس کو آگ نہ جلائے وہ سچا ہوگا۔ شیخ نے فرمایا کہ آگ میں کودنے سے پہلے میں اور تم دونوں نمک اور سرکہ سے غسل کریں گے۔ اس شرط پر وہ فقیر صاحب رہ گئے اور شیخ الاسلام کامیاب رہے۔ شیخؒ نے یہ پورا مکالمہ اپنے رسالہ "الصوفیہ والفقراء" میں لکھا ہے۔

چراغ جلانا قبر پر عمارت جس طرح شرک کے دواعی سے ہے اسی طرح چراغ جلانا بھی ممنوع اور شرک کے دواعی سے ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج

اس سے ظاہر ہے کہ عرب قبروں پر چراغ جلاتے تھے۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو روکنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اسے ناپسند فرمایا اور جس فعل پر حضورؐ لعنت فرمائیں اس کی دینی مضرت اور اخروی خسران کی بھلا کوئی انتہا ہے؟

قبر پر پھول چڑھانا:

ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ حضرات کی ذہنی کیفیت عجیب ہے جو چیز یورپ سے آئے اسے تو آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں اور اسلام کے مسائل سامنے آجائیں تو از سر تا پا بحث بن جاتے ہیں۔

یورپ میں رواج ہے کہ قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ان حضرات میں دینی شعور تو کم ہے مگر یہ حضرات اہلِ مغرب کی تقلید بغیر سوچے سمجھے کر رہے ہیں جہاں جاؤ قبروں پر پھول چڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اس سے میّت کو کوئی فائدہ نہیں، جیسے چراغ کی روشنی سے میّت کو روشنی نہیں مل سکتی۔ پھول کی خوشبو سے میت کو کوئی فائدہ نہیں لیکن چونکہ یہ رسم یورپ سے آئی ہے اس لئے بابو لوگ اس پر ضرور عمل کریں گے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ان رسوم کو جذبات سے بالاتر ہو کر دانشمندی سے ان پر غور کیا جائے۔ اب بڑھتے بڑھتے یہ رسم یہاں تک عام ہو گئی ہے کہ بادشاہوں اور وزراء کے دوروں میں مرنے والوں کی قبروں پر پھول چڑھانا خیر سگالی کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ رسم ان حلقوں میں خالص دنیا داری بن چکی ہے لیکن خانقاہی حلقوں میں اسے دین اور شریعت سمجھا جاتا ہے۔

عوام جن کی نظر سنت کے ذخائر اور تاریخ پر نہیں ہے وہ کربلا، نجف اور بغداد وغیرہ شہروں میں مزارات پر قبے دیکھ کر یہی محسوس کرتے ہیں کہ یہ قبے یقیناً شرعی احکام کے ماتحت بنے ہوں گے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ انہی مزارات کو دیکھ کر امام حاکمؒ صاحب مستدرک نے فرمایا:

هذه الاسانيد صحيحة وليس العمل عليها فان ائمة المسلمين من المشرق والغرب مكتوب على قبورهم

وھو عمل اخذ بہ الخلف عن السلف۔ (مستدرک حاکم ص ۳۷۰ ج ۱)

فرمایا یہ کہ ان کے خلاف تمام اسانید صحیح ہیں مگران پر عمل نہیں

کیا گیا کیونکہ مشرق سے مغرب تک ائمہ کی قبروں پر لکھا گیا

ہے اور یہ خلف نے سلف سے لیا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہؓ سے بلکہ بعد کے لوگوں نے ایسا کیا جن کا قول و فعل حجت نہیں، حدیث کا ناسخ ہونا تو بڑی بات ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو آنحضرت ؐ کے ارشاد ہی سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام ذہبیؒ تلخیص مستدرک میں فرماتے ہیں:

قلت ماقلت طائلا ولانعلم صحابیا فعل ذالک وانما شئ

احدثہ بعض التابعین فمن بعدھم ولم یبلغھم النھی (ص ۳۷۰ ج ۱)

امام حاکمؒ نے کوئی کام کی بات نہیں فرمائی۔ یہ فعل کسی صحابیؓ نے

نہیں کیا۔ یہ بعض تابعین اور ان کے بعد والوں کی ایجاد ہے۔ جن کو

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نہی کا علم نہیں ہوا

روضہ نبویہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جسم اطہر کو حجرۂ مقدسہ میں دفن کیا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں دفن ہوئے حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد حضرت عائشہ رضؓ نے حجرہ میں ایک دیوار بنا کر قبور کا حصہ الگ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حجرۂ مبارکہ کی مرمت کرائی ــــ اس وقت قبریں اپنی حالت پر کچی تھیں۔ خلیفہ عمر رضؓ بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ میں مغربی دیوار گر گئی۔ خلیفہ نے ابن مزاھم کو حکم دیا۔ حجرہ صاف کرایا گیا اور دیوار بنا

دی گئی۔ اس وقت حجرہ شریف مربع تھا۔ خلیفہ عبد الملک نے حکم دیا کہ حجرہ مسجد میں شامل کیا جائے۔ مدینہ منورہ کے علماء اسے ناپسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قبور مسجد میں نہ آئیں بلکہ الگ رہیں۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے شمال کی طرف ایک زاویہ بڑھا کر حجرہ کی مربع عمارت کو مخمس کر دیا۔ قبلہ جنوب کی طرف ہے خیال تھا کہ زاویہ شمال کی طرف ہونے سے قبر شریف کو سجدہ نہیں ہو سکے گا۔ ابن قیمؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

فاجاب رب العلمین دعاءہ　　　واحاطہ بثلاثۃ الجدران

حتیٰ غدت ارجاءہ بدعاءہ　　　فی عزۃ وحمایۃ وصیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ حجرۂ مقدسہ میں تین دیواریں بنادی گئیں اور اس کے اطراف اہلِ شرک کے سجدوں سے محفوظ ہو گئے۔ شمال کی طرف صرف کونہ ہے جسے سجدہ کرنا ممکن نہیں۔

اس کے بعد حجرہ کی ہمیشہ ترمیم ہوتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو قائم رکھنے کے جذبہ کی وجہ سے اکثر مرمت پر کفایت کی گئی۔ علامہ علی بن عبد اللہ سمہودی نے وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ میں اسے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

حجرہ مسجد میں شامل ہونے کے بعد حجرہ پر اینٹوں کی جالی لگادی گئی۔ حجرہ کی چھت مسجد کی چھت سے مل گئی۔ اس کے بعد منصور بن قلادون صالحی ۶۷۸ھ نے جالی کی جگہ لکڑی لگادی۔ لکڑی کا جنگلہ نیچے سے مربع تھا اوپر سے مثمن (آٹھ کونہ) کر دیا گیا۔ اسے قبہ رزاق کہتے تھے۔ یہ کمال الدین بن احمد بن برہان عبد القوی کے مشورہ سے کیا گیا۔ مگر اس وقت کے اہلِ علم نے اسے ناپسند کیا۔ چنانچہ: جب کمال الدین کو معزول کیا گیا تو عوام نے اسے قبہ سازی کی پاداش سمجھا۔

جب یہ ختم ہو گیا تو ملک ناصر حسن بن محمد قلادون نے اس کی مرمت کی۔ پھر ۷۶۵ھ میں ملک اشرف بن حسین شعبان نے کی اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا یہاں تک کہ موجودہ گنبدِ خضرا کی تعمیر عمل میں آئی۔ ان ترمیمات کا مفصل تذکرہ علامہ سمہودی نے قریب ایک سو صفحات میں کیا ہے۔

یہ تغیرات ملکی اور تعمیری مصالح کی بنا پر ہوتے رہے۔ ان کی بنیاد حضورؐ کے کسی ارشاد یا وصیت کی بنا پر نہیں تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کے آثار میں کوئی اثر اس کے ثبوت میں پایا جاتا ہے۔ گنبد خضراء کی عمارت کو دوسری قبروں کے گنبدوں اور قبوں کے لئے دلیل بنا کر پیش کرنا عقل و نقل کسی اعتبار سے درست نہیں۔ قبہ مبارک کے یہ تغیرات کوئی شرعی سند نہیں۔

محققین علماء احناف نے قبروں کے ساتھ اس معاملہ کو صراحتہً ناجائز فرمایا ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے فرمایا:

قبور اولیاء بلند کردن و گنبد برآں ساختن و عرس و امثال آں و چراغاں کردن ہمہ بدعت است۔ بعضے ازاں مکروہ۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفت و فرمود قبر مرا عید و مسجد نہ کنید۔ و درون مسجد سجدہ بکنید و روز عید برائے مجمع در سال مقرر کردہ شدہ و رسول کریمؐ۔ علی رضی اللہ عنہ را فرستاد کہ قبور مشرفہ را برابر کنید۔ ہر جا کہ تصویر بیند محو کنند۔" (ارشاد الطالبین ص۲)

اولیاء کی قبروں کو اونچا کرنا۔ ان پر گنبد بنانا، عرس کرنا۔ چراغ جلانا بدعت ہے۔ ان میں بعض بدعات مکروہ (تحریمی) ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر پر چراغ جلانے والے اور سجدہ کرنے والے پر لعنت فرمائی

ہے۔ اور فرمایا: نہ میری قبر پہ میلہ لگے نہ اس پر مسجد بنائی جائے ۔ نہ ایسی مساجد میں نماز ادا کی جائے ۔ نہ کسی مقررّہ تاریخ میں وہاں اجتماعات کیا جائے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اونچے قبروں کو برابر کردیں اور جہاں تصویر دیکھیں اسے مٹا دیں ۔

زیارت کے آداب

عام قبروں کی زیارت مسنون ہے ۔ قبر پہ جائے تو دعا مسنون پڑھے الفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ۔ اختلاف کے باوجود ان میں ایک چیز قدرِ مشترک ہے ۔ ان میں صاحب قبر کے لئے دعا کی گئی ہے صاحب قبر سے کچھ نہیں مانگا گیا ۔ اس ادب کا ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ سے اپنے یا کسی دوسرے کے لئے دعا کرنا عبادت ہے ۔ جب یہ دعا کسی دوسرے سے کی جائے تو یہ اس کی عبادت ہوگی ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

اَلدُّعَاءُ مُخ العبادۃ : "دعا عبادت کا مغز ہے"۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

الدعاء ھو العبادۃ : "دعا ہی عبادت ہے"!

اللہ کے سوا غیر کی عبادت کرنا بھی حقیقتاً شرک ہے ۔

عبادت اللہ تعالیٰ کا خاص حق ہے ۔ اس میں اس کے ساتھ نہ کوئی ولی شریک ہو سکتا ہے ۔ نہ کوئی نبی ۔ جس نے کسی نبی سے یا ولی سے دعا کی اس نے اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا ۔ اس لیے قبر کی زیارت کے وقت صاحب قبر کے لیے اگر اللہ سے دعا کی تو یہ عبادت ہوگی ۔ ایسا کرنے والا

ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر اس نے خود صاحبِ قبر سے دُعا کی، اس سے کچھ طلب کیا تو یہ شرک ہوگا۔ اس کے تمام اعمال ضائع ہوں گے۔

بلکہ صحیح مذہب یہ ہے کہ قبر کو مقامِ تقرّب بھی نہ سمجھے وہاں یہ سمجھ کر دعا کرنا کہ یہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے یا جلد قبول ہوتی ہے۔ یہ بھی غلط ہے ایک اثر مشہور ہے کہ امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی قبر کو قبولیت کا مقام سمجھتے تھے۔ یہ اثر غلط ہے اس کی کوئی سند امام شافعیؒ تک نہیں پہنچتی۔

زیارت کا ایک یہی صحیح طریقہ ہے کہ مسنون دعا پڑھے اور مقبور کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرے جس طرح جنازہ میں دعا کی جاتی ہے اصحابِ قبور نہ کچھ دے سکتے ہیں نہ لے سکتے ہیں، ان سے کچھ مانگنا عبث بھی ہے اور گناہ بھی۔

غلط بیانیاں

قبر پرستوں سے عام طور پر سنا گیا ہے :

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور

جب تمہیں کسی کام میں حیرانی ہو تو اہلِ قبور سے مدد مانگو۔ اسے حدیث کہہ کر ذکر کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں۔ محدثین نے صراحتاً فرمایا ہے۔ یہ جھوٹی بات ہے :

ھو کلام موضوع مکذوب باتفاق العلماء (اقتضاء الصراط، ص۳۸۵) اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ جھوٹی بات ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب اس روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ :

این حدیث قول مجاوران است برائے اخذ نذر و نیاز بر مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم افترا کردند ۔ (بلاغ المبین ص۵۳)

یہ حدیث نذر و نیاز جمع کرنے کے لیے مجاوروں نے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم پر افتراء کیا ہے۔ احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ محدثین اور
محققین صوفیاء نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ اعتقاد کے مسائل میں بناوٹی
روایات سے استدلال کرنا لاعلمی کی دلیل ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت اہلِ بدعت نے اور گھڑی ہے :
فاعینونی یا عباد اللہ : "اللہ کے بندو! میری مدد کرو"
یہ الفاظ بھی کسی صحیح حدیث میں نہیں ملے۔ ابویعلی بحران وغیرہ میں الفاظ
قریب قریب اس طرح مرقوم ہیں :

اذا نفلتت دابة احدکم بارض فلاة فلیناد یاعباد اللہ
احبسوا علی فان للہ فی الارض حاضرا یحبسہ۔

"جب تمہارے جانور جنگل میں گم ہوجائیں تو آواز دو کہ اللہ کے بندو!
اسے روک لینا۔ اللہ کا کوئی نہ کوئی بندہ حاضر ہوگا جو انہیں روک لے گا۔"
اس میں تصوّرِ اولیاء سے استعانت کا کوئی ذکر نہیں ــــ

امام شافعیؒ سے منقول ہے :

اصابنی ضیق فدعوت عند قبر ابی حنیفة (اقتضاء ص۵۹۲)

یہ بھی امام شافعیؒ پر افتراء ہے۔ اوّلاً امام شافعیؒ جب بغداد آئے
توحضرت امامؒ کی قبر چنداں مشہور ہی نہ تھی۔

دوم، شافعیؒ حجاز سے آئے تھے۔ وہاں ایسے لوگوں کی قبریں موجود
تھیں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بدرجہا افضل تھے۔ وہاں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں موجود تھیں۔ امام شافعیؒ نے تنگدستی کا یہ علاج وہاں کیوں نہ کیا۔

سوم: یہ نسخہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ حضرت ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفر وغیرہم رحمہم اللہ کو کیوں نہ ملا؟ ان لوگوں نے اپنے استاد کی قبر پر کیوں دعائیں نہ کیں۔ امام شافعیؒ کو حجاز میں یہ نسخہ مل گیا اور قریب ترین تلامذہ شب و روز کے خادم اس سے محروم رہے۔

اصحاب بدر کا عرس

عام قبر پرست حضرات اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بدر کے شہداء کے مزاروں پر ہر سال جایا کرتے تھے۔ مجھے یہ روایت نہ صحاح میں ملی ہے نہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اسکا تذکرہ آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، حضرات اصحاب القبور نے اس میں کچھ جعل سازی سے کام لیا ہے۔

بدر کی جنگ میں قریباً ستر آدمی صنادید قریش سے تلوار کے گھاٹ اترے جنہیں امیہ کے سوا ہر ایک کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ چودہ کے قریب صحابہؓ اس معرکہ میں کام آئے لیکن ان کو کہاں اور کیسے دفن کیا گیا اس کی حقیقت صحیح طور پر معلوم نہیں۔

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سال کے سال پابندی کے ساتھ شہدائے بدر کی قبور پر تشریف لے جاتے تو احادیث و آثار میں اسکی تفصیل ہونی ضروری تھی اور سب سے بڑی بات قابل غور و توجہ تو یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں اس معمول کا پایا جانا ضروری تھا کہ یہ نفوس قدسیہ حضور کی ایک ایک سنت پر عمل کرتے

تھے اور حرز جان بناتے تھے۔ بدریوں بھی مدینہ سے کافی دور ہے ایسے سفر نہ حضور کی عادت تھی اور نہ دینی مصروفیات اسکی اجازت دیتی تھیں۔

شہدائے احد

شہدائے اُحد کے متعلق ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم احد تشریف لے گئے اور یہ درست بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ احد مدینہ منوّرہ کا ایک حصہ ہے۔ اس کی راہ جنت البقیع کی طرح ہو گی، یہ کوئی سفر نہیں ہے اور یہ زیارت بھی ہر سال نہیں فرمائی۔ بلکہ صرف ۸ھ ہجری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ ان شہیدوں کے لئے دعا فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے:

عن عقبة بن عامر قال صلى رسول الله صلى الله عليه و سلم على قتلى احد بعد ثمان سنين كالمودع للاحياء والاموات (ص ۵۷۸ ج ۲)

عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر ۸ھ ہجری میں نماز پڑھی۔ ایسا سماں تھا جیسے حضرت زندوں اور مردوں کو وداع فرما رہے ہوں۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں تین جگہ مرقوم ہے۔ کتاب الجنائز میں ایک دفعہ اور کتاب المغازی میں دو دفعہ۔ الفاظ میں بھی معمولی سا اختلاف ہے۔ اس حدیث سے چند امور ظاہر ہیں:

۱- حضورؐ یہ زیارت ہر سال نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ یہ واقعہ صرف ۸ھ میں ہوا۔

۲۔ اس کی حیثیت وداعی حادثہ کی سی تھی۔ یعنی اس کے بعد آنحضرت م زیارتِ شہدائے احد کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔

۳۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہاں خطبہ دیا۔ ایسے خطبے حضور غیر معتاد امور پر ہی دیا کرتے تھے۔

یہاں صلوٰۃ کے معنی صرف دعا سمجھے جائیں تو زیادہ مناسب ہے پانچ سال کے طویل عرصہ کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا احناف ناپسند فرماتے ہیں۔ کیونکہ اس عرصہ میں میّت کا تفسّخ یقینی ہے۔ شہیدِ معرکہ پر شوافع نمازِ جنازہ کو ناپسند فرماتے ہیں۔ صحیح احادیث کا تقاضا بھی یہی ہے۔ قرینِ قیاس بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں وداعی دعا فرمائی:

قبوری حضرات نے ممکن ہے اسی واقعہ کو عرس سمجھ لیا ہو مگر ظاہر ہے کہ ان روایات میں عرس کی گنجائش نہیں اور خیال ہے کہ اسی واقعہ کو بدر پر چسپاں کر دیا ہو۔ ہمارے قبوری حضرات کے دلائل کا یہی حال ہے ؏

چہ دہ گز بہ بالا چہ دہ گز بہ زیر

خواب اور کہانیاں

قبوری حلقوں میں سب سے زیادہ اعتماد غیر مستند قصّوں اور خوابوں پر کیا جاتا ہے۔ یہی تارِ عنکبوت ہے جس پر ان حضرات کو ہمیشہ اعتماد رہا۔ معلوم رہے نہ خواب شرعی حجت ہے، نہ قصّے اور کہانیاں۔

ائمہ سنت کا یہ حال ہے کہ وہ احادیث کے ذخیرہ میں سند کے بغیر کسی چیز کو قبول نہیں فرماتے۔ پھر احادیث میں عقائد کے لیے متواتر اور یقینی ذخائر

سے استدلال فرماتے ہیں۔ اعمال میں بھی ضعاف شواذ اور منکرات پر توجہ نہیں دیتے اور ان حضرات کا یہ حال ہے کہ عقائد کے مقابلہ میں جھوٹے قصوں اور مزخرف خوابوں سے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ ائمہ اصول نے صراحت فرمائی ہے کہ اُمت کے خواب شرعاً حجت نہیں، اور نہ ان سے کوئی حکم ثابت ہو سکتا ہے۔

پھر اس قسم کے قصے اور کہانیاں اور خواب یہود، نصاریٰ، ہنود اور ان کے علاوہ مشرک قوموں کے پاس یہ ذخیرہ بکثرت موجود ہے۔ اگر استدلال کی یہ راہ کھول دی گئی تو بُت پرستی، آتش پرستی کا ثابت کرنا بھی چنداں مشکل نہ ہوگا۔ قادیان کی نبوت اور خلافت کا انحصار بھی خوابوں پر ہے۔

دانیال کی نعش

امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں اور شیخ الاسلام نے اقتضاء الصراط میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں جب تستر فتح ہوا تو ہرمز کے خزانہ میں ایک نعش تھی جسے قحط کے ایام میں باہر نکالا جاتا تھا تو بارش ہو جاتی تھی حضرت عمرؓ کے حکم سے ہم نے دن کے وقت تیرہ قبریں نکالیں، رات کے وقت انہیں دفن کر کے سب قبریں برابر کر دیں۔ تاکہ کوئی ان قبروں کو پہچان نہ سکے۔ اور پرستش شروع ہو جائے۔

جہاں تک اہل حق پر اللہ تعالےٰ کی رحمت کا تعلق ہے وہ زندوں پر بھی ہوتی ہے مردوں پر بھی، دانیال پر بھی ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ تمام انبیاء اور صلحاء اسکی رحمت سے مستفیض ہوتے ہیں بلکہ ہم ایسے گنہ گار بھی اسی کی رحمت کے سہارے پر جی رہے ہیں۔ جہاں تک قبر پرستی

کے لیے استدلال کا تعلق ہے دانیال سے نہ اس وقت کسی نے استغاثہ کیا نہ اب درست ہے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اس قبر کو اس قدر مخفی فرما دیا کہ نہ اس وقت کوئی اسے معلوم کر سکا نہ آج ہی کسی کو معلوم ہے۔ اسے گم کر دینا دلیل ہے کہ صحابہؓ قبر کے ساتھ استعانت و استغاثہ کے تعلق کو ناجائز سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے ایسا ہوا۔ ایک صحابیؓ نے بھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے مشرکانہ افعال کے خلاف صحابہؓ کا اجماع ہے۔ ورنہ جب وہ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تھے تو حضرت عمرؓ سے بھی کھلے طور پر کہہ دیتے تھے۔

اس موضوع پر ایک آیت کو بھی مسخ کرنے کی کوشش فرمائی گئی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝ (الممتحنۃ ۶۰ — ۱۳)

"اے ایمان والو! ان لوگوں سے مت دوستی کرو جن پر خدا تعالیٰ ناراض ہوا۔ وہ اللہ کی رحمت سے اسی طرح بے امید ہیں جس طرح قبروں والے کفار موت کے بعد اللہ کی رحمت سے بے امید ہیں"

آیت کا مطلب صاف ہے مِنْ بیانیہ ہے۔ اصحاب القبور الکفار کا بیان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں تو ایمان کی امید ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اور بھی اسباب ہیں جن سے امید ہو سکتی ہے۔ موت کے بعد اہلِ کفر کے لیے کوئی امید گاہ نہیں۔ جو لوگ مسلمان کہلا کر کفار سے

وابستہ رہیں انھیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوجانا چاہیئے۔ اس میں قبر پرستی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ تمام مفسرین نے آیت کا مفہوم اسی انداز سے بیان فرمایا ہے۔

قرآن عزیز توان امراض کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے وہ شرک کی کیوں اجازت دے گا۔ آیت فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (بقرہ) کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اَنْدَادًا کی مختلف اقسام ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں چوتھی قسم میں قبر پرست حضرات کا تذکرہ ہے۔ فرماتے ہیں:

چہارم: پیر پرستاں گویند چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازیں جہاں می گزرد و روح اورا قوتِ عظیم و وسعتِ بس فخیم می رسد ہر کہ صلوٰۃ اورا برزخ سازد یا در مکان نشست و برخاست او سجود و تذلل تام نماید روح او بسبب وسعت و اطلاق بر آں مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید (ص ۱۵۱ ج ا تفسیر عزیزی)

"پیر پرست کہتے ہیں کہ بزرگ آدمی کثرتِ ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے اس کی دعائیں اور سفارش اللہ کے ہاں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اس دنیا سے رخصت کے بعد اس کی روح میں بے حد قوت اور وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب اس کی صورت کو برزخ بنایا جائے، یا اس کی نشست گاہ اور قبر پہ عجز و انقیاد سے سجدہ کیا جائے اس کی روح کو وسعت علم کی

بنا پر اطلاع ہوجاتی ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے حق میں سفارش کرتی ہے۔"

اس قسم کی استمداد اور اعانت کو شاہ صاحب "بدلا" سمجھتے ہیں۔ اور اسے شرک تصور فرماتے ہیں۔

اللہ اور مخلوق کے درمیان اس قسم کے وسائل اور سفارش ضروری سمجھنا خدا تعالٰے پر بدگمانی کے مرادف ہے۔

ابن قیم فرماتے ہیں:

ومن ظن ان لہ ولداً او شریکاً او ان احداً یشفع عندہ بدون اذنہ او ان بینہ وبین خلقہ وسایط یرفعون حوائجھم الیہ وانہ نصب لعبادہ اولیاء من دونہ یتقربون بھم الیہ ویتوسلون بھم الیہ ویجعلونھم وسایط بینھم وبینہ فیدعونھم ویخافونھم ویرجونھم فقد ظن بہ اقبح الظن واسودہ (الھدیٰ ص۱۷۱ ج ۲)

جو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے، یا اس کے پاس کوئی بلا اجازت شفاعت کر سکتا ہے، یا مخلوق اور خالق کے درمیان ایسے واسطے ہیں جو مخلوق کی ضرورتوں کو اللہ تک لے جاتے ہیں، یا اللہ کے سوا کچھ اولیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ اور ان لوگوں کے درمیان وسیلہ اور قرب کا کام دیتے ہیں اور خالق اور مخلوق میں واسطہ بنتے ہیں، ان سے دعا کرتے ہیں ڈرتے ہیں اور ان سے امید کرتے ہیں جس کا یہ خیال ہو اس نے اللہ تعالٰے پر بدگمانی کی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مسلکاً حنفی ہیں۔ مشرباً صوفی ہیں، حدیث پر ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی تمام طبقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں گہری عقیدت ہے، علم وفضل، زہد وتقویٰ، انابت الی اللہ کے لحاظ سے ان کا مقام اپنے اقران میں بہت اونچا ہے (رحم اللہ ورضی عنہ ورفع درجتہ) ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:

اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول اس عمل پر گواہ ہیں کافر ہو جائیگا اولیاء معدوم کو موجود نہیں کر سکتے، موجود کو معدوم نہیں کر سکتے۔ ان کی طرف ایجاد یا اعدام، رزق دینے والا، اولاد دینے مصیبت اور بیماری دور کرنے کی نسبت کرنا کفر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: اے محمد! کہہ دو میں اپنے لئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ خدا تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ نہ اسکے سوا کسی سے مدد طلب کرنے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اے اللہ ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اِیَّاكَ میں حصر ہے۔ اولیاء اللہ کے لئے کوئی نذر درست نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اگر کوئی نذر ایسی مانے تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ معصیت سے جہاں تک ممکن ہو، بچنا چاہیئے اور قبروں کا طواف درست نہیں کیونکہ

طواف نماز کے حکم میں ہے اور یہ بیت اللہ کا حق ہے۔ زندہ اور مردہ ولیوں اور نبیوں سے دعا کرنا درست نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ دعا ہی عبادت ہے۔ پھر ارشادِ خداوندی ہے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے

اور جو لوگ یہ وظیفہ کرتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ! — یہ کہنا جائز نہیں شرک اور کفر ہے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ

جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں (۷/۱۹۴)

یہ آیت صرف بت پرستوں کے لیے نہیں۔ کیونکہ مِنْ دُونِ اللہ میں عموم ہے۔ احکام میں الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اگر کوئی کلمۂ توحید کے ساتھ علی ولی اللہ۔ ابوبکر ولی اللہ، کو ملائے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ اسی طرح ذکر اور وظیفہ کے طور پر یا محمدؐ، یا محمدؐ کہنا ناجائز ہے۔

(ارشاد الطالبین ص۱۹)

نوٹ: ارشاد الطالبین فارسی میں ہے۔ اختصار کے لئے اردو میں ترجمہ کر دیا اور تلخیص بھی۔

قرآن مجید سے شرک اور دعوت لغیر اللہ کے لئے استدلال عجیب ہے لیکن جب قوموں کے ذہن بگڑتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ عجائبات کا ظہور ان سے ممکن ہوتا ہے۔ یہی حال ہمارے قبوری حضرات کا ہے، وہ قرآن عزیز سے شرک اور کفر کیلئے دلائل تلاش کرتے ہیں۔

کتاب و سنّت کا کام تو کفر و شرک اور بدعات کو مٹانا ہے نہ کہ ان کو قائم کرنا۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پوری زندگی شرک کے خلاف اعلانِ جہاد تھی۔ حضورؐ کی محبت اور اتّباع کا یہ تقاضا ہے کہ ہم قبروں کے ساتھ وہی سلوک کریں جس کی اجازت دی گئی ہے۔ اور جن باتوں کی نہی فرمائی ہے ان سے باز رہیں۔

جن کو ہم اولیاء اللہ سمجھتے ہیں وہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے سبب اولیاء اللہ بنے ہیں۔ پس کتاب و سنّت سے جس کام کی مخالفت ہوتی ہو، اُس کا کیا جانا اولیاء اللہ کی محبت کے منافی ہے۔ جس دینی فعل و عمل پہ کتاب و سنّت کی چھاپ نہ لگی ہو وہ معتبر نہیں۔ اور اس قسم کے تمام افعال عشق و محبت کے تمام زبانی دعووں کے باوجود آخرت کے خسران اور رسوائی کا باعث ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو کتاب و سنت پر عامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

مسلک اہلحدیث کے بارے میں

چند اہم سوالات

اور

اُن کے جوابات

مسلک اہلحدیث کے بارے میں جناب عبدالحق صاحب بی۔اے، ایل۔ ایل۔ بی نے چند اہم استفسارات شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث کی خدمت میں ارسال کئے تھے۔ آپ نے اُن کے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے ہیں جنہیں ہم افادہ قارئین کی خاطر شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ

ہفت روزہ الاعتصام لاہور

۳ر جون ۱۹۶۶ء

سوالات

۱۔ مسلک اہلحدیث کی و بحیثیت فقہی مذہب تعریف کیا ہے ۔ مختصر اور جامع الفاظ میں تحریر فرمائیے ۔

۲۔ مسلک اہلحدیث کی "اصول فقہ" کی کتاب کونسی ہے ؟ کتاب کا نام اور مصنّف کا نام تحریر فرمایئے ۔

۳۔ اہلحدیث کے اصول فقہ کونسے ہیں ؟

۴۔ مذہب اہلِ حدیث کے مجتہدین کون سے ہیں ۔ جنکی فقہ اہلحدیث میں جامع تصانیف موجود ہوں ۔

۵۔ مذہب اہلحدیث میں مجتہدینؒ کے کتنے اقسام ہیں ۔ اور ہر قسم کے لئے کونسے اوصاف ضروری اور لازمی ہیں ؟

۶۔ مسلک اہلحدیث میں مفتی کے لئے کیا شرائط ہیں ؟ کیا مجتہد ہونا ضروری ہے ۔

۷۔ ہندو پاکستان میں ایسے کتنے علماء موجود ہیں جنکو مسلک اہلحدیث کا مجتہد مانا جاتا ہو ۔ نام اور پتہ تحریر فرمائیں ۔

۸۔ کیا مسلک اہلحدیث کی فقہ مدون اور مرتب صورت میں موجود ہے ؟ اگر ہے تو اس فقہ کی تدوین کن حضرات نے کی اور کب ہوئی ؟ فقہ اہلحدیث کی کوئی جامع کتاب موجود ہو تو اس کا نام اور مصنّف کا نام تحریر فرمائیں ۔

۹۔ کیا ایسی مرتب اور مدون فقہ اہلحدیث پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا عامی کیلئے حنفی شافعی بنے رہنے کے تو مترادف نہیں ہے ۔ ایسے مقلد اور حنفی شافعی میں کیا فرق ہے ؟

۱۰۔ مسلکِ اہلحدیث کی فقہ اگر مرتب و مدون نہیں ہے تو علماء اہلحدیث اجتہادی مسائل میں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچ سکتی ہے کیسے فتویٰ دیتے ہیں ؟ یا کسی امام فقہ کے قول و اجتہاد پر فتوے دیتے ہیں ؟ اگر دوسری صورت ہے تو کیا یہ اس امامِ فقہ کی تقلید کروانی نہیں ہے ؟ اگر پہلی صورت ہے تو کیا ایسا کرنے سے اُمت میں وہ نظم اور یکجہتی قائم رہ سکتی ہے جو ایک مسلک معین کی اتباع میں نصیب ہوتی ہے ؟ کیونکہ مختلف علماء اہل حدیث کا ذاتی اجتہاد باہم دگر مختلف ہو سکتا ہے۔ کیا ایسا کرنے سے اختلاف اور تفرقہ بڑھ تو نہیں جائے گا ؟

۱۱۔ ایک اہلحدیث عالمِ دین کے ذاتی اجتہاد اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہم کی مدون اور مرتب فقہ میں سے کونسی چیز عمل کرنے کے لئے افضل ہے ؟ اگر عامی اجتہادی مسائل میں ان ائمہ میں سے کسی ایک امام فقہ کی اتباع کرتا ہے تو کیا ایسا آدمی عامل بالحدیث نہیں ہے ؟ خصوصاً جبکہ وہ اپنے امام کے خلاف قرآن و حدیث مسائل کو چھوڑ دینے کیلئے بھی تیار ہو۔

نوٹ : کتاب معیار الحق مصنفہ سید نذیر حسین محدّث دہلوی میں مندرجہ تقلید کے چار اقسام نظر میں رکھیں۔

۱۲۔ کیا علماء اہلحدیث ہر فقہی مسئلہ کیلئے قرآن مجید یا حدیث شریف سے نصِ صریح پیش کرتے ہیں ؟ جیسا کہ ابن حزم ظاہری کا معمول بتایا جاتا ہے۔ نیز اہلِ حدیث اور ظاہریوں کے مسلک میں کیا فرق ہے ؟

۱۳۔ اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے تو براہِ کرم ہر فقہی مسئلہ کیلئے صریح آیات و احادیث پیش کرنے کا اعلان فرمائیں تاکہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

۱۴۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر آپ کو فقہی مسائل کے بارے میں ایسا اجتہادی

فتوے مخالفین کو پیش کرنا ہوگا۔ جو ائمہ اربعہ میں سے کسی سے منقول نہ ہو۔
نیز قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو اور علماء اہلحدیث کا مفتیٰ بہ قول بھی ہو۔
اگر آپ ائمہ مجتہدین کے کسی قول کو موافق قرآن وحدیث پاکر اس پر فتویٰ دیں
گے تو پھر آپ کو اس قول کا ماخذ قرآن وحدیث سے ضرور پیش کرنا ہوگا۔ ورنہ
اس مسئلہ میں اسی امام کی اندھی تقلید ہوگی (بخلاف اتباع کے) جو کہ آپ
کے نزدیک خود ان ائمہ مجتہدین کے قول (کہ دلیل کے بغیر ہمارے قول پر فتویٰ
دینا حرام ہے وغیرہ) کے مطابق جائز ہیں۔

والسلام

عبدالخالق کندہ کوٹ

جوابات

محترم! السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مکتوب گرامی سے مسرت ہوئی کہ
آپ قانون کے ساتھ شغف کے باوجود مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ سوالات سے
ظاہر ہے کہ ان فقہی اختلافات میں بھی آپ کے مطالعہ کا انداز مناظرانہ ہے۔ آپ نے
سوالات کی ترتیب میں قانون اور مناظرہ دونوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ نیز سوالات اس
ذہن کی غمازی کرتے ہیں کہ اہلحدیث کو آپ ایک ایسا فرقہ سمجھتے ہیں جو ائمہ اجتہاد
کی ضد ہے اور شاید ہر مسئلے میں ان سے الگ ہے۔ آجکل دیوبند اور بریلی سے
جس طرح جمود کی دعوت دی جارہی ہے اور متاخرین شوافع بھی قریباً اسی انداز سے
دعوت دیتے ہیں۔ اس سے تو اہلحدیث کو کلی اختلاف ہے۔ ہم اس جمود کو واقعی
قطعاً پسند نہیں کرتے بلکہ اس جمود کو اسلام کی دعوتِ عام کے بھی خلاف سمجھتے ہیں۔
ایک انصاف پسند طالب علم ان حضرات کی اس تعصب آمیز دعوت سے یہی نتیجہ اخذ

کرے گا جو جناب نے اخذ کیا ہے ۔

لیکن فی الحقیقت اہلحدیث کی دعوت عام اور جامع ہے ۔ اس میں مذاہب اربعہ اور دیگر ائمہ اجتہاد کی فقہی مسائل بھی شامل ہیں ۔ اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان مقدس مسائل کا تحقیقی جائزہ لیا جائے اور انھیں کتاب اللہ اور سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے ۔ اور ان اختلافات کی تطبیق اور ترجیح کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کی روش کو سامنے رکھا جائے ۔ مروجہ فقہوں سے اہلحدیث کو جزدی طور پر یقیناً اختلافات ہے ۔ لیکن ائمہ اجتہاد کے علوم و آثار سے تحقیقی استفادہ تحریک کا اساسی مقصد ہے ۔ یعنے فقہی جزئیات یا اختیار علم و بصیرت کی بنا پر عمل میں آئے ۔ اس کے باوجود ان مختلف نظریات کو گوارا کرنا اور ائمہ کے علوم کا احترام اور ان سے استفادہ اس تحریک کی روح ہے ۔ اس بنیادی اور اجمالی گذارش کے بعد استفسارات کے جواب ملاحظہ فرمائیں ۔

۱ ۔ مسلک اہلحدیث ایک ایسی دعوت ہے جس کی بنیاد اصول اور فروع یعنے عقائد اور اعمال میں ظاہر کتاب و سنت اور ائمہ سلف یعنی صحابہ کرام کی روش پر ہے جس میں آنحضرت کے بعد کسی شخصیت کے نام پر دعوت کی بنیاد نہیں رکھی گئی ۔

۲ ۔ اصول فقہ میں روضۃ المناظر ابن قدامہ الرسالہ للامام الشافعی ــــــ ، ارشاد الفحول ، شوکانی ، حصول المامول للصدیق الحسن احکام الاحکام ، ابن حزم احکام للآمدی التوضیح والتلویح ــــ تفتازانی کشف الاسرار شرح اصول بزدوی ، احکام فی اصول الاحکام ــــ لعز بن عبد السلام ، القواعد لابن رجب ، القواعد والفوائد الاصولیہ ، لعلی بن عباس البعلی ۸۰۳ ، القواعد النورانیہ لابن تیمیہ موافقات شاطبی وغیرہ قدما احناف کی کتابوں میں اصول کی حیثیت سے بیان ہوئے ہیں ۔ جیسے مسلم الثبوت وغیرہ متاخرین حنفیہ ملا جیون شاشی

وغیرہ کی تصانیف محققانہ نہیں - کاتب چلپی حنفی نے کشف الظنون میں فرمایا۔ سب سے پہلے اصولِ فقہ پر معتزلہ اور اہلحدیث نے لکھا - لیکن ان کی کتابوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے - اس لئے معتزلہ عقائد میں ہمارے مخالف ہیں اور اہلحدیث فروع میں -

اصولِ فقہ میں اختلاف خاص نوعیت کا ہے - فن کے ماہر اس سے غلطی نہیں کھا سکتے - اس کے علاوہ بھی اہلحدیث نے اصول فقہ میں کافی ذخیرہ جمع فرمایا- ہر حق پسند آدمی کو اس میں دقت محسوس ہوتی ہے - اس لئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف کے تلامذہ عام طور پر اعتزال کا شکار ہوگئے - قاضی عیسےٰ بن ابان، بشر مریسی سرخسی، کرخی، کم وبیش معتزلہ سے متاثر ہیں - جو لوگ اعتزال سے متاثر نہیں ان کی روش اصول میں چنداں غلط نہیں - اس موضوع میں تفصیلاً لکھنا دقت چاہتا ہے - نیز یہ مسئلہ تدریسی ہے اخباری نہیں -

۳ - ۲ سے اس کا جواب کافی حد تک سمجھا جا سکتا ہے - اس کا مقصد پہلے جواب میں آچکا ہے -

۴ مجتہدین میں کوئی بٹوارہ نہیں - مذاہب اربعہ کے مجتہدین اہلحدیث کے بھی امام اور مجتہد ہیں - ائمہ حدیث بخاری - مسلم - ابوداؤد - ترمذی، ابنِ خزیمہ ابنِ جریر طبری، ابوعبدالرحمٰن اوزاعی، ابویوسف، محمد، یہ سب اہل حدیث کے مجتہد ہیں - البتہ حق کسی میں محصور نہیں - نہ کسی کو مقام نبوّت ملا ہے نہ مقام عصمت حاصل ہے - غزارت علم کے باوجود غلطی ممکن بھی ہے اور واقعہ بھی - اس لئے کسی کے اجتہادات واجب القبول نہیں ہوسکتے - اور نہ واجب الاتباع -

۵ - مجتہدین کی تقسیم کوئی شرعی مسئلہ نہیں فوق کل ذی علم علیم کے مطابق اصطلاحی الفاظ وضع کرلئے گئے ہیں - تقلید کی حفاظت کے لئے یہ اغلال سلاسل بنائے گئے ہیں - تاکہ ان کے محققانہ اختلافات کو ترکِ تقلید

کا نام نہ دیا جا سکے ۔ ورنہ یہ سب اساتذہ اور تلامذہ دلائل کی بنا پر باہم اختلاف فرماتے تھے اور ایک دوسرے کی تقلید سے بے نیاز تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہم

۶۔ مفتی کیلئے ضروری ہے وہ کم از کم آیات احکام اور احادیث احکام کو جانتا ہو مذاہب علماء پر اس کی نظر ہو ۔ عربیت سے آشنا ہو، اصول فقہ، اصول حدیث پر اس کی فی الجملہ نظر اور اس کے ساتھ باعمل اور متقی ہو ۔ اجتہاد ضروری نہیں ۔

۷۔ مجتہدین کی مردم شماری نہ پہلے کبھی ہوئی نہ اب اسکی ضرورت، علمی فیوض تدریس و تذکیر سے خود بخود مقام متعین ہو جاتا ہے ۔ مسلم مجتہدین کو ان کی زندگی میں ان کے اقران اتنے بڑے نہیں سمجھتے تھے جس قدر مقام اب ان کو حاصل ہے ۔ اہلحدیث علماء کا بھی یہی حال ہے ۔ مولنا سید نذیر حسین ۔ مولانا شمس الحق ۔ مولنا شرف الحق ڈیانوی ۔ مولنا حافظ عبداللہ غازی پور ۔ مولنا عبدالعزیز رحیم آبادی ۔ مولانا حافظ محمد لکھوی ۔ مولنا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی ۔ مولنا عبدالجبار صاحب غزنوی کو شاید آنے والے لوگ امام سمجھیں اور مجتہد ماننے لگیں ۔ میں اس معاملہ میں قطعاً مردم شماری یا مجتہد شماری کی ضرورت نہیں سمجھتا ۔

آپ قانون کے طالب علم ہیں ۔ مجتہد شماری سے پہلے اس اصطلاح کے مفہوم پر غور فرمائیں ۔ مجتہد کو اصطلاحاً جن علوم کا مکلف قرار دیا گیا ہے اس لحاظ سے تو صحابہ میں کوئی مجتہد معلوم نہیں ہوتا ۔ بلکہ تابعین میں بھی کسی کو مجتہد کہنا مشکل ہے ۔ حتیٰ کہ مسلم ائمہ اجتہاد ان مصطلح راہوں سے مقام اجتہاد پر فائز نہیں ہوئے ۔ عجیب یہ ہے کہ یہ اصطلاحی پابندیاں ائمہ اجتہاد پر وہ حضرات عائد فرما رہے ہیں جو خود مجتہد نہیں ۔ آنحضرت نے سچ فرمایا :

ان من اشراط الساعۃ ان تلد الامۃ ربتہا ۔

ارباب تقلید ائمہ اجتہاد کیلئے اجتہاد کی راہیں تجویز فرماتے ہیں ۔ پھر یکم محرم

سنہ ۴۰۱ سے اجتہاد کو کلیتاً بند فرماتے ہیں۔ حالانکہ علوم اجتہاد اب بھی موجود ہیں۔
رسالہ حمیدیہ صفحہ ۳۲۸ ولکن من عصر العمابرة من الهجرة النبوية على صاحبها ازكى الصلوة والسلام قال العلما الاعلام كما ينقل عن علما الحنفية ان باب الاجتهاد قد انسد من ذلك التاريخ ۱ھ
علماء حنفیہ نے فرمایا کہ چوتھی صدی کے ختم ہوتے ہی اجتہاد کا دروازہ مقفل ہوگیا۔
ہم جب مجتہد کی تقلید ہی پسند نہیں کرتے' ہم مجتہد شماری کی سر دردی کیوں کریں۔
ہمیں قرون خیر کا ایک غریب مسلمان تصور فرمایئے جو اپنے وقت کے علماء سے بلا تعیین شخص مسائل دریافت کرتا ہے اور اپنے فہم اور بساط کے مطابق ان پر عمل کرتا ہے۔ نہ وہ تقلید کو واجب سمجھے نہ مجتہد کی تلاش میں نکلے۔

۸۔ مروجہ مذاہب کی فقہیں ہماری ہیں۔ ہم بلا تخصیص وقت کے تقاضوں اور اپنے فہم کے مطابق قرآن وسنت کی رہنمائی میں ان پر عمل کرتے ہیں۔ ان سے مسائل انتخاب کرتے ہیں۔ ایک فقہ کا تعین اصل مرض ہے جس نے تقلید کی بندشوں کو مضبوط کیا۔ اور فکر ونظر' فہم وشعور کے دروازوں کو مقفل کیا زاد المعاد نیل الاوطار' فتح الربانی۔ بدور الاہلہ' دلیل الطالب الی ارجح المطالب۔ فتاویٰ وغیرہ کافی کتابیں اس فقہی نہج پر لکھی گئیں۔ لیکن تقلید نہ ہونے کی وجہ سے وہ مروجہ فقہوں کا مقام حاصل نہیں کر سکیں۔ نہ ہی حاصل ہونا چاہیئے۔ علماء کو اپنے علم کے مطابق تحقیق کرنا چاہیئے۔ عوام کو بلا تخصیص علماء کیطرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جس طرح قرون خیر میں لوگ کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔

وبعد القرنين حدث فيهم شئ من التخريج غيران اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد على مذهب المنفقة

له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع بل كان فيهم العلماء والعامة وكان من خبر العامة انهم كانوا في المسائل الاجماعية التي لا اختلاف فيها بين المسلمين او جمهور المجتهدين لا يقلدون الا صاحب الشرع وكانوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلوٰة والزكوٰة من آبائهم و معلمهم فيمشون حسب ذالك واذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها اي مفت وجدوا من غير تعيين مذهب وكان من خبر الخاصة انه كان اهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث يتخلص اليهم من احاديث النبی صلعم وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه الی شئ آخر الخ (حجة البالغہ ص۱۲۲ ج۱)

دوسری صدی کے بعد تخریج کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ لیکن چوتھی صدی تک لوگ تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے۔ نہ ہی ایک مذہب کی تقلید اور اس پر تفقہ کا خیال اور چرچا ہوا تھا۔ اس وقت علماء بھی تھے اور عوام بھی۔ عوام کا یہ حال تھا کہ اتفاقی مسائل اپنے بزرگوں اور اپنے شہر کے علماء سے دریافت کرتے اور صرف آنحضرت کا اتباع فرماتے جیسے وضو، نماز۔ زکوٰۃ کے متفقہ مسائل۔ اور جب کوئی خاص حادثہ ہو جاتا تو بلا تعیین مذہب کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے۔ خواص کا یہ حال تھا وہ یعنی اہلحدیث کو حدیث میں غور و فکر کے بعد ایسی احادیث و آثار ان کو مل جاتے جس کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی انہیں ضرورت ہی نہ رہتی۔ یہ صحیح اسلام کی صورت ہے۔ اس کے ہوتے کسی جدید فقہ کی تدوین کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ موجودہ فقہوں پر بلا تعیین عمل کیا جائے۔ لوگوں کو ایک مذہب کی پابندی پر خواہ مخواہ تنگ نہ

کیا جائے، تو مسلک اہلحدیث کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی نہج پر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ ۷۵۱ھ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

فانا نعلم بالضرورۃ انہ لم یکن فی عصر الصحابۃ رجل واحد اتخذوا رجلا منھم یقلدہ فی جمیع اقوالہ فلم یسقط منھا شیئاً واسقط اقوال غیرہ فلم یاخذ منھا شیئاً و نعلم بالضرورۃ ان ھذا لم یکن فی التابعین ولا تابعی التابعین فیکذبنا المقلدون برجل واحد سلک سبیلھم الوخیمۃ فی القرون الفضیلۃ علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انما حدثت ھذہ البدعۃ فی القرن الرابع المذموم علی لسانہ صلعم

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ایک آدمی بھی اس وقت اس طرح کا مقلد نہیں تھا جو ایک ہی شخص کے تمام مسائل کو قبول کرے اور باقی علماء کے فتووں کو رد کر دے۔ اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کا بھی یہی حال تھا۔ ایک ایسے آدمی کا پتہ دے کر حضرات مقلدین ہماری تکذیب کریں جو اس ناہموار راہ پر چل رہا ہو۔ یہ بدعت چوتھی صدی کی پیدا ہے جس کی آنحضرت نے مذمت فرمائی ہے۔

ان گذارشات سے آپ پوری طرح سوچ لیں کہ مجتہدین کی تقسیم اصول فقہ کی تقسیم کا تصور کہاں سے پیدا ہوا۔ یہ صرف تار عنکبوت کا ایک حصار ہے جو تقلید شخصی کی کمزور عمارت کو بچانے کیلئے بنایا گیا۔ جس سے آپ ایسا قانون کا طالب بھی متاثر ہونے سے نہیں بچ سکا۔ مجھے تعجب ہے آپ کا ذہن اس سوال کی طرف منتقل کیونکر ہوا۔

۹۔ اس کا جواب قریباً ۸ میں ہو چکا ہے۔ واقعی اگر ان مخصوص فقہوں کی طرح فقہ اہلحدیث کی پابندی واجب قرار دی جاتی تو یہ بھی تقلید ہی ہوتی

۱۰: میں نے عرض کیا ہے سابقہ ساری فقہیں قابلِ عمل ہیں۔ ظروف واحوال کے لحاظ سے اہل علم ان سب پر بلا تخصیص عمل کرینگے۔ فرعی اختلافات کو گوارہ کرنے کی عادت ڈالیں گے۔ اس سے قرونِ خیر کی وحدت قائم ہو گی۔ یہ نزاع تقلید کی پیداوار ہے۔ جس کی وجہ سے تنگ نظری اذہان پر محیط ہو چکی ہے۔ بیماری کا نام صحت سمجھ لیا گیا ہے۔ آپ اس جامد اختلاف کا نام یکجہتی فرماتے ہیں عجیب ہے؟

جب چاروں مذاہب "حق پر ہیں" اور دنیا میں موجود ہیں تو یکجہتی جناب نے کہاں سے سمجھی بلکہ چار جہتی کو توحق سمجھ کر گوارا کیا گیا ہے۔ اگر اس میں مسلک اہلحدیث کو بھی اسی طرح گوارا کر لیا جائے تو یہ مصطلح یکجہتی پھر بھی قائم رہے گی۔ ذرا اس میں وسعت ہو جائے گی۔ کاش حضرات علماء کرام اسے گوارا کریں۔ پہلی بیماری مروج تقلید ہے دوسری بیماری گوارا نہ کرنے کی عادت۔ غرض اس وجوب اور پابندی کو آپ ختم کر دیں ساری دقتیں دور ہو جائیں گی۔ بعض نظریاتی دقتیں عمل سے خود بخود دور ہو جائیں گی بلکہ اس صدی کے سفر میں بہت کچھ درست ہو چکا ہے۔ اختلاف رائے کو گوارا فرمایئے تفرقہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اختلاف اور تفرقہ میں الف تفسیری نہیں بلکہ فقہی اختلاف رہنا چاہیئے اور تفرقہ کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱: اجتہاد کسی عالم کا ہو اسے کتاب وسنت پر پیش ہونا چاہیئے۔ اگر کتاب وسنت میں صراحت موجود نہ ہو تو عوام کو کسی کے اجتہاد کا پابند نہ کیجئے۔ جس پر حسب مصالح عمل کرے اس پر کوئی ملامت اور ضیق نہ ہونی چاہیئے۔ عوام بہرحال علماء کی طرف رجوع کریں گے انہیں عادت ڈالنی چاہیئے کہ مشہور مجتہدین یا متعارف فقہوں کی بجائے شریعت یا کتاب وسنت کے نام سے مسائل

دریافت کریں اور علماء انھیں اپنی صوابدید کے مطابق جواب دیں ۔ اگر مقلد قرآن حدیث کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہوجائے تو یہ تقلید کی قابل برداشت اور مناسب ترین صورت ہے میاں صاحب نے اور حافظ ابنِ قیم نے اسے گوارا فرمایا ہے ۔ تجربہ کی بناء پر یہ ضروری استفتا مخصوص فقہوں کی بجائے شریعت کی بناء پر ہونا چاہیئے ۔ میاں صاحب نے "معیار" کے اس مقام میں یہ اصلاح فرمادی تھی ۔

۱۲ ابنِ حزم قیاس کے بالکل منکر ہیں ۔ اہلحدیث قیاس کو مانتے ہیں ۔ نظائر کے حکم میں مساوات کو مانتے ہیں ۔ لیکن اگر قیاس کہیں قرآن اور سنت سے متصادم ہوجائے تو اہلحدیث نصوص کو مقدم سمجھتے ہیں ۔ مدۃ رضاع احناف کے نزدیک ۲½ سال اور خمر کا سرکہ بنانا نصوص کے خلاف ہے ۔ اس میں نصوص مقدم ہونگی ۔

۱۳ اس کا جواب ۱۲ میں آچکا ہے ۔ قیاس نصوص کے تابع ہو تو قابل قبول ہے اس لئے ہر پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق کسی نئے اعلان کی ضرورت نہیں ۔

۱۴ سابقہ گذارشات کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ یہ فرضی شقیں جناب کی قانون دانی کی مرہون ہیں ۔

کوشش تو یہی ہے کہ ائمہ کرام کے جو اقوال اختیار کئے جائیں ۔ حضرات ائمہ کے ارشاد کے مطابق ان کے ماخذ پر نظر ہو ۔ اس کے باوجود قصور نظر کا اعتراف ہے ۔ فہم میں غلطی بھی ہوسکتی ہے ۔ ممکن ہے ماخذ نہ ملے تو کوئی اور راہ اختیار کرنا پڑے ۔

قلت فرصت کے باوجود انتہائی اختصار سے بھی جوابی گذارشات آپ کے حسب الحکم "الاعتصام" میں بھیج رہا ہوں ۔ امید ہے بعد ملاحظہ اپنی رائے سے مطلع

فرمائینگے۔

یہ ملحوظ رہے کہ مناظرانہ انداز سے ان مباحث کو طول نہیں دینا چاہتا نہ ہی اتنی فرصت ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ان مباحث میں کوئی چیز بھی حرف آخر نہیں سمجھی جا سکتی۔ اور مزید در مزید بسط۔ اسی طرح ہو سکتا ہے۔ اعلام الموقعین مترجم مل جائے تو ملاحظہ فرمالیں۔ اگر عربی زبان پر عبور ہو تو اعلام' ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ احکام لابن حزم وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام

محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ

ایک

اِستفسار کا جواب

از قلم: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی امیر مرکزی
(جمعیتہ اہلحدیث مغربی پاکستان)

ایک مخلص بریلوی دوست کے جواب میں!

گوجرانوالہ محلہ اسلام آباد کی مسجد کی بنیاد مرحوم حاجی خدا بخش صاحب نے محلہ کے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ ملکر رکھی تھی۔ لیکن اس کے نظم ونسق میں زیادہ دخل بریلوی حضرات کا رہا۔ عام طور پر یہاں کی امامت وخطابت ایسے حضرات کے قبضہ میں رہی جو بریلویت کے ترجمان تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنے مسلک کے پابند بھی تھے اور مبلغ بھی۔ شہر اور محلہ میں باہم مسلمانوں میں منافرت نہ تھی۔ مختلف مکاتبِ فکر باہم ملتے جلتے تھے۔ ایک دوسرے کی اقتدار میں نماز بھی ادا کر لیتے تھے۔ کوئی بھی کسی کو بری نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ تمام مکاتبِ فکر کے یکجا جمعہ پڑھنے کا فیصلہ بھی اسی مسجد میں ہوا تھا۔ یہ تحریک مرحوم بابو عطا محمد صاحب کی مساعی اور کارکنوں کی کوششوں کی مرہونِ منت تھی صاحبزادہ فیض الحسن بھی ان مجالس میں شریک ہوئے۔ اس وقت صاحبزادہ

لوگوں کو بد اعمال کے بدلے ان پر عذاب نازل ہوئے۔ اسی طرح التحیات
للہ میں رسول کریمؐ پر سلام پڑھا جاتا ہے اپنے اور نیک لوگوں پر بھی ــ اور
ربِّ اجعلنی دعا میں اپنا، اپنی اولاد، ماں باپ اور تمام مومنوں کا ذکر آتا ہے۔
درود پاک میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد اور ابراہیم علیہ السلام
اور ان کی اولاد پر درود پڑھا جاتا ہے۔ دعاگو

مرزا عمر بیگ نظامی ۱۹۔ اسلام آباد، گوجرانوالہ

الجواب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؐ

محترم مرزا عمر بیگ صاحب زاد عمرکم ــــ السلام علیکم!

آپ کا مکتوب بدست سعید صاحب ملا۔ مسرت ہوئی کہ آپ حضرات
نے ان مسائل کی تحقیق فرمانے کی کوشش فرمائی جو عموماً ہمارے بریلوی علماء اور
ان کے حاشیہ نشین عوام عموماً کہتے رہتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے فریق کو اس کا
علم بھی نہیں ہوتا اور یہ حضرات جلسوں اور ممبروں پر ان کا اعلان فرما رہے
ہوتے ہیں۔ یہ طریق بہت اچھا ہے۔ اس سے آپ کو بھی بصیرت ہوگی اور یہ
حضرات بھی ممبر اور مجالس کی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گے۔ بلا تحقیق دوسروں
پر تہمت لگانے سے پرہیز کریں۔ ترتیب وار گذارشات سنیئے :

(۱) اہلِ وہاب کوئی مذہب نہیں نہ ہی ہم لوگ اہل وہاب یا وہابی کہلانا پسند
کرتے ہیں۔ نجد کے ایک مشہور عالم کا نام محمد بن عبدالوہاب تھا۔ اس نے نجد
اور یمن کے علاقوں میں وعظ و نصیحت کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی۔ لوگوں
کو قبر پرستی، بدعات اور غلط رسوم سے روکا۔ لوگوں نے ان کی سخت مخالفت

کی۔ ان کے والد عبدالوہاب عالم ہونے کے باوجود ان کی مخالفت کرتے ۔ کئی سال کی محنت اور ہجرت کے بعد آل مسعود نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے ان کی بات کو سمجھا۔ ان کے والد بزرگوار کو محسوس ہوا کہ ان کا بیٹا صحیح کہتا ہے ۔ اسے طعن کے طور پر لوگ وہابی کہتے ہیں لیکن دراصل وہ لوگ حنبلی ہیں۔ فقہ میں امام احمدؒ کو پیشوا مانتے ہیں۔ ہمارے ملک میں عام لوگ حنفی ہیں۔ نجد میں اکثر لوگ حنبلی کہلاتے ہیں۔ وہابی نہ کوئی مذہب۔ نہ فرقہ، محض ایک تحریک تھی جس کا   کی وجہ سے ان علاقوں میں بھی لوٹ رہا ہے جس طرح ساری دنیا میں دینداری کم ہو رہی ہے۔ ہمارے بریلوی مولوی جسکے مخالف ہو جائیں اسے وہابی کہکر بدنام کرتے ہیں ۔ یہ دراصل سنت انگریز ہے۔

ہم لوگ نہ اہلِ وہاب ہیں نہ وہابی ۔ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی مانتے ہیں اور صرف ان کی اطاعت کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ چاروں اماموں کو پیشوا سمجھتے ہیں۔ چاروں فقہ کو یکساں اور برابر سمجھتے ہیں۔ جو مسئلہ قرآن اور سنت کے موافق اسے قبول کرتے ہیں اور ان تمام فرقوں سے اپنے آپ کو الگ سمجھتے ہیں نیز بت پرستی، پیر پرستی سے پرہیز کرتے ہیں اور اسے اسلامی تعلیمات کے خلاف قبروں اور خانقاہوں پر میلوں اور عرسوں کو ناپسند کرتے ہیں اور بزرگوں کو اسطرح فروخت کرنا اور اپنا پیٹ پالنا گناہ سمجھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصوّر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز میں تصور کرنا یا نہ کرنا عقائد کا مسئلہ نہیں عقائد کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ عقائد کی مشہور کتابیں شرح عقائد نسفی عقیدہ طحاویہ شرح عقیدہ اصفہانیہ، عقیدہ صابونیہ خیالی عبدالحکیم شرح مطالع یہ عقائد کی

کتابیں عام کتب خانوں میں ملتی ہیں، کسی میں یہ عقیدہ موجود نہیں۔ معلوم نہیں بریلوی مولوی صاحبان نے یہ عقیدہ کہاں سے بنایا۔ صحیح یہ ہے کہ نماز خشوع و عاجزی سے پڑھی جاتے۔ نماز میں جو پڑھا جائے اس کے مفہوم و مطالب کی طرف توجہ رکھنی چاہیئے۔ باقی پریشان خیالات سے بچنے کی کوشش کرے۔ اگر خیالات ذہن میں آئیں تو دل میں اعوذ یا لاحول پڑھے اور خیالات کی آمد کو روکے۔

غلطی کی وجہ

قریباً ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ ایک بزرگ سید احمد بریلوی ہوئے۔ یہ حنفی المذہب تھے۔ نہایت پرہیزگار تھے۔ انھوں نے سکھوں اور انگریزوں کے ساتھ جہاد کا فیصلہ کیا۔ بڑے بڑے عالم بھی اُن کے مُرید تھے اسی سلسلہ میں مولانا اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ اور مولنا عبدالحئی صاحب بڈھانوی حنفی ان کے عقیدت مند تھے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب اہل حدیث تھے۔ سید احمد صاحب حنفی بریلوی صوفی بزرگ تھے۔ انھوں نے تصوف میں ایک کتاب لکھوائی جس کا نام "صراط مستقیم" ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔ اس کے چار باب ہیں۔ اس کے دو باب کا ترجمہ مولوی عبدالحئی صاحب بڈھانوی حنفی نے کیا ہے۔ اس کے دوسرے باب میں جس کا ترجمہ مولنا عبدالحئی صاحب نے کیا ہے۔ اسمیں ایسی عبارت موجود ہے جس میں بریلوی حضرات کو مغالطہ ہوا ہے۔ وہ عبارت کو صحیح نہیں سمجھ سکے۔ اصل عبارت اور اس کا مفہوم آگے آتے گا۔ لیکن مہربانی فرما کر آپ دو چیزیں ذہن میں رکھیں۔ سید احمد بریلوی بھی حنفی ہیں اور مولنا عبدالحئی صاحب بڈھانوی بھی حنفی ہیں۔ شاہ اسمٰعیل صاحب نہ اس کتاب کے مصنف ہیں نہ اس باب کے مترجم۔ وہ تاجر کتب حضرات کی ہوشمندی

کہ انھوں نے شہرت کی وجہ سے کتاب پر شاہ اسمٰعیل صاحب کا نام لکھ دیا۔
اور وہ بریلوی حضرات کی لاعلمی کا نشانہ بن گئے۔ حالانکہ وہ بیچارے بالکل بے قصور
ہیں۔ اور شاہ صاحب کے نام اور اہلحدیث ہونے کی وجہ سے جماعت اہلحدیث
بدنام ہوگئی۔ حالانکہ ہماری کسی کتاب میں یہ مسئلہ نہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ ہم ان بزرگوں کو اختلاف فقہی کے باوجود نیک
اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کو پیشوا یا اپنا امام نہیں سمجھتے۔ ان میں سے بعض
حضرات کی کچھ تصنیفات ہیں۔ جن میں ہر قسم کے مسائل پائے جاتے ہیں۔
ان میں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی، ہم ان حضرات میں سے کسی کے مقلد نہیں۔
ان کو اچھے عالم اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ بریلوی حضرات معلوم نہیں یہ غلط بیانی
کیوں کرتے ہیں کہ یہ حضرات ہمارے امام ہیں۔ آپ یقین فرمائیں نہ انکی کتابیں
ہمارے لئے حجۃ ہیں نہ یہ بزرگ ہمارے امام۔ اب ہمارا فرض نہیں کہ ہم
اصل عبارت کی تشریح کروں یا مغالطہ کا اظہار۔ لیکن آپ کی تسکین کے لیے اصل
عبارت اور اس کا مطلب عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

سید احمد کا مقصد یہ ہے کہ نماز پوری توجہ سے ادا ہونی چاہیئے۔ اس
میں خیالات اور وسوسوں کو قریب نہیں آنے دینا چاہیئے خصوصاً ایسے
خیالات جن سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی میں فرق آئے ۔ کیونکہ
عبادت میں پہلی چیز اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی عظمت اور برتری
ہے ۔ دوسری چیز عبادت میں انسان کا عجز و انکسار اور حاجتمندی
ان دو چیزوں میں جن خیالات سے نقص پیدا ہو، اللہ کی عزت اور برتری میں
فرق آئے یا انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھے، اس کے دل میں تکبر آجائے۔ عبادت
میں آنحضرتؐ کا ذکر بطور عبدہٗ و رسولہٗ آئے تو اس میں کچھ حرج نہیں اسلئے

کہ یہ اللہ کی عظمت سے نہیں ٹکراتا۔ بلکہ اس میں ان کی عبدیت اور رسالت کا اقرار ہے۔ اسی طرح مغضوب اور منعم علیہ گروہوں کے خیال سے اللہ کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ انعام بھی احتیاج اور غضب میں "ان نافرمانیوں کی تحقیر ہے۔ اس لحاظ سے یہ خیال اللہ کی عظمت سے نہیں ٹکراتا" اگر کسی ولی بزرگ، یا نبی کا خیال آجائے تو ان کی عظمت، ان کی بزرگی کا خیال اللہ تعالےٰ کی عظمت اور بزرگی سے ٹکرائے گا۔ آپ اس کے لیے اعوذ پڑھ سکتے ہیں نہ لاحول ۔۔ اس کے خلاف اگر بیل گدھے یا کسی ذلیل اور حقیر چیز کا خیال آجائے تو آپ فوراً لاحول یا اعوذ پڑھ کر اسے دور کر دیں گے۔ اللہ تعالےٰ کی ربوبیت اور عزت اس سے متاثر نہیں ہوگی

سید صاحب کا مقصد یہ ہے: وسوسہ کوئی بھی نماز میں نہ ہی آنا نہ ہی لانا چاہیئے لیکن بعض وسوسے نماز میں زیادہ خلل پیدا کریں گے بعض کم۔ صوفیانہ لحاظ سے سید صاحب نے واقعی عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن کند ذہن آدمی جو اتنی گہرائی تک نہ جا سکے وہ کفر کے فتوے لگانے شروع کردے گا ۔۔ مقابلہ حضرت کی ذات گرامی اور گا ؤ خر میں نہیں۔ مقابلہ وسوسے کے نقصان اور مضرت میں ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ گرم لوہا جلانے کے لحاظ سے گرم پانی کے لحاظ سے زیادہ مضر ہے۔ مقابلہ لوہے اور پانی کی قیمت میں نہیں ہے بلکہ لوہے اور پانی میں گرمی کی تاثیر کا ہوگا۔ سید صاحبؒ نے اس عمیق اور لطیف بات کو سمجھانے کے لیے متعدد صفحے لکھے ہیں لیکن بریلوی علما کا بُغض ذہن سچی بات سمجھنے میں حائل ہوگیا۔ سید صاحب کی پوری بات سمجھنے کے لیے اگر آپ پسند فرمائیں تو اصل کتاب بھیجدوں ۔۔ ممکن ہے اللہ تعالےٰ آپ کا ذہن کھول دے۔

سید صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طبائع کے لحاظ سے وسوسے کا اثر ہر طبیعت پر مختلف ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ ایسے بزرگ نماز میں لشکر مرتب فرمالیتے تھے۔ ان کی نماز میں ان کے خشوع میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے بزرگوں اور اہل اللہ کی ریس کر کے عوام کو اپنی نماز نہیں خراب کرنی چاہیے۔

سید صاحب نے وسوسے کی دو قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک وسوسہ لاعلاج ہے۔ اس کے لیے یا تو اللہ سے دعا کرے یا کسی کامل پیر کی صحبت میں کچھ عرصہ گذارے۔ دوسرا قابلِ علاج ہے۔ اس کا علاج 'ذکر' فرمایا ہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں:

"اور جو کچھ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے۔ سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیے"

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر!
ہست مانند در نوشتن شیر و شیر

حضرت خضر علیہ السلام کے لیے کشتی توڑنے اور بے گناہ بچے کو مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے۔ جناب فاروقؓ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل نہیں ڈالتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں سے ہو جاتی تھی۔ اس لئے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہٗ کے الہامات سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی۔ اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو، خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے۔ اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے کہ بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے۔ اور شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآبؐ ہی

ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے۔ اور بیل اور گدھے کے خیال میں نہ تو اسقدر چسپیدگی ہوتی ہے نہ تعظیم، بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے۔ اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی شرک کیطرف لے جاتی ہے۔ حاصل کلام یہاں وسوسوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے اصل کتاب فارسی میں ہے۔ میں نے بقدر ضرورت ترجمہ نقل کر دیا ہے۔

سید صاحب یہاں آنحضرت اور بزرگوں کی عظمت اور بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ بریلوی مولوی صاحبان نے اسے توہین بنا ڈالا۔ سمجھ الٹ جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ومن یضلل فلا ھادی لہ۔

اس امر پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ نماز خشوع اور انابت سے ادا کرنی چاہیئے۔ وسوسے اور خیالات نماز میں نقصان پیدا کرتے ہیں۔ یہی مسئلہ سید صاحب نے ذکر فرمایا۔ سید صاحب نے اس کی وضاحت فرمائی کہ ردی اور حقیر چیزوں کا خیال اس لئے زیادہ مضر نہیں کہ ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ معزز اور محبوب چیزیں زیادہ مضر ہیں کہ ان کی عزت اور محبت دل پر غالب ہوتی ہے۔ آپ ان بریلوی علماء کرام سے فرمائیں کہ ان کے ہاں کیا صورت ہوگی۔ کیا گاؤ خر کے تصور سے نماز میں صرف نقص پیدا ہوگا اور بزرگوں کے تصور سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یا بریلوی حضرات خشوع کی نماز میں ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ آپ کے ہاں کافر مشرک یہودی، عیسائی، مجوسی کے تصور میں فرق نہیں، سب یکساں ہیں۔ آپ کے سوال کے آخری حصہ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرات مغضوب علیہم اور منعم علیہم کفار مشرکین اور صالحین سب کے تصور جائز سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا آپ کے ہاں کوئی چارہ ہی نہیں

بہرحال سید صاحب جب نماز میں خضوع ضروری سمجھتے ہیں۔ اور خیالات و وسوسوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ وسوسوں میں بھی فرق کرتے ہیں۔ بعض زیادہ مُضر اور بعض کم۔ اور اس میں مقابلہ آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اور (معاذ اللہ) گاؤ خر میں نہیں، بلکہ اچھے اور بُرے، مُضر اور کم مُضر وسوسوں میں مقابلہ ہے۔

ایک فقہی نظیر

ذہن کو صاف کرنے کے لئے میں چاہتا ہوں آپ فقہا حنفیہ رحمہم اللہ کی ایک دو تصریحات پر غور فرمائیں:

لو نظر المصلی الی المصحف وقرء منه فسدت صلوته لا الی فرج امرءة بشهوة لان الاول تعلیم وتعلم فیها لا الثانی اه۔
الاشباہ والنظائر ص۲۷ طبع کانپور

"اگر قرآن میں دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز (احناف کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں تعلیم و تعلم ہے۔ اگر عورت کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اھ

مولوی احمد رضا صاحب لکھتے ہیں:

"اگر عورت کو طلاق رجعی دی تھی۔ ہنوز عدت نہ گذری۔ یہ نماز میں تھا کہ عورت کی فرج داخل پر نظر پڑ گئی اور شہوت پیدا ہوئی۔ اور نماز میں فساد نہ آیا" فتاوی رضویہ ص۴۶ جلد ۱

مولوی صادق صاحب اور دوسرے بریلوی مولوی صاحبان دریافت فرمائیں کیا شرمگاہ قرآن سے افضل ہے۔ قرآن سے نماز فاسد ہو۔ شرمگاہ کے ملاحظہ سے نماز پر کوئی اثر نہ پڑے اھ۔ شامی مراقی الفلاح میں بھی یہ مسئلہ موجود جو توجیہ آپ کے بزرگ اس لئے کریں گے اس قسم کا عذر سید احمد شہید کیلئے بھی ہوگا

دُوسرا مسئلہ

قال امام بعد شہر کنت مجوسیاً فلا اعاد علیہ و لو قال

صلیت بغیر وضوءٍ او فی ثوب نجس اعادہ ان کان متیقناً

(الاشباہ والنظائر ص۴۰۲)

اگر امام ایک ماہ امامت کے بعد کہتا ہے کہ مَیں مجوسی تھا مقتدی کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر امام کہے کہ میں نے بے وضو یا پلید کپڑے نماز پڑھائی ہے تو بصورت بے وضو نماز لوٹانی چاہیئے۔ بلکہ اگر آپ پر یہ الزام لگایا جائے کہ آپ مجوسی آتش پرست کو بے وضو مسلمان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ اسے پسند کریں گے۔ اگر یہاں فقہاء رحمہم اللہ کی توجیہات صحیح سمجھی جا سکتی ہیں تو سید احمد صاحب کے ارشاد کی بھی توجیہ ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے علماء سے دریافت فرمائیں۔ مجھے خطرہ ہے اگر آپ نے مسائل میں تحقیق شروع کی تو محلہ میں آپ کا مقاطعہ کرایا جائے گا۔ اور مسجد میں آپ کا داخلہ بند ہو جائے گا۔

ہم جس طرح ائمہ اربعہ اور فقہاء مذہب کو اپنا بزرگ سمجھتے ہیں۔ انکے علوم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح سید احمد شہیدؒ مولانا عبدالحیی صاحب کو باوجود حنفی ہوتے کے اپنا بزرگ اور عالم سمجھتے ہیں جو باتیں انکی قرآن و حدیث اور مصالح کے مطابق ہوں، انھیں قبول کرتے ہیں۔ جو سمجھ میں نہ آئیں نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن ان کو بُرا بھلا نہیں کہتے نہ ہی ان کو انبیاء کی طرح واجب الاطاعة جانتے ہیں۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا۔

میں آخر میں آپ کا پھر شکر گذار ہوں کہ آپ نے تحقیق کرنے کی جرأت فرمائی اللہ تعالے آپ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تفسیر

سورۂ اخلاص

شیخ الاسلام

امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ

ترجمہ

مولانا غلام اللہ ربانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ

چک ۱۰۹/۷-آر ، چیچہ وطنی ، ضلع ساہیوال

واحد تقسیم کار

دار الکتب السلفیہ ، شیش محل روڈ ، لاہور

Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981

P.O.BOX 1452 E-mail:alsalafiyyah@yahoo.com

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا

زیارتِ قبور کا شرعی طریقہ

مؤلف

مولانا محمد حنیف یزدانی رحمۃ اللہ علیہ

واحد تقسیم کار

دار الکتب السلفیہ ○ شیش محل روڈ ○ لاہور

Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981
P.O.BOX 1452 E-mail:alsalafiyyah@yahoo.com

ناشر

مکتبہ محمدیہ

چک ۱۰۹/۱۰-R چیچہ وطنی ○ ضلع ساہیوال

تحریکِ آزادیِ فکر

اور

شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی

از
مولانا محمدؒ اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب
مولانا محمدؒ حنیف یزدانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ محمدیہ